Dated

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

لا خیر فی العیش الا لرجلین عالم مطاع او مستمع واع

البلاغ المبین وکتاب التفریق

سیرۃ فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا

مؤلفہ محمد سلطان مرزا دہلوی ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی

خدایا میں ہوں یہ تیری نذر کرتا
ابد تک رکھ تو جاری فیض اس کا

قیمت شش روپیہ

مشہور پریس کراچی میں طبع شد

طبع دفعہ اول

جنوری ۱۹۵۱ء

نوٹ

باب چہار دہم کو پنجدہم اور اس کے بعد ہر ایک باب کو چھپے ہوئے نمبر سے ایک زیادہ سمجھیں۔ اور اگر تکلیف گوارا کریں تو مطبوعہ نمبروں کے ورق میں سے کاٹ کر ہر باب پر چسپاں کر دیں

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوْ أَنَّهَا صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

میرے اوپر اپنے مصائب پڑے ہیں کہ اگر وہ دن پر پڑتے تو شب تاریک ہو جاتے ۔ فاطمہ

سیرۃ
فاطمۃ الزھرا
علیہا السلام

تالیف

آغا محمد سلطان مرزا دہلوی

ایم ۔ اے ۔ ایل ایل ۔ بی

ڈسٹرکٹ وسشن جج ریٹائرڈ

سپیشل مجسٹریٹ درجہ اول باختیارات دفعہ ۳۰ ضابطہ فوجداری کراچی

جسٹس آوف دی پیس کراچی

سابق ممبر کورٹ او یونیورسٹی ۔ دھلی

سابق آونریری سکریٹری پراونشل سول سروس جوڈیشل برانچ

مصنف البلاغ المبین حصہ اول و دوم و سوم

اور کتاب التفریق والتحریف فی الاسلام

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

اے پیغمبر کے اہلبیت خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ ہر طرح کی برائی سے تم کو دور رکھے اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ۔ ویسا پاک و پاکیزہ رکھے ۔ قرآن

بار اول

جنوری ۱۹۵۰ء

إن الله ليغضب لغضب فاطمة ويرضى لرضاها (کنز العمال ... ۲۰۳ ...) — تحقیق خداوند تعالیٰ غضبناک ہوتا ہے فاطمہ کے غضب سے اور راضی ہوتا ہے فاطمہ کی رضامندی سے

إنما فاطمة بضعة مني يسرني ما يسرها ويغضبني ما أغضبها — فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جو چیز اس کو خوش کرتی ہے وہ مجھ کو خوش کرتی ہے اور جس سے اس کو غصہ آتا ہے ...

Library, Rampur

بیادگار
و
برائے ایصال ثواب بروح
والدہ ام

فہرست مضامین کتاب سیرۃ فاطمۃ الزہرا

دُرستیٔ اغلاط

نوٹ: کتاب شروع کرنے سے پہلے یہ اغلاط درست کریں۔

غلط	صحیح	سطر	صفحہ	غلط	صحیح	سطر	صفحہ
اِنْتَ فاطِمَۃ	اِنْتَ فاطِمَۃ	سطر اول	ٹائٹیل پیج ثانی	بن دام	بن العوام	۴	۸۱
عاجر	عاجز	۵	۴	سہ	۱۲ھ	۱۴	۸۱
ڈواکر	دھمکاکر	۲۱	۵	ص	ص ۲۲۲	۳	حاشیہ نوٹ صفحہ ۸
بتی	بختی)	۲	۹	ہوگئی	گئی	۷	۸۴
بنوامید	بنوامیہ	۱۳	۱۰	حسین	حسنین	۱۴	۹۷
کبھی	کہیں	۸	۱۴	حوخہ	خوخہ	۱۲	۱۰۴
تمہید	باب اول تمہید	۲	۱۴	سبن	سنن	۵	۱۰۵
یا	تا	۱۲	۲۶	والی سے	سے	۲۰	۱۰۹
کرتے ہیں	کی ہے	۱۶	۳۳	حس	جس	۲۳	۱۱۱
اعظم	عظیم	۱۲	۳۶	بھی	بتی	۱۷	۱۱۶
اوسطی	وسطیٰ	۱	۳۷	رب	ربہ	۱۲	۱۱۷
کرتا	کرنا	۱	۴۰	حلیۃ الاولیار	حلیۃ الاولیاء	۴	۱۲۷
تیترا	تیسرا	۶	۴۲	اَنتقام	اِنتظام	۲۲	۱۴۱
پڑ	پڑھا	۱۲	۴۷	جمع بین الصحاالسنہ	جمع بین صحاح السنہ	۲۳	۱۴۳
رحز	رجز	۱۷	۵۳	الزمحشری	الزمخشری	۷	۱۴۷
میں	ہی	۶	۶۰	واقعیت	تقفیت	۸	۱۵۲
جلبیہ	حلبیہ	۸	۶۲	وارث سے	وارث کے	۵	۱۶۷
الخویدث	الخویرث	۳	۶۶	الظلّتہ	اَظَلَّتہُ	۸	۱۶۸
جتماعی	اجتماعی	۱۷	۶۸	السما	السماء	۸	۱۶۸
مراص	مراحل	۱۸	۶۸	لشحت	فَشَحَتْ	۸	۱۶۸
بھر	پھر	۲	۶۹	سخت	دَسَخَتْ	۹	۱۶۸
ڈرنہ	ڈر	۲۲	۶۹	نبتہ	نبتۃ	۱۳	۱۶۸
رابخ	رابغ	۱۱	۷۱	خسل	خیل	۱	۱۶۹
کی	کو رکھنے کی	۱۳	۷۱	حنایت	عنایت	[illegible]	۱۶۹
ابن حجرلے	ابن حجرنے	۱۷	۷۲	بے جناب	لے جناب	۸	۱۶۹
راعدہ	ساعدہ	۳	۷۵	تصنیف	نصف	۹	۱۶۹
یہ	زید ابن ثابت	۱۳	۷۹	نا	یا	۶	۱۸۰

غلط	صحیح	سطر	صفحہ
جناب	جناب	۴	۱۸۱
ابیا	اَنبیا	۸	۱۸۳
ہوودان	یہوودان	۵	۱۸۵
اراضات	اراضیات	۱۴	۱۸۵
تو جناب	جناب	۷	۱۸۶
سنون	سینوں	۱۵	۱۸۶
عندالعزیز	عبدالعزیز	۱۹	۱۸۶
حرم	قدیم	۱۹	۱۸۶
گیا تھا	تھا	۲۱	۱۸۶
حساب	جناب	۲۲	۱۸۶
علم صدای	علم الھدی	۲۳	۱۸۷
ضحد	متہجد	۱۶	۱۸۷
الطاہر	ابو طاہر	۲۰	۱۸۷
آپ نے اپنا روپٹہ	آپ نے اپنا دوپٹہ	۱۰	۱۹۰
مائے	مانے	۱۴	۱۹۰
حب	طلب	۶	۲۱۹
کمیت	ملکیت	۱۴	۲۱۹
ے	گئے	۲۰	۲۲۲
فضلت	فضیلت	۶	۲۲۳
سغرسنی	صغرسنی	۱۲	۲۲۴
ہب	ہے	۸	۲۲۶
امنت	اُمت	۱۶	۲۲۷
نسام	شام	۱۸	۲۲۷
سنت	امت	۲۳	۲۲۷
ہور	ہوا	۲	۲۳۰
فصاحت	وضاحت	۸	۲۳۰
حمائر	سائر	۳	۲۳۷
[illegible]	اولاد	۲۰	۲۳۸
باب چہاردہم	باب پنجدہم	۱	۲۴۱
باب پنجدہم	باب ششدہم	۱۲	۲۴۴
ان حوالہ	ان کے حوالہ	۸	۲۴۷

غلط	صحیح	سطر	صفحہ
کسی	کس	۱۳	۲۴۷
غاشم	غاشم	۱۳	۲۴۸
سیمت	کیفیت	۱۵	۲۴۸
باب ششدہم	باب ہفتدہم	۱	۲۵۰
بھی	ہی	۴	۲۵۰
یہ	ایک	۲۰	۲۵۰
کراتا	کرتا	۲۰	۲۵۱
حضرات	حضرت	۱	۲۵۷
۵۵ں	دیکھئے مستدرک الجزء الثالث ص ۱۶۲	نوٹ زیریں	۲۵۷
غضنب	غضب	۱۷	۲۵۸
بسر	پسر	۷	۲۵۹
باب ہفتدہم	باب ہشتدہم	۱۰	۲۶۱
باب ہشدہم	باب نوزدہم	۱	۲۶۳
باب نوزدہم	باب بستم	۵	۲۶۴
والتقو	والتقوا	۶۵ عربی کا ترجمہ	۲۶۵
کہا کہ علی	کہا علی	۷	۲۸۵
حسین	حسن	۱۵	۲۸۶
عقبد	عقبہ	۱۲	۲۹۱
عُیُونک	عیُونک	۱۳	۳۱۲
ہرمس	ہرمز	۳	۳۳۳
Leadeng	Leading	۱۶	۳۵۱
پندد غم	بندِ غم	۱۷	۳۵۳
آرام	آلام	۷	۳۵۵

دیباچہ

رسل وانبیاء کو چند آیات ومعجزات دیکر بھیجنا ہمیشہ سے سنت الٰہی رہی ہے۔ اور وہ آیات ومعجزات اوس رسول یا پیغمبر کے زمانہ کے لوگوں کی طرز معاشرت سے بہت کچھ نسبت رکھتے تھے۔ جس زمانہ میں کہ محض ظاہری محسوسات ہی پر عقل و منطق محدود ہوا کرتی تھی۔ اوس زمانہ میں معجزات بھی بظاہر ان سے ملتے جلتے ہوا کرتے تھے۔ پرانی دنیا میں جادو کا بڑا زور تھا۔ اور انسان ظاہری امور ومحسوسات سے بہت مرعوب ہوا کرتا تھا لہذا پورانی دنیا کے رسل وانبیا کو بھی ایسے ہی معجزے دیئے گئے جو ان کے سحر کو توڑ دیں۔ حضرت سلیمان کے تخت کا ہوا پر اوڑنا، بابل کے ماروت وہاروت کے جادو کا مغلوب ہونا، حضرت موسیٰ کے معجزات عصا وید بیضا یہ سب اس ہی قسم کے معجزے تھے جنکا مقابلہ سحر سے تھا۔ اور جنہوں نے ثابت کردیا کہ سحر اور معجزہ میں کیا فرق ہے۔ نظربندی سے عصا کا سانپ معلوم ہونا تو بڑی بات نہیں اور یہ سحر ہے۔ لیکن سحر کی طاقت سے کسی چیز کا وجود غائب نہیں ہوسکتا حضرت موسیٰ کے عصا نے اصلی سانپ بنکر اور ساحروں کے سانپوں کو نگل کر اس فرق کو بالکل نمایاں کردیا۔ حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں اور اون سے پہلے حکمت اور طبابت کا بڑا زور تھا۔ یونان کے حکماء کی ادویہ بڑے بڑے کام کرتی تھیں۔ لہذا حضرت عیسیٰ کو وہ معجزے دیئے جو اُن لوگوں کی ادویہ کو عاجز کردیں۔ پیدائشی اندھے اور برص والے کو اچھا کرنا۔ یہانتک کہ مردے کو جلانا یہ ایسے معجزے تھے جو بہترین حکماء اور نہایت تجربہ کار ڈاکٹروں کی طاقت سے باہر تھے۔

حضرت عیسیٰ کے زمانہ سے نئی دنیا کا آغاز ہو چلا تھا۔ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ تقریبًا ہمارے ہی زمانہ سے ملتا جلتا تھا سوائے اس کے کہ اب معقولات ہی معقولات ہے۔ اور یہ بھی بات ہے کہ جناب رسول خدا ختم المرسلین ہیں۔ اب ان

کے بعد کوئی اور رسول نہیں آئے گا۔ لہذا جناب رسولِ خدا کے پاس ایسے معجزے ہونے چاہئیں جو اوس زمانہ کے لوگوں کو بھی مغلوب کریں اور آئندہ قیامت تک جو حالت بھی عقل انسانی کی ہو وہ اوس پر غالب آسکیں۔ آنحضرت کے زمانہ میں فصاحت اور نبرد آزمائی کے ہنر بہترین ہنر سمجھے جاتے تھے۔ لہذا آنحضرت کو قرآن اور آل ایسے معجزے دیئے گئے۔ جو اس زمانہ میں اور آئندہ بھی ہمیشہ کے لئے لوگوں کو عاجز کرسکیں اور اسی وجہ سے جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ قرآن اور میری عترت فقط یہی دو معدن ھدایت ہیں جب تک تم ان دونوں سے متمسک رہو گے گمراہ نہ ہوگے اور یہ دونوں قیامت تک ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے۔ اوس زمانہ میں قرآن کی فصاحت و بلاغت اور حضرت علی کی نبرد آزمائی نے معجزہ بنکر اس زمانہ کے لوگوں کو مغلوب کیا اور آئندہ کی نسلوں کیلئے قرآن کے معانی اور آل محمد کی روحانیت محیر العقول ہیں۔

تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ قرآن شریف اپنی بلاغت و فصاحت اور نیز اپنی تعلیم کی وجہ سے ایک معجزہ ہے۔ لیکن ہے تو فقط کتاب وہ ہستی بھی تو ایک معجزہ ہوگی جو اس کتاب کے تمام صولوں پر، تمام احکام پر عمل کرکے دکھاوے۔ بات کا کہدینا ایک بات ہے۔ اوس پر عمل کرکے دکھانا مشکل تر ہے۔ اگر محض بات ہی معجزہ ہے تو اوس پر عمل کرنے والا بھی تو معجزہ ہوا۔ قرآن شریف ہو یا فلسفہ مغربی ہو، سائنس ہو، یا فقہ ہو۔ یہ سب ذرائع ہیں۔ ان سب کا واحد مقصد ہے۔ وہ مقصد مکمل انسان پیدا کرنا ہے۔ فلسفہ مغربی پر عمل کرکے جیسے انسان پیدا ہوئے وہ بھی آپنے دیکھے سائنس نے جیسی عقل کے آدمی پیدا کئے وہ بھی دیکھے۔ ہر ایک مذہب کے فقہ پر عمل کرنے والوں کو بھی آپ نے دیکھا۔ ان سب کو دیکھنے کے بعد دنیا نے نتیجہ نکالا کہ ایسا مکمل انسان جس نے کبھی لغزش نہ کی ہو، کبھی گناہ نہ کیا ہو، کبھی ظلم نہ کیا ہو۔ غرضکہ بالکل معصوم ہو نہ پیدا ہوا ہے۔ اور نہ یہ ذرائع ایسا انسان پیدا کرسکتے ہیں۔ لہذا نتیجہ نکلا کہ اگر ہم ایسا مکمل انسان کہیں دکھادیں تو پھر وہ تو معجزہ ہی ہوگا۔ یا نہیں ضرور معجزہ ہوگا۔ نہ یہ کہ وہ ہی معجزہ ہوگا بلکہ جس کتاب کے مطابق اوس نے عمل کیا ہے وہ بھی معجزہ ہوگی قرآن کی

تعلیم کا نچوڑ اور مدعا یہ ہے کہ وہ ایسے انسان پیدا کرے جو کہہ سکیں ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین۔ یعنی میری نماز، میری قربانیاں میری زندگی، میری موت سب خداوند تعالیٰ کے لیئے ہے۔ اب فرمایئے کہ جس شخص کا ہر فعل خداوند تعالیٰ کے لئے ہو وہ کب اور کس طرح دوسروں پر ظلم کر سکتا ہے وہ کیوں خودغرضی کرے۔ کیوں فریب دے کیوں یتیموں بیواؤں اور غریبوں کا مال کھائے۔ اگر وہ اپنے تئیں ایسا بنا سکے۔ اس اصول پر کاربند ہو سکے تو بس وہی انسان کامل ہے۔

یہ فضیلت خداوند تعالیٰ نے جناب رسول خدا ہی کے لیئے رکھی تھی کہ اون کی آل سے محبت کرنی اون کی رسالت کا اجر ہو اور اون کی آل کی تعلیم و زندگی لوگوں کے لئے نمونہ ہو۔ جو مورخ کہ ان چہاردہ معصومین کی سوانح حیات لکھنا چاہتا ہے۔ اوس کا فرض ہے کہ وہ ان بزرگواروں کی تعلیم اور معاشرت کو نمایاں کر کے دکھائے تاکہ لوگوں کو راہ راست اچھی طرح نظر آجاوے اور دنیا کو معلوم ہو جاوے کہ واقعی یہ بھی ایک معجزہ تھے۔

دنیا کی گمراہی کی بہت سی صورتیں ہیں۔ لیکن جب اون سب کا تجزیہ کیا جائے اور بنظر غور سے دیکھا جاوے تو تمام گمراہیوں کی صرف دو قسمیں رہ جاتی ہیں۔ ایک وہ حالت کہ جب حق بالکل انسان کی نظروں سے اوجھل ہو جاوے اور وہ باطل میں اتنے منہمک ہو جاویں کہ اونہیں خیال بھی نہ آئے کہ باطل کے سوا کوئی حق بھی ہے دوسری صورت وہ ہے کہ جب حق و باطل کی آمیزش ایسی ہو جائے کہ لوگوں کو حق کا تخیل تو ہے لیکن یہ نہ آسانی سے فیصلہ ہو سکے کہ حق کونسا ہے۔ اور باطل کونسا ہے جب تک دنیا کی حالت صورت اول کی رہی انبیاء و مرسلین آتے رہے تاکہ وہ طبیعت و فطرت انسانی کو ڈر کے ذریعہ سے حق دکھلائیں۔ لہٰذا اون کو منذر کہتے رہے ڈرانے والوں نے ڈرا ڈرا کر مرعوب کر کے باطل کے نقش کو مٹایا اور حق کا سکہ جمایا۔ ایسے منذرین میں جناب محمد مصطفےٰ سب سے آخر تھے۔ اب آپ کی تعلیم سے ایسا تو ہو گیا کہ دنیا کبھی صنم پرستی کی

فطرت نہیں جا سکتی۔ خدا کا تخیل ہمیشہ رہیگا۔ بت پرستی محض کبھی عود نہیں کریگی۔ جو مسلمان نہیں ہیں وہ بھی یہی نہیں کہ خدا کو مانتے ہیں بلکہ خدا کو واحد بھی جانتے ہیں۔ عیسائی باوجود اپنی تثلیث کے، اور برہمن باوجود اپنی صنم پرستی کے اب خدا کو ایک ہی کہتے ہیں۔ دنیا کا پیدا کرنے والا، دنیا کا مالک ایک ہی ہے۔ جب دنیا اس حالت پر آگئی تو اب منذرین کی ضرورت نہیں رہی۔ لہذا انبیاء و مرسلین کا سلسلہ ختم کردیا گیا چونکہ فطرت انسانی کے ضمیر میں فجور کی بھی آمیزش ہے لہذا اس کا گمراہ ہونا ضروری ہے۔ اب جو گمراہی ہوگی وہ التباس حق و باطل کی ہوگی۔ حق کا بھی تخیل رہیگا، اور باطل بھی حق نظر آنے لگے گا۔ حق سے باطل کو علیحدہ کرکے دکھانے کے لئے ہادیوں کی ضرورت ہوئی جنکو امام کہتے ہیں نبوت کے بعد امامت شروع ہوتی ہے۔ ان کا کام یہ ہے کہ صراط مستقیم پر جو گمراہیوں کی آندھی کی وجہ سے گرد جمع ہوکر اوس کو نظر سے اوجھل کردے۔ اوس گرد و غبار کو ہٹا کر صراط مستقیم کو نمایاں کرتے رہیں۔ صراط مستقیم تو ایک دفعہ مکمل طور سے اور طرز زندگی و معاشرت و معیشت کے ہر شعبہ کے نقطۂ نظر سے دکھائی جا چکی ہے۔ اب تو اوس کو محض نمایاں کرتے رہنا۔ ان اماموں کا کام رہے گا۔

لیکن یہ بھی بڑا مشکل کام تھا سب سے پہلے التباس حق و باطل یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ اصلی امام و نقلی امام اس طرح خلط ملط ہوجاتے ہیں کہ بہت سے لوگوں کو یہی نہیں معلوم ہوتا کہ اصلی امام کون ہے۔ وہ نقلی اماموں کی تقلید کرکے گمراہ ہوجاتے ہیں اصلی امام کی شناخت اور اوس کی پیروی ضروری ہے۔ جناب رسول خداؐ کی یہ مسلمہ حدیث ہے کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ۔ یعنی جو شخص مرگیا اور مرتے دم تک اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا تو وہ کافر مرا۔ اس حدیث سے منجملہ دیگر امور کے یہ بھی ثابت ہوا کہ معرفت امام مشکل ہے۔ اگر یہی ہوتا کہ جو برسر حکومت آگیا وہ ہی امام ہے تو پھر تو اس حدیث کی ضرورت نہ تھی۔ ہر ایک بادشاہ کی معرفت اوس کی تلوار کرادیتی ہے۔ جس چیز کی اہمیت ایسی تھی کہ اوس کے نہ ہونے کی وجہ سے کفر لازم آتا تھا تو اوس کا نہ بتانا اور امام کی شناخت نہ کرانا یہ بھی شان نبوت سے بعید تھا۔ لہذا جناب

رسول خدا نے کئی نشانیاں بتاویں اون میں سے دو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) قرآن اور میری عترت دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے اور قیامت تک ساتھ رہیں گے اگر تم ان دونوں سے تمسک رکھوگے۔ تو کبھی قیامت تک گمراہ نہ ہوگے۔

(۲) قرآن علی کے ساتھ ہے۔ اور علی قرآن کے ساتھ ہے۔

قرآن شریف نے بھی متقین اور صراط مستقیم پر چلنے والوں کی صفات بیان کیں اور اون کی نشانیاں بتائیں اسی طرح ائمۂ مضلین کی بھی صفات بیان کیں۔ تمام قرآن شریف کے مطالعہ سے ان دونوں قسم کے لوگوں کی بڑی بڑی صفات یہ معلوم ہوتی ہیں۔ متقین میں خوف خدا اور مصائب میں صبر اور مضلین میں حق سے اعراض اور ظلم۔ ظلم کی برائی پر جابجا زور دیا گیا۔ یہ بھی فرمایا کہ تمہارا محض منہ سے کہدینا کہ ہم ایمان لائے کافی نہیں ہے۔ تمہارا امتحان مصائب و صبر سے کیا جائیگا۔ نتیجہ نکلا کہ مصائب میں صبر کرنا، ظلم سے پرہیز، خوف خدا یہ ہیں اصلی امام کی شناخت کرانے والی صفات۔

جناب رسول خدا کی ایک اور حدیث ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے بعد اسلام کے آخر زمانہ تک اسلام میں بارہ امام ہوں گے[۱] اور وہ سب میری عترت میں سے ہوں گے۔ لیکن اہل سنت و جماعت کی کتب میں ہے کہ کلھم من قریش۔ قریش ہی سمجھ لو۔ اب فرمایئے وہ بارہ امام کون ہیں۔ فرقہ شیعہ کا تو بچہ بچہ جانتا ہے کہ وہ بارہ کون ہیں۔ لیکن دوسرے فرقوں میں سے کوئی فرقہ بھی وہ بارہ امام نہیں گنوا سکتا۔ کوئی اصول ہی نہیں قایم کر سکتا کہ جس سے وہ بارہ امام گنے جاسکیں۔ آسان پسند حضرات تو حضرت ابوبکر سے لیکر بارہ بادشاہ گنوا جاتے ہیں۔ درمیان میں حضرت یزید بھی آگئے لیکن عقل سلیم ان بارہ اماموں کے ماننے سے انکار کرتی ہے۔ بہرصورت ان کی گنتی کے مطابق خواہ کوئی سی ہو بارہ امام تو بہت جلد ختم ہوگئے۔ حالانکہ آنحضرت کی حدیث

---

[۱] مسند امام احمد حنبل الجزء الخامس ص ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۲ تا ۱۰۱ صحیح بخاری مطبوعہ مصر الجزء الرابع ص ۱۶۵ کتاب الاحکام باب الاستخلاف صحیح مسلم مطبوعہ مصر الجزء السادس ص ۳ وغیرہ وغیرہ

کے مطابق اون بارہ میں سے آخر کو قیامت تک چلنا تھا۔

ہم نے اصلی و نقلی امام کی شناخت پر بہت زور دیا ہے۔ کیونکہ وہ ضروری ہے ہم نے جب دنیا کی موجودہ حالت پر غور کیا تو یہ نتیجہ نکلا کہ دنیا جس عذاب میں آجکل پھنسی ہوئی ہے اوس کا واحد حل یہ ہے کہ صحیح اسلامی اصول سے تمام دنیا واقف ہو جاوے۔ اور ہر ایک مسلمان جس نے ذرا بھی اس مسئلہ پر اور دنیا کی حالت پر غور کیا ہے۔ وہ اس ہی نتیجہ پر پہنچا ہے۔ لیکن سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ وہ صحیح تعلیم اسلام کہاں سے ملے۔ اسلام میں اتنے فرقے ہوگئے ہیں کہ اگر کوئی شخص تعلیم اسلام کی تلاش شروع کرنے نکلے تو ڈر ہے کہ کہیں پہلا ہی قدم دل دل میں نہ پھنس جائے اب ہمیں جناب رسولِ خدا کا کہنا یاد آیا کہ جس نے صحیح امام زمانہ کی معرفت حاصل نہیں کی وہ کافر مرا۔ صحیح امام ان ہی فرقوں میں سے ملیگا جن میں اسلام تقسیم ہوگیا ہے۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اگرچہ بظاہر اسلام میں بہت سے فرقے نظر آتے ہیں لیکن اصلی اور پہلی تقسیم صرف مسئلہ امامت سے ہوئی کہ امام کونسا ہو۔ آنحضرت کے انتقال کے بعد ہی یہ سوال اٹھا اور اسی وقت یہ دو فرقے ہوگئے اور آخر تک یہی تقسیم رہی۔ باقی جو فرقے ہیں وہ انہیں کی شاخیں ہیں۔ ایک فرقہ کہتا تھا کہ آلِ رسول میں سے رسول کا مقرر کردہ امام ہو۔ دوسرا فرقہ کہتا تھا کہ صحابہ میں سے بذریعہ انتخاب امام مقرر ہونا چاہیے[۵۲] اور اس صحابہ کے زمرہ میں آلِ رسول کو نہ شامل کیا جائے۔ سقیفہ میں جو سب سے پہلی مجلس قایم ہوئی۔ اوس میں عملاً یہ ہی اصول مقرر کیا گیا نہ آلِ رسول کو اوس میں شامل کیا اور نہ بوقت انتخاب اون کا ذکر کیا۔ حضرت عمر نے اپنے فریق کی صحیح ترجمانی کی جب فرمایا کہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور امامت ہو[۵۳] آخر تک یہ ہی اصول قایم رکھا گیا۔ شوریٰ میں حضرت علی کو لیکر امیدوارش

---

۵۲ مروج الذہب مسعودی الجزء الاول ص ۲۸-۶۱- شہرستانی الملل والنحل برحاشیہ کتاب الفصل ابن حزم ۲ الجزء الاول صد ۱۹ تغایت ۲۴-

۵۳ تاریخ طبری الجزء الخامس صد ۳۰، ۳۱، ۳۲- ابن الاثیر تاریخ الکامل الجزء الثالث صد ۲۴، ۲۵-
مولوی شبلی الفاروق مفید عام آگرہ ۱۳۱۵ھ حصہ اول ۲۰۴، ۲۰۵-

میں داخل کرلیا۔ لیکن اوس شوری کے ایسے ممبر مقرر کئے اور ایسے شرائط عائد کیں پیروی سنت شیخین اون میں سے ایک تھی کہ نہ لینے کے برابر ہوگیا۔ حضرت عثمان کے قتل کے بعد جب کوئی چارہ کار نظر نہ آیا تو علی کی طرف رجوع کیا لیکن اس طرح کہ اون میں سے بعض سربرآوردہ لوگ بیعت کرتے وقت بھی دل میں علی سے انحراف کرنے کے منصوبے سوچ رہے تھے۔ گویا دو جماعتیں ہوئیں۔ آل اور اصحاب اب جناب رسول خدا کی احادیث، قرآن شریف کی مقرر کردہ جانچ پرتال اور اپنی عقل سلیم کو کام میں لانا چاہئے کہ صحیح اسلام کہاں ملیگا۔ آل کے پاس یا اصحاب کے پاس گھر کی بات گھر والے زیادہ جانتے اور سمجھتے ہیں یا باہر والے۔ گھر والے کا مطلب ومقصد کون بہتر اور صحیح سمجھتا ہے۔ گھر والے یا غیر۔ ہمیشہ کون ساتھ رہتا ہے اپنے گھر والے یا غیروں کے گھروں میں رہنے والے۔ وہ شخص اسلام و رموز اسلام کو بہتر سمجھ سکتا ہے کہ جس نے آنکھ کھولی تو پیغمبر اسلام کا چہرہ دیکھا اور بچپن ہی سے آغوش پدر اسلام میں پرورش پائی۔ یا وہ جنہوں نے عمر کا بڑا اور بہترین حصہ بتوں کو پوجنے اور کذب کی پیروی کرنے میں گزارا۔ غور کرو۔ رسول خدا نے اس کے متعلق کیا فرمایا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے قرآن شریف میں اصلی ائمہ کی کیا شناخت مقرر کی ہے۔ اور پھر ان بزرگواروں کے سوانح حیات پر نظر ڈالو۔ تو صاف معلوم ہوجائیگا کہ صحیح اسلام کہاں تھا۔

اب یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ کیا ضرور ہے کہ ایک ہی کے پاس صحیح اسلام ہو۔ دونوں فریقین کے پاس کیوں نہ ہو۔ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر دونوں کے اسلام میں اختلاف ہے تو وہ کیا اختلاف ہے۔ انسانی زندگی پر اثر ڈالنے والا وہ کیا اختلاف ہے۔ صحیح عقاید یا مذہب میں اختلاف دو وجوہات سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک تو جہالت سے۔ اصلی وصحیح رموز واصول نہ معلوم ہونے کی وجہ سے دوسرے ارادہ سے یعنی عمداً صحیح عقائد کو توڑ مروڑ کر اپنے مطلب کے مطابق کرنے سے اب ہم کو پھر تاریخ سے مدد لینی پڑے گی۔ اور ان بزرگواروں کے سوانح حیات پر غور کرنا ہوگا۔ یہ تو ہم ابھی بتا چکے ہیں کہ جہالت یعنی صحیح واصلی بات کے نہ معلوم ہونیکا

امکان کہاں زیادہ ہو سکتا ہے۔ اگر چاہو تو جناب رسول خدا کی حدیث سے بھی مدد لے لو آپ فرمایا کرتے تھے کہ انا مدینۃ العلم وعلیؑ بابھا۔ من اراد العلم فلیات الباب۔ میں علم کا شہر ہوں اور علی اوس کا دروازہ ہے۔ جو علم حاصل کرنا چاہتا ہے اوسے چاہیے کہ دروازہ پر آوے۔ یعنی علی سے حاصل کرے۔ اگر جناب محمد مصطفےٰ کو سچا نبی ورسول جانتے ہو اور دل سے جانتے ہو۔ تب تو فیصلہ ہوہی گیا لیکن اگر اون کی نبوت ہی میں شک ہے۔ اون کی نیک نیتی پر شبہ ہے تو یہ پھر دوسری بات ہے۔ جہانتک ارادہ کا تعلق ہے ہم کو تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک فریق نے کوشش سے لوگوں سے سازباز کرکے ایک خاص طریقہ سے حکومت حاصل کی۔ حکومت کے حاصل کرنے اور اوس کے قایم رکھنے میں جو جو کام کیے اون اپنے افعال وکردار کو اسلام کے مطابق و موافق دکھانے میں اسلام کے اصول کو توڑنے اور مروڑنے کی ضرورت ہوئی۔ خود مولوی شبلی فرماتے ہیں کہ

"اختلاف عقائد کے اگرچہ یہ سب اسباب فراہم تھے لیکن ابتداء پالٹیکس یعنی ملکی ضرورت سے ہوئی۔ بنو امیہ کے زمانہ میں چونکہ سفاکی کا بازار گرم رہتا تھا طبیعتوں میں شورش پیدا ہوئی۔ لیکن جب کبھی شکایت کا لفظ کسی کی زبان پر آتا تھا تو طرفداران حکومت یہ کہکر اوس کو چپ کر دیتے تھے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مرضی سے ہوتا ہے۔ ہم کو دم نہیں مارنا چاہیے۔ آمنا بالقدر خیرہ وشرہ۔

مولوی شبلی :- علم الکلام حصہ اول صـ۱

اس عبارت کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے:"اختلاف عقائد کی بنیاد پالٹیکس سے ہوئی" بنو امیہ ہوں یا کوئی اور ہو۔ ایک امر واقعہ تو معلوم ہوا کہ وہ حکومت جو آنحضرت کے بعد قایم ہوئی عقائد اسلام میں دست اندازی کرکے اوسے اپنی منافع وغرض کے مطابق توڑا مروڑا کرتے تھے۔ حضرت عمر نے عبد اللہ ابن عباس سے دوران گفتگو میں ایک دفعہ فرمایا۔

اے ابن عباس یہ تو درست ہے کہ جناب رسول خدا کا یہی ارادہ تھا کہ خلافت علی کو ملے۔ لیکن جناب رسول خدا کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے جب خدا نے نہ چاہا۔ اور خدا کی مراد جاری ہوگئی۔ رسول خدا کی خواہش پوری نہ ہوئی۔ دیکھو۔ رسول خدا نے بہت چاہا کہ ان کا چچا ایمان لائے لیکن وہ ایمان نہ لایا۔ کیونکہ خدا نے نہ چاہا کہ وہ ایمان لائے۔ رسول خدا نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ مرض موت میں خلافت کی وصیت علی کے نام کر دیں۔ لیکن میں نے فتنہ وامر اسلام کی پراگندگی کے خوف سے روک دیا۔ رسول اللہ بھی میرے دل کی بات کو سمجھ گئے اور رک گئے۔ اور اللہ نے جو مقدر کیا تھا وہ ہی ہوا[۱]

دیکھئے یہ کتنا غلط مسئلہ تقدیر کا ہے جو اسلام میں محض جوازیت کارروائی سقیفہ بنی ساعدہ کے لئے اختراع کیا گیا ہے۔ اور بھی ایسے بہت مسائل ہیں جو اس غرض کے لئے اسلام میں داخل کئے گئے۔ مثلاً مسئلہ تقدیر جس کا ذکر اوپر ہوا تجزیہ نبوت یعنی آنحضرت کے احکام کی تقسیم کی گئی۔ وہ احکام جو دائرہ نبوت کے اندر تھے وہ احکام جو دائرہ نبوت سے باہر تھے۔ حضرت علی کے تقرر کو دائرہ نبوت سے باہر رکھنا مطلوب تھا تاکہ مسلمان رہتے ہوئے اوس حکم کی مخالفت کی جا سکے۔ امور مذہب میں قیاس کو دخل دینا۔ اور قیاس کو اپنی عقل کے تابع کرنا۔ امامت وخلافت کو لوگوں کی مرضی پر منحصر کرنا رسول خدا کے نظریہ حکومت کو بدل دینا۔ اغراض جہاد میں تغیر وتبدل۔ لوگوں کی نکتہ چینی سے بچنے کے لئے اونہیں باہر لڑائیوں پر بھیجنا یہ ابتدا تھی اوس ہوس توسیع مملکت کی جس کو آج کل امپیریلزم کہتے ہیں لوگوں کے درجات کو اون کی دولت وثروت کی بنا پر مقرر کرنا۔ امرار کو محض اون کی دولت وثروت کی وجہ سے مقرب سلطانی بنانا وغیرہ وغیرہ یہ ہیں وہ امور جن کو اسلام میں داخل کر کے اسلام کو بالکل مسخ کر دیا ہے اس مضمون پر مفصل بحث اپنی

---

[۱] ابن ابی الحدید۔ شرح نہج البلاغۃ الجزء الثالث ص ۱۱۴۔

کتاب التفریق والتحریف فی الاسلام میں کی ہے۔ اس تغیر وتبدل کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ جس اسلام کو تمام ادیان پر غالب ہو کر رہنا اور تمام دنیا پر چھا جانا تھا وہ مغلوب ہو کر ایک گوشہ میں چلا گیا۔ اور اب خود اوس کے مقلدین سمجھنے لگے کہ اسلام زمانہ حال کی ضرورتوں کے لئے ناکافی ہے۔ لہذا اسلام کو چھوڑ کر زمانہ حال کے رہنماؤں کی تقلید کرنی چاہیے۔ جب اپنے یہ سمجھنے لگے تو غیر تو جتنا بھی اسلام کو بے سود اور مضر سمجھیں سمجھ سکتے ہیں۔

لہذا ضرورت اس بات کی ہوئی کہ اصلی ائمہ اور رہنماؤں کا تعارف موجودہ مضطرب الحال دنیا سے کرایا جائے۔ اصلی اسلام کی اشاعت کی جائے اور لوگوں کو اوس کی طرف دعوت دی جائے۔ اس غرض کے لئے کوئی فلسفہ اسلام کی کتاب اتنا کام نہیں کر سکتی جتنا خود ان ائمہ کے سوانح حیات پر غور وفکر کرنا اور اون کے طرز عمل کی پیروی کرنی۔ اس غرض کے لئے ہمنے یہ سلسلہ جاری کیا ہے۔ خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے ارادہ میں برکت دے۔ اور ہم چہاردہ معصومین کی سوانح حیات لکھ سکیں۔ ہم ہر ایک امام و معصومین کی سوانح حیات میں مندرجہ ذیل امور کے بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

(۱) امام کے سوانح حیات۔

(۲) ناظرین کی توجہ اوس صحیح اسلامی تعلیم کی طرف دلانی جو امام کے اقوال وطرز عمل سے نمایاں ہوئی ہے۔

(۳) امام کے زمانہ میں عام دنیا کی حالت۔

(۴) امام کے زمانہ میں عالم اسلام کی حالت۔

(۵) دنیائے اسلام پر امام کی تعلیم کا اثر۔

جناب رسول خدا کی رحلت کے بعد ہی فوراً بلکہ اوسی دن سے امت نے اہل بیت رسول سے کشمکش شروع کر دی۔ اور اون سے انحراف کرنے کو اپنی حیات کا مقصد بنا لیا۔ اس سیاست اس کشمکش وظلم کی آل رسول میں سے

بنہلی شہیدہ ظلم جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام ہیں لہذا ہم اس سلسلہ مبارکہ کو اون ہی کے سوانح حیات سے شروع کرتے ہیں۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

محمد سلطان مرزا

دہلوی

سنی سائڈ بلڈنگ

مکان نمبر ۱۔ آرٹلری میدان نمبر ۲

کراچی نمبر ۱۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

ایسی گہری مذہبی اور اخلاقی پستی میں گرے ہوئے ملک میں کہ جیسا اوس زمانہ میں عرب تھا حضرت فاطمہ جیسی مریم ثانی کا پیدا ہونا ایک معجزہ تھا جس کے ذریعہ سے خداوند تعالیٰ کو رسالت محمدیہ کی تصدیق کرانی تھی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جن کو رسالت محمدیہ کی تصدیق مطلوب ہے، اور جو آنحضرت کے دعوی کی صداقت کا ثبوت چاہتے ہیں اونہیں چاہیے کہ محمد (ص) کے قرآن اور محمدؐ کے اہلبیت کا غور کیساتھ مطالعہ کریں تکمیل اسلام اس طرح کی جاتی ہے کہ ان میں سے ایک (قرآن) تو اسلام کے اصول بتاتا ہے اور دوسرا (اہلبیت محمد) اون اصولوں پر عمل کرکے اون کو امت کے ذہن نشین کراتا ہے۔ اب دیکھو کہیں اصولوں میں کجی ہے؟ یا کہیں عمل میں کمی ہے اگر نہیں تو محمدؐ کو رسول اللہ ماننے میں اور کیا درکار ہے؟ عرب جیسی فصیح و بلیغ قوم کے سامنے جناب رسول خدا یہ دعوی پیش کرتے ہیں کہ یہ قرآن خداوند تعالیٰ کی طرف سے الہام کی ہوئی کتاب ہے۔ اگر تم کو شک ہے تو اس کی ایک ہی آیت جیسی تم آیت تو پیش کرو۔ تم کو اجازت ہے کہ دنیا کے تمام فصحاء و بلغاء کی مدد حاصل کرو لیکن تم نہیں لاسکوگے۔ دعوت ذی العشیرہ کے اعلان کے وقت حضرت علی کی کیا عمر تھی مشکل سے دس سال کے ہوں گے۔ خداوند تعالیٰ کی طرف سے جو علم غیب آپ کو عطا ہوا تھا اوس کی بنا پر آنحضرت اعلان کرتے ہیں کہ یہ علی میرا وزیر و خلیفہ ہے۔ تم اس کی اطاعت کرو۔ ابھی تو جنگِ بدر و اُحد و خیبر بہت دور تھے۔ کس کو سوائے خدا کے معلوم تھا کہ علی کیسے ہوں گے۔ لیکن رسول نے اعلان کر دیا کہ علی میں میری رسالت میں شریک اور میرا وزیر و خلیفہ ہونے کی اہلیت ہے۔ اگر اس میں تم کچھ بھی نقص پاؤ تو سمجھ لینا کہ وہ

نقص مجھ میں ہے۔ اور میں اپنے دعوے میں سچا نہیں حضرت فاطمہ ابھی صغیر سنی ہی کی حالت میں رسول کے پاس آتی جاتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ فاطمہ میرا ہی ایک ٹکڑا ہے یہ اون چار عورتوں میں سے ایک ہے اور اون سب میں افضل ہے۔ جو تمام جنت کی عورتوں کی سردارہ و سیدہ ہوں گی۔ حسن ابھی انگلی پکڑ کر چلتے تھے اور حسینؑ گود میں رہتے تھے کہ آپ فرماتے ہیں کہ یہ سرداران جوانان جنت ہیں یہ سب پیشین گوئیاں ہیں اور نہایت عظیم الشان پیشین گوئیاں ہیں۔ ان کے اوپر جناب رسول خدا نے اپنی رسالت کی صداقت کا امتحان قایم کر دیا۔ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ یہ لوگ معیار میں پورے نہ اوترتے۔ اون کے اعمال ان پیشین گوئیوں کی تکذیب کرتے۔ اوس وقت ہر ایک شخص حق بجانب ہوتا کہ آنحضرت کی رسالت کی صداقت سے انکار کرے۔ لیکن جناب رسول خدا نے اتنی بڑی جرأت صرف اوس علم غیب کی بناء پر کی جو آنحضرت کو ان حضرات کے متعلق خداوند تعالیٰ کی طرف سے القا کیا گیا تھا۔ ورنہ کیا اولاد رسول گمراہ نہیں ہو سکتی قابیل اور پسر نوح کے قصے سب کو معلوم ہیں حضرت یعقوب کے گیارہ لڑکوں نے وہ کیا جو کیا خدا بخش دے یہ بات دوسری ہے۔ اون کے عمل پر تصدیق رسالت کا تو انحصار نہیں ہو سکتا تھا۔ اور پھر یہی نہیں کہ اہلبیت محمد کی زندگیاں آرام و چین سے گزری ہوں۔ نمازیں پڑھ لیں۔ روزے رکھ لئے۔ بس احکام اسلام پورے ہوتے۔ ایسے شخص کی یہ اولاد تھے جو پیغمبر بھی تھا۔ اور بادشاہ بھی۔ انہیں کس چیز کی کمی ہوتی۔ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ امت انکو اپنے نبی کی اولاد سمجھکر آنکھوں پر رکھتی۔ ان کی عزت کرتی اور ان کی ہر خواہش کو پورا کرتی لیکن نہیں ایسا نہیں ہوا۔ ان کو ابتلائے عظیم میں سے گزرنا پڑا۔ اور پھر بھی ثابت قدم رہے۔ ہر طرح سے اور ہر پہلو سے ابتلاء نے اون پر حملہ کیا۔ لیکن کسی حالت میں لغزش نہیں ہوی۔ اون کی یہ استقامت صداقت رسالت محمدیہ کا بہترین ثبوت ہے۔ جس سے خداوند تعالیٰ کی حجت اوس کے بندوں پر پوری ہوئی۔

انبیا سلف کے حالات جاننے والے جانتے ہیں کہ اب تک ہر ایک نبی یا رسول کو تو ابتلائے عظیم میں سے گزرنا پڑا۔ علی قدر مراتب مصائب و آلام سے ہر

ایک بنی کو تو پالا پڑا ہے۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی نبی کی امت اوس کی ذریت کی دشمن ہو گئی ہو اور دشمن بھی ایسی کہ جیسی محمدؐ کی امت اون کی ذریت کی دشمن ہوئی۔ کبھی چین سے بیٹھنے ہی نہ دیا۔ ہمیشہ قتل و غارت سے پیش آئے۔ ہر ایک نبی نے اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور اون کی امت نے اوس کو تسلیم کیا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اپنے رسول کا جانشین خود امت نے مقرر کیا ہو۔ اور رسول کے مقرر کردہ جانشین کو نظر انداز کر دیا ہو۔ اور پھر اوس کی آل کے جانی دشمن ہو گئے ہوں۔ آل بڑی چیز ہوتی ہے۔ تابوت کی بھی کچھ حقیقت ہوتی ہے۔ دیکھو حضرت موسیٰ کے تابوت کی اون کی امت نے کتنی قدر کی ہے۔ اور تابوت میں تھا بھی کیا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے تبرکات یعنی عصا، عمامہ جوتا وغیرہ۔ اور خود تابوت معمولی لکڑی کا صندوق تھا جس میں حضرت موسیٰ کی ماں نے اون کو بند کر کے دریا میں ڈال دیا تھا۔ اس بکس اور حضرت موسیٰ و ہارون کے جوتوں اور کپڑوں کی بنو اسرائیل نے کتنی عزت کی اور اس نسبت سے ان چیزوں میں بھی اتنی برکت ہو گئی تھی کہ بنو اسرائیل کو ہر مشکل کے وقت اون سے فائدہ ہی پہنچتا تھا۔ اور خدا نے بھی ان چیزوں کی تعظیم کو ضروری سمجھا۔ قرآن شریف تک میں تابوت موسیٰ کا ذکر ہے۔ حضرت عیسیٰ کے گدھے کا نعل اور اوس کے بال متبرک سمجھکر لوگ لے جاتے تھے۔ خداوند تعالیٰ نے بھی جتا دیا تھا کہ جس سے ہمارے بنی کی نسبت ہو جائیگی۔ اوس کی عزت اوس کی امت پر واجب ہو گی۔ تابوت موسیٰ میں بنو اسرائیل کے لیے تسکین و نصرت رکھی گئی۔ ناقہ صالح ایک جانور ہی تو تھا۔ چونکہ حضرت صالح سے اوس کی نسبت ہو گئی تھی لہذا اون کی امت پر اوس کا احترام واجب کر دیا گیا تھا۔ کعبہ کیا ہے جناب ابراہیم کا بنایا ہوا عبادت خانہ۔ چونکہ ایک نبی نے اینٹیں رکھیں اور نبی زادے نے گارا دیا اس نسبت سے وہ بیت اللہ کہلایا۔ اور اوس کا طواف واجب ہو گیا۔ چونکہ چند افعال حضرت ابراہیم سے سرزد ہوئے تھے جو خدا نے پسند کیے وہ ارکان حج مقرر کر دیئے گئے۔ خدا کی شان دیکھو۔ اینٹ، پتھر اور جانور تو شعائر اللہ ہو جائیں اور تعظیم کے مستحق ہوں۔ چونکہ اون کی نسبت کسی نبی سے ہے۔ اور اوس نسبت کی وجہ سے خدا نے

سے ہے اور اس نسبت کی وجہ سے خدا نے ان کو اپنی طرف منسوب کر لیا۔ لیکن افضل ترین نبی کی اولاد کو ان کی امت کی طرف سے کیا تحائف وہدایا ملتے ہیں؟ غضب، قتل، وغارت۔ شعائر الٰہی کی تعظیم تو سنت الٰہیہ تھی۔ امت محمدیہ نے اپنی سنت آل محمد کو ستانا قرار دی۔ اسلام کی صحیح تاریخ ابھی تک بے تعلق منصف مزاج لوگوں کے ہاتھ سے نہیں لکھی گئی جو اکثریت کے پروپاگنڈہ سے مؤثر نہ ہوں۔ اگر کبھی ایسا ہوا اور یہ غیر اسلامی عالموں ہی سے ممکن ہے تو اس کا سب سے زیادہ تعجب انگیز واقعہ آل محمد سے امتِ محمد کا سلوک ہوگا۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ سلوک تاریخ اسلام پر ہمیشہ سے بدترین دھبا رہا ہے۔ دولت عباسیہ کے زمانہ کا بہانہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ علویین نے حکومت کے خلاف جہاد کیا تھا۔ اگرچہ وہ بھی برابر کی جنگ نہ تھی بلکہ تنگ آمد بجنگ آمد کا مظاہرہ تھا۔ علوئین پر اتنے ظلم ہوئے تھے کہ انھوں نے موت کو حیات پر ترجیح دی۔ اور موت وہ اختیار کی جو بہادروں کی موت ہو سکتی تھی اور یہ بھی ایک قلیل زمانہ کی بات ہے۔ بہر صورت ان کو جانے دو۔ حضرت علی وحضرت فاطمہ وحضرت امام حسن وحضرت امام حسین اور بعد کے ائمہ نے کیا کیا تھا جو ان کو ظلم کا نشانہ بنایا گیا۔ ان مظالم سے اتنا تو ضرور ہوا کہ اصلی ہادیوں کی شناخت ہوگئی اور نقلی ہادی علیحدہ معلوم ہونے لگے۔

جناب فاطمہ کی صحیح معرفت اور انکی اعلیٰ صفات وخصائل کا صحیح اندازہ اسوقت ہی ہو سکتا ہے کہ جب ہمارے پیش نظر اس زمانہ کے عرب کی حالت ہو اور جناب فاطمہ کے ماحول کا صحیح اندازہ کر سکیں عرب اور عرب کے لوگوں کا مفصل نقشہ تو ہم سیرۃ النبی لکھتے وقت کھینچیں گے لیکن یہاں انکی ذراسی جھلک دکھا دینی ضروری ہے تاریخ کی ابتداء سے بہت پہلے کا ذکر ہے کہ عرب کے لوگ تجارت وزراعت نہ ہونیکی وجہ سے دوسروں کے مال پر تخت وتاراج کر کے اپنا گذارہ کرتے تھے۔ اسطرح لوٹ مار اور دوسرے کا مال زبردستی لے لینا انکی جبلت میں داخل ہو گیا تھا۔ مال تو مال عورتیں بھی یہ اسیطرح دوسرے قبیلوں سے لوٹ مار کر کے لایا کرتے تھے کیونکہ اپنی لڑکیاں تو زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے جو لوگ اپنی بولتی بالتی اولاد کو اس طرح جنگل میں دفن کر کے چلے آئیں اور پھر خیال بھی نہ کریں کہ ہم نے کیا

کیا ان سے نفاستِ جذبات و رفعت تخیلات کی اُمید رکھنا بے وقوفی میں داخل ہے انسان کی پستی کی اس سے زیادہ اور کیا حد ہو سکتی ہے۔ زن و مرد کے تعلقات ان کی اس بربریت کے مطابق تھے کسی اور کی منکوحہ عورت سے عشق و محبت کرنا عام ہی نہ تھا بلکہ اُس پر فخر کیا جاتا تھا اور اشعاروں کے ذریعہ سے قبائل در قبائل مشتہر کیا جاتا تھا سبعہ معلقات کے پہلے قصیدے کے سولہویں اور سترہویں شعر اس کا بین ثبوت ہیں یہ ایک نوجوان عرب کا سب سے بڑا قابل فخر کارنامہ ہوا کرتا تھا۔ ابھی یہ معاملہ یہیں نہیں ختم ہوتا بلکہ اُس منکوحہ معشوقہ کے ان تعلقات کو اُس کا خاوند سنتا تھا اور اپنی بیوی کے ان کارناموں سے خوش ہوتا تھا۔ ان کے صنف نازک کی نزاکت یہ تھی کہ لڑائی میں مارے ہوئے دشمنوں کے جگر و دل کو کچا چبا جاتی تھیں۔ اور ان کے ناک کان اور غالباً عضو تناسل کا ہار اپنے گلے میں لٹکاتی تھیں۔ اس ہی رسم کے بموجب ہندہ زوجہ ابو سفیان نے حضرت حمزہ کا جگر و دل کچا چبایا تھا۔ یہ وہ ہی محترمہ تھیں جن کے خاوند ابو سفیان کی موجودگی میں ان کی عشق بازی کا چرچا عام تھا۔ اور حضرت عباس اپنی جاہلیت کے زمانہ میں اُن کے خوش نصیب عشاق میں سے ایک تھے بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ ایک ہی طہر میں ایک عورت نے کئی مردوں سے مقاربت کی حمل رہ گیا۔ لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ نطفہ کس کا ہے۔ وضع حمل کے بعد قیافہ شناسوں کو بلایا جاتا تھا اور وہ اپنے علم قیافہ شناسی کے بموجب اس کے باپ کو معلوم کرتے تھے۔ اس عورت سے اُس طہر میں مقاربت کرنے والوں کی ایک لائن ان کے سامنے لگ جاتی تھی۔ قیافہ شناس کبھی بچے کو دیکھتے تھے کبھی ان خوش نصیب عشاق کی لائن پر نظر ڈالتے تھے اُن میں سے جس کے خط و خال کے ساتھ بچے کا بشرہ مل جاتا تھا اس ہی کے حوالہ وہ بچہ کر دیا جاتا تھا۔ حضرت عمرو بن العاص بھی ایسی ہی قیافہ شناسی کے ذریعہ سے عاص کے سر چپیکے گئے تھے۔ ایسے ہی ایک نمونے زیاد ابن ابیہ بھی تھے جن کے باپ نامعلوم تھے۔ لیکن امیر معاویہ نے غالباً خاندانی روایات کی بنا پر اُنھیں اپنے مردہ باپ ابو سفیان کی طرف منسوب

کر دیا تھا۔ گواہان بھی پیش ہوئے تھے جنھوں نے ابوسفیان اور والدہ زیاد کی مقاربت کی چشم دید شہادت دی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ فعل اُس زمانہ میں ایسا معزز اور قابل فخر سمجھا جاتا تھا کہ دو چار آدمیوں کو سامنے بٹھا کر کیا کرتے تھے ایسے ملک میں اور ایسے لوگوں میں محمدؐ و آل محمدؐ کا ظہور اگر معجزہ نہیں تو اور کیا تھا۔ ان بزرگواروں کی ہستیوں پر، ان کے کردار اور افعال پر اور ان کی ابتدائی زندگی سے آخر ایام حیات دنیاویہ تک کے سوانح حیات، واقعات پر نظر غائر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نبوت محمدیہ کے ایسے ہی تصدیق کرنے والے تھے کہ جیسا قرآن شریف تھا۔ یہ دونوں برابر کے معجزے جناب رسالتمآب کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے تھے۔ دونوں حجت الٰہیہ تھے اُس کے بندوں پر۔ یہی وجہ ہے کہ آئمہ علیہم السلام میں سے ہر ایک کو حجۃ اللہ کہتے ہیں۔ جب ہی تو جناب رسول خدا نے فرمایا کہ علی کے چہرہ پر نظر ڈالنا عبادت ہے یہ نظر غور و فکر اور محبت والی ہونی چاہیئے۔ ورنہ یوں تو آپ کے چہرے پر ابن ملجم نے بھی نظر کی اور آپ کے دشمنوں نے بھی آپ کو دیکھا۔

اہلبیت رسالت میں سے سب سے پہلی شہیدۂ ظلم جو اس امتحان صبر و رضا میں سے گزر کر بارگاہِ الٰہی میں اُمّت کے جور و ستم کی شکایت کرنے پہنچیں وہ جناب فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا ہیں ہم ان نفوس قدسیہ کے سوانح حیات کے سلسلہ کو اس ہی پارۂ جگر رسول کے واقعات سے شروع کرتے ہیں۔ اور تاریخی شواہد و براہین سے ثابت کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک بزرگ، مرد ہو کہ عورت، اپنی زندگی کا مقصد خدا کی اطاعت اور اس کے دین کی خدمت سمجھتے تھے۔ خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے اس حیاتِ مستعار میں اتنی مہلت دے اور میرے قلم میں اتنی طاقت و روانی دے کہ ان چہاردہ ارکان اُمّت اسلامیہ کے سوانح حیات اور تعلیم کو باحسن اسلوب بیان کر سکوں۔ آمین

باب دوم

والدین

اب بیسویں صدی کے وسط میں جو سائنس کی ترقی کا نصف النہار ہے۔ اس بحث کو طوالت دینے کی ضرورت نہیں کہ والدین سے وراثت میں شرافت، نجابت، کردار اور اُن کے خصائل وصفات بھی اسی طرح ملتے ہیں جس طرح کہ مال و دولت یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر حصہ میں کسی شخص کے خصائل و کردار معلوم کرنے کے لئے اس کے والدین کی نجابت و شرافت و کردار کو بہت اہمیت دی جاتی رہی ہے انسان تو انسان جانوروں کے لیے بھی یہی قاعدہ تھا۔ وجہ یہ ہے کہ قانونِ حیاتِ اجسام ہر ایک جاندار کی صورت میں ایک ہی طرح عمل کرتا ہے جاندار تو جاندار بے جانوں کی بھی یہی صورت ہے کبھی یہ نہیں دیکھا گیا کہ میٹھے آم کی گٹھلی سے کھٹے آم پیدا ہوں۔ یا میٹھے بادام میں کڑوے بادام لگیں۔

جناب فاطمہ کے والد بزرگوار جناب محمد مصطفےٰ ابن عبداللہ ابن شیبۃ الحمد (عبدالمطلب) ابن عمرو (ہاشم) بن مغیرہ (عبدمناف) بن زید (قصی) ابن حکیم (کلاب) بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن قیس (النضر) بن کنانہ بن خزیمہ بن عامر (مدرکہ) ابن الیاس بن عمرو (مضر) بن نزار بن معد بن عدنان ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصے ہیں۔ جناب رسول خدا سے چوتھی پشت میں ملتی ہیں۔ ماں کی طرف سے حضرت خدیجہ

کا شجرہ نسب یہ ہے۔ خدیجہ بنت فاطمہ بنت زائدہ بن الاصم بن ہرم بن رواحہ بن حجر بن عبد بن معیص بن عامر۔ ان کی طرف سے بھی حضرت خدیجہ کی نجابت مسلم ہے۔

حضرت خدیجہ کے والد خویلد قریش کے معزز رئیس تھے۔ بہت صاحب ثروت تھے۔ حضرت خدیجہ کی ولادت ۵۵۵ء میں ہوئی۔ بچپن ہی سے عفت و بزرگی کے آثار ناصیہ سے ہویدا تھے۔ اس زمانہ تاریکی میں بھی حضرت خدیجہ کو طاہرہ کا لقب دیا گیا تھا۔ اور بلحاظ سیادت و شرافت ان کو قریش سیدۃ النسا کہتے تھے۔ چونکہ ان کے والد خویلد ضعیف ہو گئے تھے اور ان کا خاوند عتیق بن عائذ فوت ہو چکا تھا لہذا بحالت بیوگی حضرت خدیجہ اپنے والد کے کاروبار تجارت کی منصرم تھیں۔ اور اس ہی سلسلہ میں جناب رسالت مآب کی صفات و خصائل سے واقفیت ہوئی۔ لوگ کہتے ہیں کہ جناب محمد مصطفیٰ کی راست گوئی، دیانتداری خوش معاملگی اور حسن انتظام سے متاثر ہو کر حضرت خدیجہ نے پیغام نکاح بھیجا۔ ممکن ہے کہ ایسا ہو۔ لیکن یہ بھی ضرور ہے اور موجودہ سائنس کی تحقیقات کا نتیجہ بھی یہ ہی ہے۔ کہ ہر ایک انسان کے ارد گرد اس کا ایک مقناطیسی حلقہ جذب و اثر ہوتا ہے اور یہ شخصی مقناطیس اثر پذیر ہوتا ہے اس شخص کے عادات، کردار صفات اور خصائل سے یہ ظاہر ہے کہ ہم جنس کو ہم جنس سے انسیت ہوتی ہے صدیوں کے تجربہ کا نچوڑ ہے کہ کند ہمجنس با ہمجنس پرواز۔ یعنی ایک سی ہی عادت و خصائل کے لوگ آپس میں مل کر رہتے ہیں۔ اگر دو شخص ہیں جن کا مقناطیسی حلقہ اثر ایک ہی رنگ یا تقریباً ایک ہی رنگ کا ہے وہ ایک دوسرے سے فوراً مل جائیں گے اور آپس میں محبت کرنے لگیں۔ ایک کا مقناطیسی حلقہ اثر دوسرے کو اپنی طرف کھینچے گا۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ جاذبیت پیدا ہوتی ہے۔ ہم رنگی خصائل کی وجہ سے۔ اگر ایک شخص ظالمانہ و بے رحمانہ عادتیں رکھتا ہے تو نہ تو اس کا رجحان رحمدل شخص کی طرف ہوگا۔ اور نہ رحمدل آدمی اس کی طرف رخ کرے گا۔ مکار و فریبی ہمیشہ

اپنے جیسے صاحب مکر و فریب سے انسیت کرے گا۔ مذہبی اور ملکی لیڈروں اور رہنماؤں کی تقلید بھی اس ہی اصول پر ہوتی ہے اگر ایک شخص چالاک، عیار، اپنے مطلب حاصل کرنے میں ہوشیار، اور اپنی اغراض کے آگے دین کو فراموش کرنے والا ہے تو وہ تمام لوگ جو یہ خاصیتیں رکھتے ہیں یا ان خاصیتوں کو اچھا سمجھتے ہیں وہ اس کی طرف جھکیں گے اس کو اچھا سمجھیں گے صاحب سیاست و عقل کہکر اُس کی تعریف کریں گے۔ برخلاف اس کے وہ لوگ جو حق کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ اپنی ذاتی اغراض پر حق و انصاف کو ترجیح دیتے ہیں، خدا سے ڈرتے رہتے ہیں۔ کوشش کرتے ہیں کہ وہ کسی پر ظلم نہ کریں یہ لوگ اُن رہنماؤں کو اچھا نہ سمجھیں گے۔ اور ان کی طرف نہیں مائل ہوں گے۔ یہی اصول تاریخ عالم کے بڑے بڑے سیاسی و مذہبی رہنماؤں پر حاوی ہے جو صدیوں پہلے گزر چکے ہیں۔ اس زمانہ میں ان گزرے ہوئے رہنماؤں کی تعریف کرنے والے اور ان کو اچھا سمجھنے والے وہی لوگ ہیں جو اُن جیسی خصائل رکھتے ہیں اور اُن خصائل کو پسند کرتے ہیں غرضکہ جناب خدیجہ اور محمد مصطفٰے کی ہم رنگی خصائل نے یہ مقناطیسی انسیت پیدا کر دی جس نے جناب خدیجہ کو آنحضرت سے نکاح کرنے پر مائل کیا اور آنحضرت نے بھی قبول فرمایا۔ یہ ہم رنگی خصائل و صفات ہی تھی کہ آنحضرت ابھی اپنی پہلی وحی کے حالات ہی بیان کر رہے تھے کہ جناب خدیجہ نے کہدیا کہ مبارک ہو اور ایمان لے آئیں۔ اس ہی ہم رنگی خصائل کا نتیجہ تھا کہ ساری ازدواجی زندگی آنحضرت کے ساتھ نہایت محبت و الفت سے گزری۔ اور کبھی ایک دفعہ بھی کوئی ناگوار واقعہ نہ پیش آیا۔ اور یہ غیر جنسیت اور غیر طرحی خصائل ہی تھی کہ جس کی وجہ سے بعض ازواج سے آنحضرت کی زندگی خوشگوار نہ گزری یہاں تک کہ قرآنی تنبیہ کی ضرورت ہوئی۔

نکاح کے وقت آنحضرت کی عمر ۲۵ سال کی اور حضرت خدیجہ کی چالیس سال کی تھی حضرت خدیجہ کے دوران حیات میں آنحضرت نے دوسری شادی نہیں

کی۔ آنحضرت کو جناب خدیجہ کی موت سے نہایت رنج ہوا۔ آنحضرت جناب خدیجہ کا ذکر نہایت محبت کے ساتھ کرتے تھے اور جب اُن کا خیال آتا تھا رونے لگتے تھے حضرت خدیجہ کی کئی اولیات ہیں۔

(۱) آپ رسول خدا کی سب سے پہلی بیوی ہیں۔

(۲) حلقۂ اسلام میں سب سے پہلے داخل ہوئیں۔

(۳) سب سے پہلے جناب رسول خدا نے اپنی بعثت کا تذکرہ خدیجہ سے کیا۔

(۴) سب سے پہلے حضرت خدیجہ نے جناب رسول خدا کی تصدیق کی۔

(۵) سب سے پہلی نماز خدیجہ نے جناب رسول خدا کے ساتھ پڑھی۔

(۶) حضرت علی کی پرورش کرنے کا اعزاز ان کو حاصل ہوا۔

(۷) دنیا کی چار بہترین عورتوں میں سے ایک ہیں۔ اور ان کی صاجزادی دوسری عورت ہیں۔

(۸) جدۂ ائمہ ہیں۔

حافظ ابن عبد البر نے الاستیعاب فی معرفتہ الاصحاب میں حضرت خدیجہ کے ذکر میں حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ ابن عباس، انس بن مالک حضرت علی و دیگر صحابہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا فرمایا کرتے تھے کہ تمام دنیا کی عورتوں میں چار عورتیں بہترین اور افضل ترین ہیں یعنی خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم زوجۂ فرعون حضرت عایشہ کہتی ہیں کہ میں نے کسی عورت پر اتنا رشک و حسد نہیں کیا جتنا خدیجہ پر۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جناب رسول خدا ان کا ذکر خیر اکثر کرتے رہتے تھے اور ہمیشہ اُن کو یاد کیا کرتے تھے۔ جب کبھی گھر سے باہر جاتے تھے تو پہلے خدیجہ کو یاد کر لیا کرتے تھے، اور تعریف کرتے تھے۔ ایک دفعہ مجھے بہت حمیت آئی۔ میں نے کہا کہ خدیجہ کیا تھی۔ ایک بڑھیا ہی تو تھی۔ خداوند تعالیٰ نے اس کے بدلہ

آپ کو بہتر زوجہ دی - وہ بیوہ تھی - خدا نے آپ کو خوبصورت باکرہ عورت دی - اس پر آنحضرت کو بہت غصہ آیا - اس قدر کہ غصہ سے آپ کے سر کے بال کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ نہیں قسم بخدا اس سے بہتر زوجہ مجھے نہیں ملی - وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائی کہ جب کوئی بھی ایمان نہ لایا تھا - اس نے میرے دعوی کی اس وقت تصدیق کی جب اور لوگ تکذیب کر رہے تھے - اس نے اپنے مال میں مجھے شریک کیا کہ جب سب لوگوں نے مجھے محروم کر دیا تھا - خدا نے مجھے اس سے اولاد دی درآنحالیکہ کسی اور میری زوجہ سے اولاد نہیں ہوئی ختم ہوئی روایت - جناب خدیجہ بعثت کے سات سال بعد اور ہجرت سے پانچ سال قبل فوت ہوئیں ؂

باب سوم

برادران و خواہران

جناب خدیجہ کے بطن سے جناب رسول خدا کے دو فرزند تھے، قاسم و عبداللہ - قاسم سب سے بڑے تھے - چلنے پھرنے لگے تھے کہ مکہ ہی میں انتقال ہو گیا ان کی وجہ سے جناب رسول خدا کی کنیت ابوالقاسم ہوئی - عبداللہ جن کا لقب طیب و طاہر تھا مکہ میں ظہور اسلام کے بعد پیدا ہوئے اور مکہ ہی میں انتقال ہو گیا - جناب رسول خدا کی نسل صرف جناب فاطمہ سے چلی - جناب فاطمہ کے علاوہ آنحضرت کی اولاد میں سے کوئی اور آنحضرت کی وفات کے وقت زندہ نہ تھا - آنحضرت فرمایا کرتے تھے کہ میری نسل صلب علی ابن ابی طالب میں - ودیعت کی گئی ہے - جناب فاطمہ کی حقیقی بہنوں میں اختلاف ہے - بعض کے خیال کے مطابق حضرت

؂ الاستیعاب الجزء الثانی - ص ۳۸ ، تغایت ۴۲ ، ذکر خدیجہ بنت خویلد ، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

مستدرک علی الصحیحین للحاکم الجزء الثالث ص ۱۸۵ ، ۱۸۶ -

زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم آنحضرت کی صلبی لڑکیاں نہ تھیں لیکن مسلمانوں کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ یہ تینوں مخدرات عصمت بھی آنحضرت کی صلبی لڑکیاں تھیں۔ ہمارے خیال میں اس بحث کو طوالت دینے کی ضرورت نہیں یہ امر مسلمہ ہے کہ یہ تینوں مخدرات عصمت کافر خاوندوں سے بیاہی گئی تھیں۔ رقیہ اور ام کلثوم۔ ابولھب جیسے دشمن خدا اور رسول کے بیٹوں سے بیاہی گئی تھیں انھوں نے بعد نزول سورۃ ابی لھب ان دونوں کو طلاق دیدیا۔ حضرت زینب اپنی عمر کے آخر حصہ تک کافر خاوند کے تحت میں رہیں۔ لہذا ان مخدرات عصمت اور جناب فاطمہ کی فضیلت میں زمین و آسمان کا فرق ہوا۔ حضرت فاطمہ کے متعلق آنحضرت فرمایا کرتے تھے کہ اگر علی نہ ہوتے تو فاطمہ کا کوئی کفو ہی نہ ہوتا۔ ہمارے خیال میں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کے مسلمان خاوند کو ذوالنورین کہنا مناسب نہیں۔ اگر ان کی وجہ سے ان کا خاوند ذوالنورین ہوا تو ان میں سے ہر ایک کا فر خاوند ذوالنور تو ضرور ہوا۔ کیونکہ نور تو ویسا کا ویسا ہی رہا۔ کافر خاوند ہونے کی وجہ سے عورت کے نور ہونے میں تو فرق نہ پڑا۔

چند امور ان لوگوں کے غور کے لیے پیش کرتا ہوں۔ جو کہتے ہیں کہ حضرت رقیہ حضرت ام کلثوم اور حضرت زینب آنحضرت کی صلبی لڑکیاں تھیں۔

(۱) حضرت خدیجہ اور آنحضرت کی اولاد کی ترتیب پیدائش یہ تھی قاسم، پھر زینب، پھر عبداللہ، پھر ام کلثوم، پھر فاطمہ اور پھر رقیہ۔[۱]

(۲) آنحضرت کی عمر تیس ۳۰ سال کی تھی جب حضرت زینب پیدا ہوئیں حضرت زینب کا نکاح کافر خاوند سے قبل بعثت ہوا۔[۲]

(۳) بعثت کے وقت آنحضرت کی عمر چالیس سال کی تھی۔[۳]

---

[۱] الاستیعاب الجزء الثانی ص ۳۸، ۳۹۔

[۲] " " ص ۷۵۲

[۳] سیرۃ النبی شبلی

(۴) گویا نکاح کے وقت حضرت زینب کی عمر دس سال سے کم تھی

(۵) آنحضرت کی عمر تینتیس ۳۳ سال کی تھی جب حضرت رقیہ پیدا ہوئیں[۵]

(۶) حضرت رقیہ کا نکاح عتبہ ابن ابی لہب سے بعثت سے پہلے ہوا بعثت پر تو اس نے ان کو طلاق ہی دیدی۔

(۷) نکاح کے وقت حضرت رقیہ سات سال سے کم عمر کی تھیں۔

(۸) اس عجلت کے ساتھ اتنی کم عمر میں کافر خاوندوں سے اپنی صلبی لڑکیوں کو بیاہ دینا جناب پیغمبر خدا سے خلاف قیاس معلوم ہوتا ہے جب تک اس کی حسب دلخواہ توجیہ نہ ہو جاوے ان لڑکیوں کا آنحضرت کی صلبی اولاد ہونا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔

باب چہارم

از پیدائش تا ہجرت

سنہ ۶۱۲ء یا سنہ ۶۱۵ء لغایت جون سنہ ۶۲۲ء

ولادت حضرت فاطمۃ الزہرا کی ولادت یوم جمعہ ۲۰ جمادی الآخر بعد بعثت ۵ سال اور ہجرت سے ۸ سال ۸ مہینے اور ۲۲ دن قبل ہے۔ یہ ہے مطابق سنہ ۶۱۵ء۔ یہ تاریخ پیدائش جناب امام محمد باقر سے مروی ہے۔ اور یہ ہی قول ہمارے اصحاب میں معتبر ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اور ابن عبد البر نے الاستیعاب

---

[۵] الاستیعاب الجزء الثانی ص۔ ۷۴۷

میں لکھا ہے کہ جناب فاطمہ بعثت سے ایک سال بعد پیدا ہوئیں جب حضرت کی عمر ۴۱ سال کی تھی۔ یہی قول ابن حجر کا الاصابہ میں ہے۔ بعض علماء اہلسنت کا قول ہے کہ جناب معصومہ بعثت سے ۵ سال قبل پیدا ہوئیں۔ یہ قطعاً غلط ہے۔ اور اس غلطی کی وجہ وہ روایت ہے۔ کہ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ بعثت کے پانچ سال بعد اس سال پیدا ہوئیں کہ جب قریش تعمیر کعبہ میں مشغول تھے۔ تعمیر کعبہ بعثت سے پانچ سال قبل ہوئی تھی۔ روایت کا پہلا حصہ نظر انداز ہو گیا یا لفظ "بعد" کو سہو سمجھا گیا اور روایت کے دوسرے حصہ کی بنا پر یہ مشہور ہو گیا کہ جناب معصومہ کی پیدائش بعثت سے ۵ سال قبل ہوئی۔

کنیت والقاب:۔ آپ کی کنیت ام الحسن، ام الحسین، ام الائمہ، ام السبطین اور ام ابیہا ہیں۔ غالباً اس آخری کنیت کے معنی عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں یہاں ام کے معنی مقصد کے ہیں۔ گویا اس کنیت کے معنی ہوئے "اپنے باپ کی اُمید" واقعی تبلیغ حق وانعقاد نسل وغیرہ امور میں آپ اپنے والد ماجد کی مطلوب اُمید تھیں

آپ کے القاب یہ ہیں۔ البتول۔ الحصان۔ الحرہ۔ السیدہ۔ العذرا الطاہرہ، زہرا۔ الزکیہ۔ المرضیہ۔ وغیرہ وغیرہ۔ آپ کو بتول اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ کا کوئی نظیر حسن وجمال وصفات میں نہ تھا۔ اور آپ عمومی مستورات کے عوارض مثلاً حیض ونفاس سے مبرا تھیں۔

قضائے الٰہی صادر ہو چکی تھی کہ جناب فاطمہ کا درجہ فضیلت بہت اعلیٰ رکھا جاوے۔ لہٰذا اس سنت الٰہیہ کے مطابق جس نے درجہ فضیلت اور درجہ ابتلاء میں تناسب مستقل قائم کر دیا ہے۔ آپ کا درجہ ابتلاء بھی بہت سخت تھا۔ جب ہوش سنبھالا تو دیکھا کہ ساری قوم باپ کی دشمن ہے اور ان کے قتل کی درپے ہے۔ روز کی تضحیک وتذلیل سے تمام گھر پر رنج وغم کے بادل چھائے رہتے تھے۔ جب مدینہ آئے تو وہاں کی زندگی میں اس طرف سے تو اطمینان تھا لیکن اس عسرت کی زندگی میں خانہ داری اور بچوں کو پالنا بذات خود ایک ابتلا تھا۔

بہرصورت پھر بھی یہ زمانہ سکون و اطمینان کا تھا۔ والد ماجد زندہ تھے۔ لوگ عزت کرتے تھے۔ اور وحی الٰہی سے عسرت کی سختی خوشی میں مبدل ہو جاتی تھی لیکن آنحضرت کی رحلت کے بعد تو یکایک مصائب کے پہاڑ آن پڑے۔ آپ نے صبر عظیم کیا لیکن پھر بھی مجبوراً کہنا پڑا کہ ؎

صبت علیّ مصائبُ لو انھا !!

صبت علی الایام صرن لیالیا !!

یعنی میرے اوپر ایسے مصائب کے پہاڑ آن پڑے ہیں کہ اگر یہ دنوں پر پڑتے تو وہ تاریکی میں مبدل ہو جاتے۔

سنہ ۶۱۰ء میں جناب رسول خدا مبعوث برسالت ہوئے تین سال تک تبلیغ اسلام مخفی کرتے رہے۔ پھر حسب منشار آیت وانذر عشیرتک الاقربین علانیہ تبلیغ کی اجازت ملی تو حکم ہوا کہ پہلے وہ نزدیکی رشتہ داروں سے شروع کی جائے۔ یہ بھی قرابت رسول کی عظمت تھی کہ سب سے پہلے علانیہ دعوت اسلام ان کو دی جائے جس طرح کہ مخفی دعوت اسلام بھی پہلے اقربین اولیٰ حضرت خدیجہ و حضرت علی ہی سے شروع ہوئی تھی۔ اس حکم کے ملتے ہی آنحضرت نے اس کی تعمیل کی تیاری اپنے وزیر و خلیفہ حضرت علی سے کرائی۔ انھوں نے دعوت کا سامان کیا۔ بنی عبدالمطلب کو بلایا۔ پہلے روز تو ابولہب نے بولنے میں سبقت کی اور مجمع کو منتشر کر دیا۔ دوسرے روز پھر یہی حکم حضرت علی کو ملا۔ اسی طرح تعمیل ہوئی۔ لوگ جمع ہوئے۔ دعوت کا انتظام ہوا۔ ضیافت کھائی۔ پھر آنحضرت نے اپنے مشن کا ذکر کیا۔ اور پھر فرمایا کہ کون ہے تم میں سے جو اس امر رسالت میں میرا وزیر، خلیفہ و وصی ہو دے۔ وہ تمام لوگ خاموش رہے۔ لیکن حضرت علی نے جو سب میں چھوٹے تھے کہا کہ اے نبی اللہ میں آپ کا وزیر و خلیفہ بننے اور آپ کے بوجھ اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ پس آنحضرت نے علی کی گردن کو ہاتھ سے پکڑ کر کہا کہ اے لوگو! یہ میرا بھائی، میرا وزیر، میرا خلیفہ، میرا وصی ہے۔ پس تم اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت

گرکو - نلہ

۱ تاریخ اسلام کا یہ بہت بڑا واقعہ تھا۔ پہلی دفعہ علانیہ دعوت الی الحق کا اعلان ہوا۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ اس رسول کے کام کو آخر تک کون انجام دے گا۔ خاندان بنو ہاشم کے لیے کہ جن میں خداوند تعالیٰ نے رسالت و امامت کو ودیعت فرمایا یہ نہایت فخر و مباہات کا دن تھا جس کو انھوں نے خاندانی روایات کی طرح محفوظ رکھا اور اپنے بچوں کو سنایا۔ اس واقعہ نے جناب فاطمہ کے دل پر بہت گہرا اثر کیا۔ اور جبکہ اپنے ماں باپ کے خلاف ہر ایک طرف سے عناد دشمنی کی آوازیں سن رہی تھیں حضرت علی کی یہ بہت دجرأت سے بھری ہوئی محبت و امداد کی صدا نے حضرت فاطمہ کے دل میں حضرت علی کی بہت وقعت و عزت بڑھا دی۔ حضرت علی کے والد حضرت ابو طالب نے جس جانفشانی اور جرأت سے آنحضرت کی حفاظت کی اُس کے دشمن بھی قائل ہیں۔ مولوی شبلی فرماتے ہیں۔

"ابو طالب نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے جو جاں نثاریاں کیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے؟ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے۔ آپ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا

نلہ محمد بن جریر الطبری :- تاریخ الامم والملوک الجزاء الثانی ص ۲۱۷

ابن الاثیر :- تاریخ الکامل، الجزاء الثانی ص ۲۲

ابن کثیر شامی :- البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ الجزاء الثالث۔ ص ۴۰

ابن تیمیہ :- منہاج السنۃ الجزاء الرابع ص ۸۰

ابو الفداء - الجزاء الاول ص ۱۱۶

اردو ترجمہ ازالۃ الخفاء حصہ سوم ص ۲۷۷

Gibbon:- Decline and fall. Vol II P. 449

Gilman: History of Saracens P. 83

دشمن بنالیا۔ آپ کی خاطر محصور ہوئے۔ فاقے اُٹھائے۔ شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت، یہ جوش۔ یہ جان نثاریاں سب ضائع جائیں گی؟" [1]

آگے چل کر مولوی شبلی لکھتے ہیں۔

"ابوطالب کی وفات کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہ نے بھی وفات کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انھوں نے ابوطالب سے پہلے انتقال کیا۔ اب آپ کے مددگار اور غمگسار دونوں اٹھ گئے صحابہ خود اپنی حالت میں مبتلا تھے یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے اور خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سال کو عام الحزن (سالِ غم) فرمایا کرتے تھے۔ [2]

حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ نے سنہ۱۰ نبوی میں انتقال کیا مولوی شبلی کہتے ہیں:۔

"ابوطالب اور خدیجہ کے اُٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا۔ اب وہ نہایت بے رحمی و بے باکی سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ستانے تھے۔ ایک دفعہ آپ راہ میں جا رہے تھے۔ ایک شقی نے آکر فرق مبارک پر خاک ڈال دی۔ اسی حالت میں آپ گھر میں تشریف لائے آپ کی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لے کر آئیں آپ کا سر دھوتی جاتی تھیں اور جوش محبت سے روتی جاتی تھیں آپ نے فرمایا کہ جان پدر رو نہیں۔ خدا تیرے باپ کو بچالے گا۔ [3]

---

[1] مولوی شبلی:۔ سیرۃ النبی حصہ اوّل مجلد اوّل ص ۱۸۱

[2] " " " " " " ص ۱۸۲

[3] " " " " " " ص ۱۸۲

وہ صاحبزادی یہی حضرت فاطمہ تھیں۔ حضرت ابوطالب کی خدمات اسلامیہ کے سلسلہ میں شعب ابوطالب کا ذکر ناگزیر ہے۔ جب قریش نے دیکھا کہ اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے اور ابوطالب پیغمبر اسلام کی حفاظت سے باز نہیں آتے۔ تو انھوں نے آپس میں معاہدہ کیا کہ جناب رسول خدا اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے۔ آپس میں شرط کی کہ کوئی بنو ہاشم سے نہ قرابت کرے نہ اُن سے خرید و فروخت کرے۔ نہ اُن سے ملے۔ اور نہ اُن کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے۔ جب تک وہ محمد (صلعم) کو قتل کے لیے ہمارے حوالہ نہ کر دیں چنانچہ مجبور ہو کر حضرت ابوطالب ان سب کو اپنے شعب میں لے گئے اور وہاں پناہ گزین ہوئے۔ یہ واقعہ محرم ۷ نبوی میں واقع ہوا۔ تین سال تک بنو ہاشم نے اس محصوری و قید کی حالت میں بسر کی۔ جناب فاطمہ اور اُن کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہ بھی اُن سب کے ساتھ تھیں۔ بسا اوقات بنو ہاشم کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا اور وہ درختوں کے پتے کھا کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ اس شعب میں صرف بنو ہاشم تھے۔ لیکن ابوجہل و ابولہب اور ان کی اولاد اس میں نہیں تھے وہ قریش کے ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر بھی باہر ہی آزاد تھے۔ وہ بھی آنحضرت کی کچھ مدد نہ کر سکے اور نہ غلّہ وغیرہ پہنچا سکے۔ ہاں کبھی حضرت خدیجہ کے رشتہ دار یا دیگر رحمدل قریش میں سے کوئی ذرا سا غلّہ چوری چھپے پہنچا دیتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد جو حضرت خدیجہ کا بھیجا تھا۔ اپنے غلام کے ساتھ گیہوں کا بار شعب ابوطالب میں بنو ہاشم کے لیئے لے چلا۔ راستہ میں ابوجہل مل گیا۔ اس نے روکا اور کہا کہ بخدا تم یہ خوراک بنو ہاشم کے پاس نہیں لے جا سکتے اور اگر آگے بڑھے تو میں تم کو تمام قریش میں رسوا کر دوں گا۔ اتنے میں ابوالبختری بن ہشام بن الحارث وہاں آگیا۔ ابوجہل نے اس سے شکایت کی۔ لیکن ابوالبختری نے حکیم بن حزام کی حمایت کی۔ آپس میں سخت کلامی ہوئی۔ ابوالبختری نے ابوجہل کے سر پر ڈنڈا مارا۔ اور وہ خوراک آنحضرت کے پاس پہنچ گئی۔ یہ

محاصرہ سنہ ۶۱۶ء سے سنہ ۶۱۹ء تک تین سال رہا۔ اس محاصرہ شعب ابوطالب کے مندرجہ بالا واقعات کے لیئے دیکھو[14]

جناب فاطمۃ الزہرا کے اس زمانہ کے حالات میں جناب ابوطالب کی اُن کارگزاریوں اور خدمات کا بیان غیر متعلق نہ ہوگا جو انھوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے حفاظت میں کی ہیں۔ بار بار قریش اپنے وفد کو ابوطالب کے پاس بھیجتے تھے اور استدعا کرتے تھے کہ یا تو محمد کو ہمارے حوالے کرو کہ ہم اُن کو قتل کردیں یا ان کو روکو کہ وہ ہمارے خداؤں کو بُرا نہ کہیں۔ حضرت ابوطالب ان کو نرم الفاظ کے ساتھ واپس کر دیتے تھے۔ اور پھر جناب رسول خدا کو بلا کر کہتے تھے کہ اے بھتیجے تم آزادی کے ساتھ جو کہنا چاہتے ہو کہتے رہو۔ بخدا میں کبھی تم کو نہ چھوڑوں گا۔[15]

جب جناب رسول خدا نے قریش کی اذیتوں سے بچانے کے خیال سے اپنے چند اصحاب کو حبشہ بھیجدیا تو قریش نے شاہ حبش نجاشی کے پاس اپنے قاصد بھیجے اور استدعا کی کہ یہ مہاجرین ہمارے گناہگار ہیں۔ ان کو ہمارے پاس بھیجدو۔ یہ دیکھکر حضرت ابوطالب نے اپنا خاص قاصد و مراسلہ نجاشی کے پاس بھیجا۔ اور اس کو سارے حالات سے آگاہ کرکے کہا کہ ان مہاجرین کو اپنی حفاظت میں رکھنا اور قریش کے پاس نہ بھیجنا۔ نجاشی نے ابوطالب کا کہنا کیا[16]

جب شعب میں محصور ہوئے تو ابوطالب نے جناب رسول خدا کی حفاظت کے خیال سے یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ آنحضرت کو ایک جگہ دو راتیں متواتر نہیں سلاتے تھے۔ پہلے جہاں آنحضرت سوتے تھے وہاں اپنے کسی لڑکے کو سلا دیتے

---

[14] - تاریخ طبری الجزو الثانی ص ۲۲۵

[15] " " ص ۲۱۷، ۲۱۸-۲۱۹

[16] سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر الجزو الاول ص ۳۵۶

تھے اور دوسری جگہ آنحضرت کو سلاتے تھے۔ جب ہی تو مولوی شبلی نے اوپر کی عبارت میں یہ فقرہ لکھا ہے کہ "وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے۔"

حضرت ابوطالب کا یہ سارا طرز عمل اور ان کے اشعار صاف بتا رہے ہیں کہ وہ جناب رسول خدا پر ایمان لے آئے تھے ان کے اشعار یہ ہیں[1]

أَلَا أَبْلِغَا عَنِّي عَلَى ذَاتِ بَيْنِنَا	۱	لُؤَيًّا وَخُصَّا مِنْ لُؤَيٍّ بَنِي كَعْبِ
أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا	۲	نَبِيًّا كَمُوسَى خُطَّ فِي أَوَّلِ الْكُتُبِ
وَأَنَّ عَلَيْهِ فِي الْعِبَادِ مَحَبَّةً	۳	وَلَا خَيْرَ مِمَّنْ خَصَّهُ اللّٰهُ بِالْحُبِّ
وَأَنَّ الَّذِي أَلْصَقْتُمْ مِنْ كِتَابِكُمْ	۴	لَكُمْ كَائِنٌ نَحْسًا كَرَاغِيَةِ السَّقْبِ
أَفِيقُوا أَفِيقُوا قَبْلَ أَنْ يُحْفَرَ الثَّرَى	۵	وَيُصْبِحَ مَنْ لَمْ يَجْنِ ذَنْبًا كَذِي الذَّنْبِ
وَلَا تَتْبَعُوا أَمْرَ الْوُشَاةِ وَتَقْطَعُوا	۶	أَوَاصِرَنَا بَعْدَ الْمَوَدَّةِ وَالْقُرْبِ
وَتَسْتَجْلِبُوا حَرْبًا عَوَانًا وَرُبَّمَا	۷	أَمَرَّ عَلَى مَنْ ذَاقَهُ جَلَبُ الْحَرْبِ
فَلَسْنَا وَرَبِّ الْبَيْتِ نُسْلِمُ أَحْمَدًا	۸	لِعَزَّاءَ مِنْ عَضِّ الزَّمَانِ وَلَا كَرْبِ
وَلَمَّا تَبِنْ مِنَّا وَمِنْكُمْ سَوَالِفٌ	۹	وَأَيْدٍ أُتِرَّتْ بِالْقَنَا سَيِّلَةِ الشُّهْبِ
بِمُعْتَرَكٍ ضَيْقٍ تَرَى كِسَرَ الْقَنَا	۱۰	بِهِ وَالنُّسُورَ الطُّخْمَ يَعْكُفْنَ كَالشَّرْبِ
كَأَنَّ مُجَالَ الْخَيْلِ فِي حَجَرَاتِهِ	۱۱	وَمَعْمَعَةَ الْأَبْطَالِ مَعْرَكَةُ الْحَرْبِ
أَلَيْسَ أَبُونَا هَاشِمٌ شَدَّ أَزْرَهُ	۱۲	وَأَوْصَى بَنِيهِ بِالطِّعَانِ وَبِالضَّرْبِ
وَلَسْنَا نَمَلُّ الْحَرْبَ حَتَّى تَمَلَّنَا	۱۳	وَلَا نَشْتَكِي مَا قَدْ يَنُوبُ مِنَ النَّكْبِ
وَلٰكِنَّنَا أَهْلُ الْحَفَائِظِ وَالنُّهَى	۱۴	إِذَا طَارَ أَرْوَاحُ الْكُمَاةِ مِنَ الرُّعْبِ

ترجمہ اشعار

(۱) اے (میرے دونوں قاصدو) میری طرف سے لوی کو اور بالخصوص لوی بن کعب کو پیغام پہنچا دو اس بارے میں جو ہمارے اور ان کے درمیان نزاع قائم

---

[1] :- سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر الجزء الاول ص ۳۷۲ - ۳۷۵

ہو چکی ہے۔

(۲) کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے حضرت محمد کو ویسا ہی نبی برحق پایا جس طرح حضرت موسیٰ نبی برحق تھے جن کا تذکرہ کتب سابقہ میں بھی آ چکا ہے۔

(۳) اور حقیقت یہ ہے کہ تمام لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ جس کو خدا نے اپنی محبت کے لیئے مخصوص کر لیا ہو۔ اس سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔

(۴) اور تم اپنے جس لکھے ہوئے پر اڑے ہوئے ہو (یعنی تم نے اپنے تئیں اس کا پابند بنا رکھا ہے) وہ تمھارے لیئے ایسا ہی منحوس ہے کہ جس طرح ناقہ صالح کی فریاد (قوم صالح کے لئے)

(۵) ہوش میں آؤ۔ ہوش میں آؤ۔ قبل اس کے کہ تمھاری قبریں بنیں۔ اور بے قصور بھی مثل قصوروالوں کے پس جاویں۔

(۶) چغلخوروں کی باتوں میں مت آؤ۔ اور ہماری رشتہ داری و دیرینہ محبت کو قطع نہ کرو۔

(۷) اور گھمسان کی لڑائی کے لیئے جلدی مت کرو۔ کہ بسا اوقات بنبرد آزما لوگوں کے لئے بھی ناقہ جنگ کا دودھ دوہنا مشکل ہو جاتا ہے۔

(۸) رب بیت کی قسم۔ ہم ہرگز احمد کو تمھارے سپرد نہ کریں گے چاہے زمانہ کتنا ہی سخت گزرے اور شدائد زماں کتنا ہی پریشان کریں۔

(۹) جب تک کہ ہماری اور تمھاری گردنیں جدا نہ ہو جائیں اور ہاتھ چمکتی ہوئی تلواروں سے نہ اڑ جائیں۔

(۱۰) اور جب تک کہ شدت جنگ کے سبب تو نیزوں کو ٹکڑے ٹکڑے نہ دیکھ لے اور (گھاٹ پر) پانی پینے والوں کے ہجوم کی طرح کالے کالے گدھوں کو منڈلاتا ہوا (نہ دیکھ لے)

(۱۱) گویا کہ اس کے گرد گھوڑے کا وادے رہے ہوں۔ اور بہادروں کے

رہے میدان جنگ میں گونج رہے ہوں۔

(۱۲) کیا ہمارے باپ (جد) ہاشم ہمیشہ (جنگ کے لئے) کمر بستہ نہ تھے اور کیا انھوں نے اپنی اولاد کو نیزہ بازی اور شمشیر زنی کی وصیت نہ کی تھی۔

(۱۳) اور ہم کبھی جنگ سے نہیں اکتاتے بلکہ جنگ ہی ہم سے کتراتی ہے اور تھک جاتی ہے۔

(۱۴) ہم لوگ (میدان جنگ میں بھی) ہر طرح کی حفاظت اور عقل و ہوش وحواس کے مالک (قائم رکھنے والے) ہوتے ہیں جبکہ خوف کے مارے بڑے بڑے، بہادروں کی روحیں پرواز کر جاتی ہیں۔

کون ہے جو حضرت ابو طالب کی ان جانفشانیوں کو دیکھتے ہوئے اور ان کے ان خیالات کو سنتے ہوئے جن کو جوش عقیدت دل کی گہرائیوں میں سے نکال کر زبان پر اشعار کی شکل میں لے آیا یہ کہدے گا کہ ابو طالب مسلمان نہ تھے اُمیہ نوازی کے سایہ میں جو تاریخ اسلامی نے اپنا رنگ و روپ نکالا ہے یہ اُس کی وجہ ہے کہ آج چند آدمی یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ابو طالب کافر مرے۔ ورنہ حق تو مخالفین کے بھی سر چڑھکر بولا ہے چنانچہ سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ بوقت رحلت حضرت ابو طالب کلمۂ توحید پڑھ رہے تھے اور عباس نے جو کان لگا کر سُنا تو معلوم ہوا کہ آپ جناب رسول خدا کی رسالت اور خدا کی وحدانیت کا اقرار کر رہے تھے۔ ؎۱

اگر حضرت ابو طالب نے اپنے اسلام کا اعلان نہ کیا تو اس کی وجہ یہی جناب رسول خدا کی حفاظت کا خیال تھا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر وہ اپنا اسلام بالکل علانیہ ظاہر کر دیتے تو پھر قریش اُن کے بھی دشمن ہو جاتے اور ان کا اثر و رسوخ جس کی وجہ سے وہ رسول خدا کی حفاظت کر رہے تھے جاتا رہتا۔

؎۱ سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر الجزء الثانی۔ ص ۲۷

چنانچہ اس وجہ کا اظہار خود حضرت ابوطالب نے کیا ؂۱

جو عشق حضرت ابوطالب کو جناب رسالتمآب سے تھا اور جس ہمت وجرأت کے ساتھ مخالفین کی موجودگی میں حضرت علی نے رسول خدا کی نصرت کا وعدہ فرمایا اور ہجرت ہی کی رات سے اُس وعدہ کا ایفا بھی شروع ہوگیا اس کو دیکھتے ہوئے جناب فاطمہ کے اوپر نہایت گہرا اثر ہوا۔ اور آپ کا دل حضرت علی کی طرف سے احسانمندی اور شکر گذاری کے جذبات سے لبریز ہوگیا۔ وہ دیکھتی تھیں کہ ساری دنیا کی مخالفت کے سامنے یہی دو باپ بیٹے ایسے ہیں کہ جنھوں نے ایک لمحہ بھی میرے باپ کو نہ چھوڑا اور آخر تک اُن کی حفاظت کرتے رہے۔ حضرت علی نے جو جانفشانی شب ہجرت کی تھی اس کا ذکر اب کرتے ہیں۔

تاریخ اسلام کا اعظم ترین واقعہ ہجرت رسول از مکہ تا مدینہ ہے۔ اس نازک ترین وقت میں جناب رسول خدا کے جان کی حفاظت یہی نہیں کہ اسلام کی حفاظت تھی۔ بلکہ تمام دنیا کے تہذیب اخلاق اس پر مبنی تھی۔ جناب رسول خدا کی تعلیم نے جو کچھ دنیا کو دیا ابھی آہستہ آہستہ لوگوں کو معلوم ہوتا جارہا ہے مسلمان

؂۱ سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر الجزو الثانی ص ۲۷

یونانی تہذیب اور نئی تہذیب کے درمیان میں ایک سلسلہ ہیں اگر ازمنہ اوسطی میں
مسلمان یونان و روم کی تہذیب کو دنیا میں نہ پھیلاتے تو آج کو اہلِ یورپ کو یہ فخر نہ
حاصل ہوتا کہ وہ فلاسفران یونان و حکمائی روم کے جانشین ہیں۔ بلکہ وہ پورانی تہذیب
تو معدوم ہو جاتی اور پھر یورپ کو وہی جرمنی کے جنگلوں کی تہذیب ملتی ۔مسلمانوں نے
وہ پُرانی تہذیب و پرانی حکمت جوں کی توں انھوں ہاتھ یورپ کو دیدی ۔کیا اچھا ہوتا
اگر انھیں فتوحات و توسیع مملکت کی طرف اتنی توجہ نہ ہوتی بلکہ جو حاصل کرتے جاتے
اُس کو اپنا کرتے جاتے اور اسلام میں رنگتے جاتے تو آج کو تمام دنیا پر اسلام چھایا
ہوا ہوتا۔ لیکن سرعت فتوحات کی وجہ سے ابھی خود ان میں اسلام اتنا راسخ نہ
ہوا تھا کہ یونان کے فلسفے پر تنقید کر کے اسلام کے ڈھانچے میں ڈھالکر اسے آگے
چلاتے ۔بہرصورت یورپ کی تہذیب جیسی بھی ہے وہ تمام کی تمام مسلمانوں کے
زیر احسان ہے ۔بہت سے یورپ کے علماء اس کو مانتے ہیں۔ اور اگر وہ نہ بھی
مانیں تو اس سے امر واقعہ تو نہیں بدل جاتا جس طرح رسول یا جانشین رسول
کو نہ ماننے سے ان کی رسالت اور جانشینیٔ رسالت پر تو کچھ فرق نہیں پڑتا مسلمان
ہجرت کی اس عظمت سے واقف تھے۔ چنانچہ جب ۱۶ ہجری میں حضرت عمر
کے زمانہ میں سوال پیدا ہوا کہ تاریخ کب سے چلائی جاہے تو تمام سربرآوردہ لوگ
جمع ہوئے ۔حضرت علی نے فرمایا کہ ہجرت رسول سے تاریخ کا آغاز کرو چنانچہ اُن
سب نے اس حکم کی معقولیت کو قبول کر کے سر تسلیم خم کیا ؂۲

اس نازک ترین زمانہ میں جناب رسول خدا کی جان کی حفاظت تین لوگوں
نے کی ہے یعنی (۱) حضرت ابو طالب نے مکہ میں (۲) شب ہجرت حضرت علی نے
بستر رسول پر دشمنوں کے نرغہ میں جناب رسول خدا کی نمایندگی کر کے دشمنوں کو
آنحضرتؐ کے تعاقب سے باز رکھکر (۳) اون انصار بیعت عقبہ اولی و ثانیہ نے

؂۲ طبری الجزالرابع ص ۱۰۸۸ ۔ الفاروق شبلی حصہ دوم مطبوعہ آگرہ ۱۹۰۸ء ص ۲۴۱

جنھوں نے آپ کو مدینہ میں آنے کی دعوت دی۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ کفار و یہود و نصاریٰ نے اسلام کی بڑھتی ہوئی رو کے آگے باکراہ اسلام قبول کر کے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اسلام کے ساتھ دشمنی کی اور ایسی تدابیر اختیار کیں جن سے مسلمانوں میں روز اوّل ہی سے پھوٹ پڑ گئی جو آج تک نہیں گئی اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنی حکمت عملی اور چالاکیوں سے مسلمانوں کی اکثریت کو ایسا دیا کہ ان تینوں محسنان اسلام کی قدر ان کی آنکھوں سے گر گئی اور ان کے دل میں ان کی طرف سے ایک قسم کی نفرت پیدا ہو گئی۔ حضرت ابوطالب کے لیئے تو یہ مشہور کر دیا کہ وہ کافر تھے اور کافر مرے۔ حضرت علی کو خلافت سے محروم رکھا اور انصار کی نسبت اکثریت کے رہنماؤں نے یہ کہا کہ امر خلافت میں انصار کا کوئی حق نہیں ہے۔[۱۵]

حفاظت رسول و خدمت اسلام کا کیا اچھا اجر دیا گیا۔ یہ شیطان اور اُن منافقین کا کام ہے کہ اکثریت کو اس راہ پر لگا لائے۔

حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ کے بعد جناب رسول خدا کا مکہ میں رہنا دشوار ہو گیا۔ آنحضرت کا کوئی حمایت کرنے والا نہ رہا۔ اور قریش نڈر ہو گئے اب انھوں نے تہیہ کر لیا کہ ایک آخری اور فیصلہ کن تدبیر کی جاوے۔ اس صلاح و مشورہ کے لیئے سب دار الندوہ میں جمع ہوئے۔ ہر قبیلہ کے لوگ وہاں موجود تھے اور اُن سب کے سرغنہ ابوسفیان تھے۔ بہت سی تدابیر پیش ہوئیں۔ آخر کار ابوجہل کا یہ مشورہ سب نے متفقہ طور پر منظور کر لیا کہ ہر ایک قبیلہ کا ایک ایک آدمی مل کر تلواروں سے آپ کا خاتمہ کر دیں۔ تاکہ بنو ہاشم کسی ایک قبیلہ سے قصاص نہ طلب کر سکیں اور سب سے قصاص لینا اُن کے لیئے ناممکن ہو۔ اگر جمہوریت

---

[۱۵] ابن قتیبہ: کتاب الامامت والسیاست الجزء الاول ص ۲۲ - ۲۳

نیز وہ بحث ملاحظہ ہو جو سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوئی جس کی بنا پر انصار کو خلافت سے محروم کیا گیا۔

(ڈیموکریسی) کے اصول بذات خود مطابق عقل ہیں تو ان کی رو سے تو جناب رسول خدا (خاکم بدہن) واجب القتل ہو چکے تھے۔ کیا کوئی گمان کر سکتا ہے کہ اس اور ایسے ہی دیگر تجربات کے بعد بھی آنحضرت اپنے اسلام میں جمہوریت کے اصول رائج کریں گے۔ غرضکہ قوم کے اس متفقہ فیصلے کے مطابق لوگ سرشام ہی سے آن کر آنحضرت کے اردگرد جمع ہو گئے۔ ہاتھ میں ننگی تلواریں اور منہ غصہ سے لال۔ ادھر علام الغیوب نے اپنے نبی کو اس جمہوریت کے فیصلے سے آگاہ کیا اور ہجرت صادر فرمایا اور یہ بھی ارشاد خداوندی ہوا کہ علی کو اپنی جگہ اپنے بستر پر سلا جاؤ۔ اپنی اس ہی تجویز کو خداوند تعالیٰ نے قرآن شریف میں مکر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جو کفار کے مکر کو توڑنے کے لیئے معرض عمل میں لایا گیا۔

واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔

پس جناب رسول خدا نے علی کو بلایا اور ان کو اس وحی سے آگاہ کیا حضرت علی نے دریافت کیا کہ کیا میرے آپ کے بستر پر سونے سے آپ کی جان بچ جائیگی رسول خدا نے فرمایا کہ ہاں۔ حضرت علی خوشی کے مارے مسکرائے اور زمین پر سجدۂ شکر ادا کیا۔ اسلام میں یہ پہلا سجدۂ شکر تھا جو ادا کیا گیا۔ اور حضرت علی پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے رخسارہ کو زمین پر رکھکر سجدۂ شکر ادا کیا۔ پھر کہا کہ آپ تشریف لے جائیں۔ اور کچھ میرے لیئے کیا حکم ہے۔ آنحضرت نے فرمایا "تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو جاؤ۔ خداوند تعالیٰ اپنے اولیا کا امتحان ان کے ایمان کے درجہ تناسب سے لیتا ہے۔ لہذا انبیاء پر بہت سخت بلا کا امتحان ہوتا ہے۔ اس سے اترتے ہوئے اوصیاء کا امتحان ہوتا ہے اور اسی طرح لقدر مراتب خدا نے میرا اور اے ابن عم تیرا امتحان اسی طرح کیا ہے کہ جس طرح ابراہیم خلیل اور اسمٰعیل ذبیح کا امتحان کیا تھا۔ نیکی کرنے والوں سے خدا کی رحمت قریب ہے۔ جن جن لوگوں کی امانتیں میرے پاس ہیں وہ تم ان کو واپس دیدینا صبح

شام وادی ابطح میں جا کر منادی کرنا کہ جن جن کی امانتیں محمدؐ کے پاس تھیں وہ آ کر لے جائیں۔ تمام لوگوں کے سامنے علانیہ اس طرح تم امانتیں ادا کر دینا۔ کوئی شخص تم کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ میں اپنی بیٹی فاطمہ کی حفاظت تمھارے ذمہ کرتا ہوں اور تم دونوں کو خدا کی حفاظت میں چھوڑتا ہوں۔ فاطمہ اور دیگر بنو ہاشم اور دیگر اشخاص کے لیے جو ہجرت کرنا چاہیں۔ سواریاں خرید لینا اور جب تم وہ تمام کام کر لو جن کی ہدایت میں نے کی ہے تو میرے خط کا انتظار کرنا اور اس کے بعد فوراً خدا اور رسول کی طرف ہجرت کرنا۔ پھر نہ ٹھہرنا۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے علیؑ کو سینے سے لگایا اور رونے لگے۔ حضرت علی بھی رونے لگے۔ خداوند تعالیٰ نے جبرئیل و میکائیل کی طرف وحی کی کہ میں نے تم دونوں کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کیا ہے پس تم دونوں میں سے کون ہے جو اپنے بھائی کے بدلے موت اختیار کرے۔ لیکن دونوں نے انکار کیا۔ خداوند تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ دیکھو کیا تم میرے ولی علی کی طرح نہیں ہو سکتے کہ میں نے اس کے اور اپنے رسول کے درمیان اخوت قائم کی۔ اور اب علی نے اپنی جان اپنے بھائی پر نثار کر دی۔ پس تم دونوں جاؤ اور اس کی حفاظت کرو۔ پس وہ دونوں آئے۔ جبرئیل علی کے سرہانے اور میکائیل پیروں کی طرف بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ علی تم کو مبارک ہو کہ خداوند تعالیٰ تمھاری مثال دے کر اپنے ملائکہ پر مباہات کرتا ہے۔

حضرت علی کی اس جاں نثاری کے صلہ میں ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ؀[۲۲]

---

[۲۲] تاریخ طبری الجزء الثانی ص ۲۴۴

آیت اذیمکر بک الآیہ سے ظاہر ہے کہ علی کو بستر رسول پر سُلانے کی تجویز خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکر کو آنحضرت کی اس ہجرت کا علم نہ تھا وہ اس رات کو جناب رسول خدا کے چلے جانے کے بعد آئے اور حضرت علی سے پوچھا کہ آنحضرت کہاں ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ غار ثور کی طرف گئے ہیں اگر تم کو اُن سے کوئی حاجت ہو تو تم وہاں چلے جاؤ۔ چنانچہ حضرت ابوبکر اُدھر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں آنحضرت کو کسی کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی آپ نے تیزی کے ساتھ قدم اُٹھائے یہاں تک کہ آپ کے پیر لہولہان ہو گئے۔ حضرت ابوبکر نے دیکھا کہ اس طرح آنحضرت کو تکلیف ہو رہی ہے۔ لہٰذا انھوں نے اپنی آواز بلند کی جس کو شناخت کر کے آنحضرت ٹھہر گئے اور پھر یہ دونوں غار ثور میں داخل ہو گئے [۲۳]

ادھر صبح ہوتے ہی جب قریش کا وہ مجمع مکان کے اندر داخل ہوا۔ تو اپنے مطلوب محمد مصطفٰےؐ کو وہاں نہ پایا ان کی جگہ حضرت علی کو دیکھ کر وہ بہت بر افروختہ ہوئے اور تلواریں تان کر علی سے پوچھا کہ محمد کہاں ہیں۔ حضرت علی

(۲۳ جاری) ابن الاثیر:۔ تاریخ الکامل الجزء الثانی ۔ ص۳۸

تاریخ ابوالفدا ۔ الجزء الاول ص۱۲۶ روضۃ الصفا جلد دوم ص۹۷

ابن ہشام سیرۃ النبی الجزء الثانی ص۹۵

الحاکم :۔ مستدرک الجزء الثانی ص۱۳۳ شرح زرقانی الجزء الاول ص۳۲۲

جلال الدین سیوطی:۔ در المنثور الجزء الثانی ص۱۸۱ در ذیل تفسیر آیہ اذیمکر بک

مسند امام حنبل الجزء الاول ص۳۴۸

۲۳ تاریخ طبری الجزء الثانی ص۱۰۰ مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث ص۱۳۳

جلال الدین سیوطی :۔ در المنثور الجزء الثالث ص۲۳۰

نے نہایت متانت اور سنجیدگی سے سچا جواب دیا کہ کیا تم نے محمد کو میرے حوالہ کیا تھا۔ جواب اُن کو مجھ سے مانگتے ہو۔ حضرت علی کے بے دھڑک جواب اور نڈر رویہ سے قریش مرعوب ہو گئے۔ اور اس خیال سے کہ آپ مزید گفتگو میں وقت ضائع ہو گا آنحضرت کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔ کچھ آدمی تلاش کرتے کرتے غار ثور تک آن پہنچے تو حضرت ابو بکر خوف کے مارے رونے لگے اور کہا کہ ہم تو دو ہی ہیں۔ آنحضرت نے تسکین دی اور فرمایا کہ نہیں تیسرا خدا بھی ہمارے ساتھ ہے۔ قرآن شریف میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔ آنحضرت اس غار میں تین دن رہے۔ جب وہاں سے نکلنے کا ارادہ ہوا تو آنحضرت نے اپنے ربیب ہند ابن خدیجہ کو حکم دیا کہ دو اونٹ خرید کر لے آؤ حضرت ابو بکر نے کہا کہ میں نے دو اونٹ تیار رکھے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا میں اُن میں سے کوئی اونٹ نہ لوں گا جب تک قیمت ادا نہ کر دوں۔ اور آپ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ وہ قیمت ادا کر دیں چنانچہ حضرت علی نے قیمت ادا کر دی یہ وہ روایت ہے جو امالی میں شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی نے اسناد کے ساتھ بیان کی ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر نے کہا کہ ان دو اونٹوں میں سے آپ ایک لے لیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ قیمت ادا کر کے لوں گا۔ ابو بکر نے یہ دو اونٹ بنی قشیر سے آٹھ سو درہم میں خریدے تھے۔ آنحضرت نے قیمت ادا کر کے ایک لے لیا جس کا نام قصوا تھا۔ سیرۃ ابن ہشام میں ابن اسحٰق سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں ہرگز اُس اونٹ پر سواری نہ کروں گا جس کی میں نے قیمت ادا نہیں کی۔ پس آپ نے اُس کی قیمت دے کر ایک اونٹ خرید لیا[۲۴]

مدینہ کے نزدیک قبا کے پاس آن کر آنحضرت ٹھہر گئے۔ حضرت ابو بکر نے ارادہ کیا کہ مدینہ میں داخل ہوں۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ میں ہرگز مدینہ میں داخل

---

[۲۴] سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر۔ الجزء الثانی صفحہ ۱۔

نہ ہوں کا جب تک میرا ابن عم علی اور میری دختر فاطمہ نہ آئیں۔ آپ نے وہاں سے ایک خط حضرت علی کو لکھا۔ حضرت علی ان احکام کی تعمیل کر چکے تھے جو آنحضرت نے بتلائے تھے۔ جب یہ رقعہ پہنچا تو حضرت علی نے سواریاں خریدیں اور تمام غریب و کمزور مسلمانوں کو کہا کہ رات کو ذی طوی پر آجائیں اور آپ بھی فاطمہ بنت رسول اللہ اپنی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم اپنی بنت عم فاطمہ بنت الزبیر بن عبد المطلب اور فاطمہ بنت حمزہ بن عبد المطلب کے ہمراہ نکلے۔ ایمن مولی رسول اللہ و ابو واقد اللیثی بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ ابو واقد اونٹوں کو تیزی سے چلا رہے تھے۔ حضرت علی نے کہا کہ اے ابو واقد عورتیں ساتھ ہیں آہستہ آہستہ نرمی سے چلو ابو واقد نے کہا کہ دشمن نہ آجائیں۔ حضرت علی نے کہا کہ رسول خدا نے فرمایا ہے کہ دشمن تمھیں نقصان نہ پہونچا سکیں گے۔ اور خود حضرت علی آہستہ آہستہ اونٹوں کو چلانے لگے۔

منزل ضجناں کے نزدیک آٹھ سواران قریش ان کی طلب میں آپہنچے۔ اُن کے ہمراہ جناح مولی حرب ابن امیہ بھی تھا۔ حضرت علی نے ایمن و ابو واقد سے کہا کہ اونٹوں کو ٹھہرا کر باندھ دو اور آپ نے ان کر عورتوں کو اوتارا۔ اتنے میں وہ آٹھ سوار بھی نزدیک آگئے۔ حضرت علی اپنی تلوار کھینچکر اون کی طرف چلے۔ اُن لوگوں نے کہا کہ اے غدار تو یہ سمجھا تھا کہ عورتوں کے ساتھ نکل جائیگا۔ چل واپس مکہ چل۔ حضرت علی نے کہا کہ اگر میں واپس نہ ہوں تو اُن لوگوں نے کہا کہ تجھکو جبراً چلنا پڑے گا۔ ہم پکڑ کر لے جائیں گے یہ کہکر وہ لوگ سواریوں کی طرف چلے۔ لیکن حضرت علی ان کے اور سواریوں کے درمیان آگئے۔ اتنے میں جناح حضرت علی کی طرف جھکا کہ تلوار مارے کیونکہ وہ پیدل تھے اور یہ سوار تھا۔ اُسے جھکنا پڑا حضرت علی پھرتی سے اس کی ضرب سے ایک طرف ہوگئے اور پھر اُس کے کندھے پر اس زور سے تلوار ماری کہ تلوار اس کے دو ٹکڑے کر کے اُس کے گھوڑے کے شانوں پر اُتر آئی اُس کے بعد حضرت علی شیر ببر کی مانند اس کے ساتھیوں کی طرف لپکے اور یہ شعر پڑھتے

جاتے تھے ؎

خلوا سبیل المجاہد المجاہد آلیت لا اعبد غیر الواحد

وہ سب کے سب بھاگ گئے یہ کہتے ہوئے کہ اے علی تم اپنے تئیں ہمارے
پاس آنے سے روک لو۔ پس وہ لوگ بھاگ گئے اور علی ایمن وابو واقد کے پاس
آئے اور فرمایا کہ چلو اپنی سواریوں کو لے کر فتح و ظفر کے ساتھ منزل ضجنان میں
داخل ہوئے۔ یہ پہلی تلوار تھی جو خدا اور رسول واسلام کے لیئے کھنچی تھی۔ اور یہ
اولیت بھی حضرت علی ہی کے لیئے خدا نے مقرر کردی۔ حضرت علی کا یہ پہلا جہاد
اور کارنامہ خدا کی راہ میں جناب فاطمہ نے دیکھا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ ان کو
اور ان کے والد ماجد کو علی کے ذریعہ سے خدا نے بچایا۔ منزل ضجنان پر ایک دن
اور ایک رات رہے اور چند غریب مسلمان بھی یہاں آن کر ان سے ملے اور رات بھر
حضرت علی اور ان چاروں فاطمہ نے نماز و ذکر خدا میں گزاری اور کھڑے بیٹھ کر اور لیٹ کر
خدا ہی کے ذکر میں مشغول رہے۔ صبح ہوئی۔ نماز پڑھی اور پھر آگے چلے اور راستہ
بھر علی اور وہ جوان کے ساتھ تھے ذکر خدا ہی کرتے ہوئے چلے یہاں تک کہ مقام
قبا پر آنحضرت سے ملے۔ ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے ان کی حالات کی اطلاع
خداوند تعالیٰ نے بذریعہ بس وحی کے اپنے رسول کو دی۔ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ
قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ (الی قولہ تعالےٰ) فَاسْتَجَابَ لَھُمْ رَبُّھُمْ انی لا اضیع عمل عامل
منکم من ذکر او انثی بعضکم من بعض فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم
واوذوا فی سبیلی وقاتلوا وقتلوا لاکفرن عنھم سیاتھم ولادخلنھم جنات تجری
من تحتھا الانھار ثوابا من عند اللہ واللہ عندہ حسن الثواب۔ اور جناب
رسول خدا نے آیت مبارکہ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ
رؤف بالعباد کی تلاوت فرمائی۔ چلتے چلتے حضرت علی کے پیر زخمی ہو گئے تھے اور خون
جاری تھا جناب رسول خدا نے جو یہ دیکھا تو علی کو گلے سے لگا کر دیر تک رویا کئے[۲۵]

---

[۲۵] اعیان الشیعہ لمحسن الامین الجزء الثانی صفحہ ۱۱۸ تا ۱۲۰

باب ششم

تزویج و طرز رہائش روزانہ

اور امور خانہ داری

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ... يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ

حضرت ابوبکر نے آنحضرت سے حضرت فاطمہ کی خواستگاری اپنے لیے کی۔ آنحضرت نے جواب دیا کہ اس امر میں میں وحی الٰہی کا منتظر ہوں۔ پھر حضرت عمر نے آنحضرت سے اپنے لیے فاطمہ کی خواستگاری کی ان کو بھی یہی جواب دے کر انکار کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت علی آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت فاطمہ کی خواستگاری کی۔ آنحضرت نے فرمایا مرحباً و اہلاً[۲۶]

یہ جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آنحضرت نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر سے یہ کہکر انکار کیا کہ فاطمہ کی عمر چھوٹی ہے غلط معلوم ہوتا ہے۔ اُس زمانہ کی عرب کی تہذیب میں مرد و عورت کی عمر کی تفاوت کا خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ علاوہ اس کے آنحضرت خود حضرت ابوبکر و حضرت عمر دونوں سے بڑے تھے۔ اور آپ حضرت ابوبکر کی کمسن لڑکی حضرت عائشہ سے اس سے پہلے شادی کر چکے تھے۔ اب بھلا وہ حضرت ابوبکر و عمر کے سامنے یہ عذر کیسے پیش کرتے

---

۲۶ حسین دیاربکری :- تاریخ الخمیس الجزء الاول ص ۴۰۷، ۴۰۸

کہ فاطمہ چھوٹی ہے۔ حضرت فاطمہ بہر صورت حضرت عائشہ سے عمر میں بڑی تھیں اور آنحضرت ان دونوں سے یعنی حضرت ابوبکر و عمر سے بڑے تھے۔ جناب رسول خدا فرمایا کرتے تھے کہ اگر علی نہ ہوتے تو فاطمہ کا کفو نہ ہوتا۔

حضرت علی کے خواستگاری کے بعد جناب رسول خدا نے حضرت فاطمہ سے اس نسبت کے متعلق دریافت کیا کہ اُن کی رضامندی ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ علی نے تمہاری خواستگاری کی ہے اس کی قرابت سے اور فضیلت سے جو اس کو اسلام میں حاصل ہے تم اچھی طرح واقف ہو۔ اور میں نے خداوند تعالیٰ سے بھی اس کی اجازت چاہی کہ میں تمہارا نکاح علی سے کر دوں۔ اب بتاؤ کہ تمہاری کیا مرضی ہے جناب فاطمہ حیا کی وجہ سے خاموش رہیں۔ لیکن وہ خاموشی اتنی بلیغ تھی کہ آنحضرت یہ کہتے ہوئے نکلے۔ اللہ اکبر سکوتہا اقرارہا یعنی فاطمہ کا سکوت اس کا اقرار ہے۔

ابن لطۃ و ابن الموذن و السمعانی نے اپنی کتابوں میں ابن عباس اور انس بن مالک سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم جناب رسول خدا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں علی ابن ابی طالب تشریف لائے۔ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ یا علی کیسے آئے ہو۔ حضرت علی نے شرم سے گردن جھکا کر کہا کہ یوں ہی سلام کرنے حاضر ہوا ہوں۔ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ یہ جبرئیل آئے ہیں انھوں نے مجھے خبر دی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے فاطمہ و علی کا نکاح عرش اعظم پر کیا اور چالیس ہزار فرشتوں نے گواہی کی۔ اور شجر طوبیٰ کی طرف خدا نے وحی کی کہ وہ در و یاقوت نچھاور کرے۔ اس نے بے شمار در و یاقوت نثار کئے۔ پس انکی طرف حوران جنت دوڑیں اور وہ در و یاقوت اپنے طباقوں میں جمع کر لیے۔[۲۷]

---

[۲۶] طبعات ابن سعد:۔ الجزء الثامن صد ۱۱، ۱۲ — ابن کثیر شامی۔ البدایہ والنہایت فی التاریخ الجزء السابع صد ۳۴۲

ابن الاثیر الجزری ۱۶۔ اسد الغابہ ترجمہ علی

[۲۷] اعیان الشیعہ:۔ الجزء الثانی سیرۃ الزہرا صد ۲۷۴

خطبہ حضرت رسالتمآب

انس ابن مالک اور جناب امام رضا علیہ السلام سے یہ خطبہ منقول ہے کہ کشف الغمہ میں مناقب خوارزمی سے نقل کیا ہے۔ انس بن مالک کہتے ہیں کہ میں جناب رسول خدا کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں آثار وحی آنحضرت کے چہرہ پر عیاں ہوئے۔ جب افاقہ ہوا تو آنحضرت نے کہا کہ جبرئیل امین یہ وحی لے کر خدا کی جانب سے تشریف لائے تھے۔ اور مجھے خداوند تعالیٰ کا یہ حکم پہنچا یا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی سے کر دوں۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ چھ مہاجرین اور چھ انصار کو بلالو۔ چنانچہ میں بلا لایا تو آپ نے فاطمہ کا نکاح حضرت علی سے کر دیا [۲۸]

حضرت علی سے فرمایا کہ تمھارے پاس کیا ہے انھوں نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک گھوڑا، ایک خچر، ایک تلوار اور ایک زرہ ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ زرہ کو فروخت کر دو [۲۹]

بوقت نکاح آنحضرت نے یہ خطبہ پڑھ جو کشف الغمہ سے نقل کیا گیا ہے وہ یہ ہے :-

الحمد للہ المحمود بنعمتہ المعبود بقدرتہ المطاع بسلطانہ المرھوب من عذابہ المرغوب الیہ فیما عندہ النافذ امرہ فی ارضہ وسمائہ الذی خلق الخلق بقدرتہ ومیزھم باحکامہ واعزھم بدینہ واکرمھم بنبیہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم ان اللہ جعل المصاھرۃ نسبا لاحقا وامرا مفترضا وشج بھا الارحام والزمھا۔

---

[۲۸] اعیان الشیعہ ص ۴۴۸

[۲۹] مناقب ابن شہر آشوب۔ مجلد الرابع ص ۱۲

الانام فقال تبارک اسمہ وتعالیٰ جدہ وھو الذی خلق من الماء بشراً فجعلہ نسباً وصہراً وکان ربک قدیراً فامر اللہ یجری الی قضائہ وقضاؤہ یجری الی قدرہ ولکل قضا قدر ولکل قدر اجل ولکل اجل کتاب یمحو اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب ۔ ثم انی اشہدکم انی قد زوجت فاطمہ من علی (وفی روایۃ المناقب ثم ان اللہ امرنی ان ازوج فاطمہ من علی وقد زوجتہا ایاہ) علی اربعمأئۃ مثقال فضۃ ارضیت ۔ قال رضیت یارسول اللہ ۔

ترجمہ :۔ تعریف ہے اس خدا کے لیئے جو اپنی نعمتوں کی وجہ سے محمود ہے ۔ اپنی قدرت کی وجہ سے معبود ہے ۔ اپنی حکومت کی وجہ سے مطاع ہے ۔ اس کے عذاب سے لوگ ڈرتے ہیں ۔ ان نعمتہائی گونا گوں کی وجہ سے جو اس کے پاس ہیں لوگ اس کی طرف جھکتے ہیں ۔ اس نے اپنا حکم اپنے ارض وسما میں جاری کیا ہوا ہے ، اپنی قدرت سے خلق کو پیدا کیا ۔ اپنے احکام سے ممیز کیا ، اپنے دین سے ان کو عزت بخشی اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ان کو بزرگی عطا کی ۔ پھر اس نے رشتہ داریاں اور نکاح ، لوگوں میں جاری کیئے اور ان کو فرض قرار دیا ۔ جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ھوالذی خلق من الماء بشراً فجعلہ نسباً وصہراً وکان ربک قدیراً ۔ پس خداوند تعالیٰ کے امر (حکم) سے قضاء جاری ہوتی ہے اور قضاء سے قدر (اندازہ) مقرر ہوتی ہے ۔ ہر ایک قدر کے لیئے ایک اجل (مدت وانتہا) ہے اور ہر ایک اجل کے لیئے کتاب ہے ۔ جو چاہتا ہے اس میں سے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے اس میں لکھتا ہے ۔ اس کے پاس ام الکتاب ہے ۔ اما بعد خداوند تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں فاطمہ کا نکاح علی سے کردوں ۔ پس میں نے

فاطمہ کا نکاح علی سے ۴۰۰ مثقال چاندی پر کر دیا۔ اے علی کیا تم راضی ہو حضرت علی نے فرمایا کہ اے خدا کے رسول میں راضی ہوں

اس کے بعد حضرت علی نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ تمھیں پاک و پاکیزہ اولاد دے اور برکت عطا کرے۔ ابن مردویہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت نے حضرت علی سے کہا کہ تم بھی خطبہ پڑھو پس حضرت علی نے یہ خطبہ ادا کیا۔

الحمد للہ الذی قرب من حامدیہ ودنا من سائلیہ ووعد الجنۃ من یتقیہ وانذر بالنار من یعصیہ نحمدہ علی قدیم احسانہ وایادیہ حمد من یعلم انہ خالقہ وباریہ وممیتہ ومحییہ وسائلہ عن مساویہ ونستعینہ و نستھدیہ ونؤمن بہ ونستکفیہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ شھادۃ تبلغہ وترضیہ وان محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلاۃ تزلفہ وتحظیہ وترفعہ وتصطفیہ وھذا رسول اللہ زوجنی ابنتہ فاطمہ علی خمسماء درھم فاسالوہ واشھدوا قال رسول صلی اللہ قد زوجتک ابنتی فاطمہ علی ما زوجک الرحمٰن وقد رضیت بما رضی اللہ فنعم الختن انت و نعم الصاحب انت وکفاک برضی اللہ رضی۔

ترجمہ:۔ تعریف ہے اُس خدا کے لئے جو اپنے حمد کرنے والے سے قریب ہوا اور نزدیک ہوا اس سے جس نے اُس سے سوال کیا۔ جو اس سے ڈرتا ہے اس کے لیئے جنت کا وعدہ کرتا ہے۔ اور آگ سے ڈراتا ہے اُس کو جو اُس کا عصیان کرتا ہے۔ ہم اُس کی حمد اُس کی نعمتوں کے لئے کرتے ہیں، یہ حمد اس کی طرف سے ہے جو جانتا ہے کہ وہ (خدا) اُس کا خالق ہے۔ اُس کا پرورش کرنے والا ہے۔ اُس کو مارنے والا ہے۔ اُس کو جلانے والا ہے۔ اور اُس کی خطاؤں کا اس سے سوال کرنے والا ہے۔ ہم اُس ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اُس سے ہی ہدایت مانگتے ہیں اُس پر ہم ایمان لاتے ہیں اور وہ ہی ہمارے لیئے کافی ہے ہم شہادت دیتے ہیں کہ کوئی خدا نہیں ہے اس معبود کے علاوہ کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ یہ ایسی شہادت ہے جو اُس تک پہونچتی ہے اور اُس کو راضی کرتی ہے۔ ہم گواہی

دیتے ہیں کہ محمدؐ اُس کا بندہ اور رسول ہے۔ صلوٰۃ ہو اس پر، ایسی صلوٰۃ جو اس کے لائق سزاوار ہے۔ جو اس کو بلند کرتی ہے اور منتخب کرتی ہے۔ ان رسول اللہ نے اپنی دختر فاطمہ کا نکاح میرے ساتھ پانچ صد درہم پر کر دیا۔ پس تم اُن سے معلوم کر لو اور گواہی دو۔ رسول خدا نے فرمایا کہ میں نے اپنی دختر فاطمہ کا نکاح علی سے اس مہر پر کیا جس پر خداوند تعالیٰ نے تیرا نکاح فاطمہ سے کیا۔ پس میں راضی ہوا۔ اس سے جس سے خدا راضی ہوا پس تو کیسا اچھا داماد اور ساتھی ہے۔ اور تیرے لیئے یہ ہی کافی ہے کہ میری یہ رضا وہی ہے جو خدا کی ہے۔

جناب فاطمہ کے مہر میں کچھ اختلاف ہے بعض تو کہتے ہیں کہ ۵۰۰ درہم تھا بعض کے نزدیک ۴۸۰ درہم تھا۔ حافظ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں ۴۸۰ درہم ہی لکھا ہے۔ حضرت علی نے یہ رقم جناب رسولخدا کی خدمت میں پیش کر دی آنحضرت نے اس میں سے کچھ تولے کر بلال کو عنایت کر دیا اور فرمایا کہ باقی سے فاطمہ کے لئے خوشبو خرید دو۔ ابن عبد البر الاستیعاب میں کہتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا کہ اس کے تہائی سے فاطمہ کے لیئے خوشبو خرید لو۔ ابن سعد نے طبقات الکبریٰ جزء الثامن میں در ذیل ذکر فاطمہ لکھا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ تیس درہم سے فاطمہ کیلئے خوشبو خرید اور تہائی سے پوشاک۔ پھر دونوں ہاتھوں سے وہ درہم لے کر ابو بکر کو دیئے اور فرمایا کہ اس میں سے فاطمہ کے لیئے مناسب پوشاک اور اثاث البیت خرید کر لے آؤ۔ اور ان کے ہمراہ عمار بن یاسر اور چند دیگر اصحاب کو کر دیا۔ ایک مٹھی درہموں میں سے لی۔ اس میں ۶۳ یا ۶۶ آئے وہ آنحضرت نے ام ایمن کو دیئے کہ اس سے متاع خانہ خرید لیا جاوے۔ اور باقی ام سلمہ کو دیئے کہ اپنے پاس رکھیں اور ضرورت کی چیزیں خریدتی رہیں۔

جناب فاطمہ کا جہیز جو والدؐ کی طرف سے ملا تھا

جناب فاطمہ کو جو جہیز آنحضرت کی طرف سے ملا تھا اسکی فہرست یہ ہے،

(۱) ایک قمیص قیمتی ۷ درہم (۲) خمار یعنی نقاب، عورتوں کے سر کے ڈھکنے کا کپڑا (۳) قطیفہ خیبریہ کالے زنگ کا۔ یہ ایک نرم روؤں کا کمبل ہوتا ہے (۴) کھجور کے پتوں سے بنا ہوا بستر جس کو سریر مزمل کہتے ہیں (۵) فراشان موٹے ٹاٹ کے دو فرش (۶) چار چھوٹے چھوٹے تکیے چمڑے کے بنے ہوئے (۷) ہاتھ کی چکی (۸) تانبے کا بڑا لگن کپڑے دھونے کے لیئے (۹) ایک چمڑے کی مشک (۱۰) لکڑی کا پانی پینے کا برتن (۱۱) کھجور کے پتوں سے بنا ہوا برتن جس پر مٹی پھیر دیتے ہیں (۱۲) دو مٹی کے آبخورے (۱۳) مٹی کی صراحی (۱۴) زمین پر بچھانے کا چمڑا (۱۵) ایک سفید چادر (۱۶) ایک لوٹا

جہیز کی یہ فہرست اعیان الشیعہ جز الثانی ص ۹۷ سے مرتب کی گئی ہے

جب جناب رسول خدا کے سامنے یہ جہیز پیش کیا گیا تو آنحضرت اس کو ہاتھ سے الٹ پلٹ کر دیکھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ خداوندا اہلبیتِ رسول پر برکت نازل کر ایک روایت ہے کہ آپ اس جہیز کو دیکھکر رونے لگے۔ اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرمایا کہ خداوندا برکت نازل کر ان لوگوں پر جن کے اچھے سے اچھے برتن مٹی کے ہیں۔

رخصت وداع

نکاح کے ایک مہینہ یا ۲۹ دن بعد عقیل نے علی سے کہا کہ تم فاطمہ کی وداع کے لیئے آنحضرت سے کہو حضرت علی نے کہا کہ مجھے شرم آتی ہے انھوں نے کہا کہ چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ پس دونوں ام ایمن کے پاس آئے اور اُن سے تذکرہ کیا۔ وہ ام سلمہ کے پاس گئیں اور اُن کو حضرت علی کی خواہش سے مطلع کیا۔ اور پھر دیگر ازواج رسول سے بھی ذکر کیا۔ وہ سب مل کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں ہم ایک ایسے کام کے لیئے جمع ہوئی ہیں کہ اگر جناب خدیجہ زندہ ہوتیں تو ان کی آنکھیں اس سے بہت ٹھنڈی ہوتیں۔ ام سلمہ کہتی ہیں کہ جب ہم نے خدیجہ کا نام لیا تو آنحضرت رونے لگے اور فرمایا کہ۔ خدیجہ۔ کہاں ہے خدیجہ۔ کون ہوسکتا ہے مثل خدیجہ کے۔ اس نے میرے اُس وقت کی

تصدیق کی جب سب میری تکذیب کر رہے تھے اور میرا بوجھ اس نے ہلکا کیا میرے کام میں شریک ہوگئی اور اپنے مال سے میری مدد کی۔ خداوند تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں خدیجہ کو جنت کی بشارت دوں۔ ام سلمہ نے جواب دیا کہ ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں خدیجہ ایسی ہی تھیں کہ جیسا آپ نے فرمایا۔ وہ اب اپنے رب کے پاس چلی گئی ہیں۔ ایک دن خدا ہم کو اور ان کو ایک جگہ جمع کرے گا جس امر کے لیۓ ہم حاضر ہوۓ ہیں وہ یہ ہے کہ علی ابن ابی طالب کی خواہش ہے کہ فاطمہ کو ان کے گھر رخصت کر دیا جاۓ۔ آنحضرت نے فرمایا حُبًا وکرامتہً حضرت علی کو بلایا۔ وہ حیاد شرم میں ڈوبے ہوۓ آۓ۔ ازداج رسول گھر میں چلی گئیں آپ نے علی سے کہا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ فاطمہ کو تمھارے گھر رخصت کر دیا جاۓ۔ حضرت علی نے شرم سے سر نیچا کر کے جواب دیا جی حضور۔ آنحضرت نے فرمایا کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ پھر آپ نے ام سلمہ و زینب و دیگر ازدواج کو نام لے کر فرمایا کہ ام سلمہ کے گھر میں فاطمہ کو دولہن بناؤ اور وہ مکان جو علی نے لیا ہے اس کے لیۓ تیار کرو یہ مکان حضرت علی نے کرایہ پر لیا تھا یہ مکان آنحضرت کے مکان سے کچھ فاصلہ پر تھا۔ لیکن آنحضرت نے اس مکان کی از سر نو تعمیر کر کے اس کو اپنے مکان کے ساتھ ملا لیا ازداج رسول نے ایسا ہی کیا جیسا آنحضرت نے فرمایا تھا۔

مناقب ابن شہر آشوب میں ابوبکر بن مردویہ کے حوالہ سے درج ہے کہ اصحاب رسول اس موقع پر ہدایا و تحف لاۓ۔ آنحضرت نے فرمایا کہ روٹی شوربا تیار کرایا جاوے اور علی کو حکم دیا کہ گاۓ و بکریاں ذبح کریں۔ جب طعام تیار ہوگیا تو آنحضرت نے حکم دیا کہ ایک منادی عام کر دی جاوے کہ سب لوگوں کی دعوت ہے پس لوگ مسجد میں جمع ہوۓ۔ چار ہزار سے زائد مرد تھے اور عورتیں اس کے علاوہ تھیں۔ سب نے سیر ہو کر کھایا اور پھر بھی اس کھانے میں سے کچھ کم نہ ہوا۔ پھر آنحضرت نے بڑی رکابیاں اور پیالے منگواۓ اور ان میں کھانا اپنی تمام ازداج کے مکانوں پر بھجوایا۔ ایک رکابی حضرت فاطمہ اور ان کے شوہر کے لیۓ رکھ لی۔

جب رات ہوئی جو کہ زفاف کی رات تھی تو آنحضرت نے ناقہ یا خچر منگوایا اس پر قطیفہ ڈلوادیا اور جناب فاطمہ کو سوار کیا اور سلمان سے کہا کہ اس سواری کو چلاؤ۔ اور خود معہ حمزہ، عقیل، بنو ہاشم، تلوار کھینچے ہوئے پیچھے پیچھے چلے۔ اور آنحضرت کی ازواج جناب فاطمہ کے آگے رجز پڑھتی ہوئی چلیں۔ خاندان عبدالمطلب اور مہاجرین اور انصار کی عورتوں کو حکم دیا کہ حضرت فاطمہ کے ساتھ چلیں۔ ان کا دل بہلائیں اور خود بھی خوشیاں منائیں۔ رجز پڑھیں۔ خدا کی حمد و تکبیر کریں۔ لیکن کوئی بات ایسی نہ کہیں اور کریں جس سے خدا ناخوش ہوتا ہو رسول خدا نے دیکھا کہ جبرئیل ستر ہزار ملائکہ کے ساتھ اور میکائیل ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ جناب فاطمہ کو حضرت علی کے گھر پہنچانے آئے تھے۔ جبرئیل و میکائیل نے تکبیر کہی، تمام ملائکہ نے تکبیر کہی اور جناب رسولخدا نے تکبیر کہی۔ اس ہی رات سے دلہن کے پیچھے تکبیر کہنا سنت میں داخل ہو گیا۔

علامہ ابن شہر آشوب نے مناقب میں تاریخ الخطیب، کتاب ابن مردویہ، ابن الموذن و شہرویہ دیلمی سے ان کی اسانید سے علی بن الجعد عن ابن بسطام عن شعبہ بن الحجاج عن علوان عن شعبہ عن ابی حمزہ الضبعی عن ابن عباس و عن جابر روایت نقل کی ہے کہ حضرت فاطمہ کے شب زفاف جلوس وداع میں جناب رسول خدا اُن کے آگے تھے۔ جبرئیل دائیں طرف تھے۔ میکائیل بائیں طرف اور ستر ہزار فرشتے ان کے پیچھے تسبیح و تقدیس خدا کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ صبح ہوئی۔ اس جلوس میں ازواج رسول نے جو رجز پڑھے ان میں سے چند ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں (منقول از اعیان الشیعہ الجزء الثانی۔ ص ۵۰۱)

(۱)

حضرت ام سلمہ کا رجز

سرن بعون اللہ جاراتی ... واشکرنہ فی کل حالات

واذکرن ما انعم رب العلی ... من کشف مکروہ و آفات

فقد ھدانا بعد کفر و قد ... انعشنا رب السماوات

وسرن مع خیر نساء الوری | تفدی بعمات وخالات
یا بنت من فضله ذو العلی | بالوحی منه والرسالات

(۲)

حضرت عائشہ کا رجز

یا نسوۃ اسرن بالمعاجر | واذکرن ما یحسن فی المحاضر
واذکرن رب الناس اذ یخصنا | بدینہ مع کل عبد شاکر
والحمد للہ علی افضالہ | والشکر للہ العزیز القادر
سرن بہا فاللہ اعلی ذکرہا | وخصہا منہ بطہر طاہر

۳

حضرت حفصہ کا رجز

فاطمہ خیر نساء البشر | ومن لہا وجہ کوجہ القمر
فضلک اللہ علی کل الوری | بفضل من خص بآی الزمر
زوجک اللہ فتی فاضلا | اعنی علیا خیر من فی الحضر
فسرن جاراتی بہا فانہا | کریمۃ عند عظیم الخطر

معاذہ ام سعد بن معاذ کا رجز

اقول قولا فیہ ما فیہ | واذکر الخیر وابدیہ
محمد خیر بنی آدم | ما فیہ من کبر ولا تیہ
بفضلہ عرفنا رشدنا | فاللہ بالخیر یجازیہ
ونحن مع بنت نبی الہدی | ذی شرف قد مکنت فیہ
فی ذروۃ شامخۃ اصلہا | فما اری شیئاً یدانیہ

ترجمہ

(۱) حضرت ام سلمہ کا رجز

(۱) ہماری سہیلیاں خدا کی مدد سے روانہ ہوں اور شکر کریں خدا کا ہر حال ہیں۔

(۲) اور تذکرہ کرو خدا کے احسان کا جو اس نے مصیبت اور آفات سے بچانے میں کیا ہے۔

(۳) البتہ اُس نے ہم کو کفر سے نکال کر راہ راست دکھائی اور اُسی آسمانوں کے پروردگار نے ہم کو اعلیٰ مراتب پر پہنچایا۔

(۴) ہماری سہیلیاں روانہ ہوں بہترین زنان عالم کے ساتھ جن پر پھوپھیاں اور خالائیں قربان ہو رہی ہیں۔

(۵) اے اُس کی صاحبزادی جس کو خداوند تعالیٰ نے سب پر فضیلت دی تاج وحی اور خلعتِ رسالت پہنا کر۔

(۲) حضرت عائشہ کا رجز

(۱) اے عورتوں اوڑھنیاں اوڑھ لو اور ایسی باتیں کرو جو حاضرین کے شایانِ شان ہو

(۲) ذکر کرو سارے جہان کے پالنے والے کا۔ اس لئے کہ اس نے ہر شکر کرنے والے بندہ کو خصوصیت کے ساتھ اپنے دین سے سرفراز فرمایا۔

(۳) حمد و ثنا خدا ہی کیلئے ہے اس کے احسانات پر اور شکر تمام سزاوار ہے خدائے قادر غالب کے لئے۔

(۴) وہ چلیں ایسی محترمہ کے ساتھ جس کے ذکر کو خدا نے بلند کیا ہے اور مخصوص کیا ہے اُن کو طہارت حقیقی کے ساتھ۔

(۳) حضرت حفصہ کا رجز

(۱) جناب فاطمہ بہترین زنانِ عالم ہیں اور اُن کا چہرہ مثل چودھویں رات کے چاند کے روشن ہے۔

(۲) خدا نے آپ کو سارے جہاں پر فضیلت دی ہے اُس فضل کے سبب جس کی تخصیص آیت زمر میں فرمائی ہے۔

(۳) آپ کی شادی خدا نے اُس فاضل ترین جوان "علی" کے ساتھ کی ہے جو فخر دو جہاں ہے۔

(۴) اب میری سہیلیاں اس موصوفہ کے ساتھ چلیں اس لیئے کہ وہ بڑی سے بڑی شان والوں کی نظر میں مایۂ ناز ہیں۔

اس طرح حضرت علی کے گھر یہ جلوس داخل ہوا۔ آنحضرتؐ نے حضرت علی کو بلایا اور جناب فاطمہ کا ہاتھ علی کے ہاتھ میں دیکر کہا بارک اللہ فی ابنۃ رسول اللہ دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت نے حضرت علی کا داہنا ہاتھ اور جناب فاطمہ کا داہنا ہاتھ لے کر اپنے سینے پر دونوں کے ہاتھوں کو ملایا۔ اور دونوں کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیکر حضرت فاطمہ کو علی کے سپرد کر دیا۔ اور کہا۔ یا علی نعم الزوجہ زوجتک۔ پھر حضرت فاطمہ کی طرف رُخ کرکے کہا یا فاطمہ نعم البعل بعلک پھر دونوں کے درمیان چلے۔ اور ان کے گھر میں ان کو داخل کر دیا پھر آپ نے پانی منگوایا اس میں سے ایک جرعہ لیا۔ منہ میں لے کر کُلّی کی اور کُلّی کا پانی ایک پیالہ میں ڈالا۔ اور اس میں سے وہ پانی جناب فاطمہ کے سر و سینہ اور شانوں پر ڈالا۔ اور حضرت علی کے اوپر بھی اسی طرح پانی ڈالا۔ اور فرمایا۔ اللّٰھمّ بارک فیھما وبارک علیھما وبارک لھما فی نسلھما۔ ایک روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا۔ اللّٰھم انھما احب الخلق الیّ فاحبھما وبارک فی ذریتھما واجعل علیھما منک حافظا وانی اعیذھما بک وذریتھما من الشیطان الرجیم ودعا لفاطمہ فقال اذھب اللہ عنک الرجس وطھرک تطھیرا وروی انہ قال مرحبا ببحرین یلتقیان ونجمین یقترنان وفی روایۃ قال اللّٰھم ھذہ ابنتی واحب الخلق الی اللّٰھم وھذا اخی واحب الخلق الی اللّٰھم اجعلہ لک ولیا وبک حفیا وبارک لہ فی اھلہ ثم قال یا علی ادخل باھلک بارک اللہ تعالیٰ لک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم انہ حمید مجید۔ (منقول از اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص ۵۰۳)

ترجمہ:۔ خداوندا۔ ان دونوں کی نسلوں میں برکت دے۔ ان دونوں پر برکت نازل کر۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ خداوندا یہ دونوں مجھے تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں۔ بس تو بھی ان کو دوست رکھ اور ان کی اولاد میں

برکت دے۔ اپنی طرف سے انکی حفاظت کر۔ اور میں ان دونوں کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ اور فاطمہ کے لئے یہ دعا مانگی۔ خداوند تعالیٰ تجھے پاک پاکیزہ رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ روایت ہے کہ آپ نے فرمایا مرحبا یہ دو سمندر ہیں کہ موجیں مارتے ہوئے مل رہے ہیں۔ دو ستارے ہیں کہ آپس میں قریب ہو رہے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ خداوندا یہ میری بیٹی مجھے تمام مخلوق سے زیادہ پیاری ہے۔ اور خداوندا یہ میرا بھائی ہے جو تمام مخلوق سے زیادہ مجھے پیارا ہے۔ خداوندا اس کو اپنا ولی بنا اور اپنی حفاظت میں لے اور اس کی اہل میں اس کو برکت دے پھر فرمایا۔ اے علی اپنی زوجہ کے پاس آؤ۔ خداوند تعالیٰ تم پر برکت و رحمت نازل کرے وہ حمید و مجید ہے یہ کہکر آنحضرت اُن دونوں کے پاس سے چلے آئے۔ دروازے کے دونوں کواڑوں کو پکڑ کر فرمایا طہرکما اللہ وطہر نسلکما انا سلم لمن سالمکما وحرب لمن حاربکما استودعکما اللہ واستخلفہ علیکما۔ یعنی خداوند تعالیٰ تم دونوں کو اور تمہاری نسل کو پاک و پاکیزہ رکھے۔ میں صلح و آشتی کرنے والا ہوں اُس سے جو تم دونوں سے صلح و آشتی کرے اور میں لڑنے والا ہوں اس سے جو تم دونوں سے لڑے۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے دروازہ بند کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت نے حضرت فاطمہ سے کہا۔ زوجتک خیر اہلی سید انی الدنیا و سید انی الآخرۃ وہو من الصالحین۔ یعنی میں نے اے فاطمہ تیرا نکاح کیا اُس سے جو میرے اہل میں سب سے بہتر ہے جو دین و دنیا میں سردار ہے اور صالحین میں سے ہے۔ پھر ان دونوں سے کہا کہ گھر میں جاؤ اور میرے آنے کا انتظار کرو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اُن کے ارد گرد امہات المومنین تھیں حضرت علی و امہات المومنین کے درمیان میں ایک پردہ تھا۔ اور حضرت فاطمہ عورتوں میں تھیں۔ پھر جناب رسول خدا آئے اور امہات المومنین وہاں سے ہٹ گئیں۔ آنحضرت نے ایک برتن منگوا کر اُسے پانی سے بھروایا۔ منہ میں پانی لیکر اُس میں کلی کی اور فرمایا اللھم انھما منی وانا منھما اللھم کما اذھبت عنی الرجس

وطہرتنی تطہیرا فطہرہما یعنی خداوندا یہ دونوں مجھ سے ہیں اور میں ان دونوں سے
ہوں۔ جس طرح تو نے مجھ سے رجس دنا پاکی کو دور رکھا اور مجھے پاک کر دیا ہے جیسا کہ پاک
کرنے کا حق ہے اسی طرح تو ان دونوں کو پاک رکھ۔ پھر آپ نے حضرت فاطمہ سے کہا
کہ یہ پانی پی لو۔ انھوں نے پی لیا پھر آپ نے وضو کیا۔ پھر اسی طرح برتن میں پانی منگوا
کر دہی عمل کیا اور چلے گئے۔ دروازہ بند کر دیا۔ آپ نے اپنی دعا میں سوائے ان دونوں
کے کسی اور کو شریک نہیں کیا۔

جب صبح ہوئی تو جناب رسول خدا دروازے پر تشریف لائے۔ اور کہا کہ
اے ام ایمن میرے بھائی کو بلاؤ۔ انھوں نے کہا کہ کیا وہ آپ کے بھائی رہے۔ اب تو
آپ نے اپنی لڑکی اُن سے بیاہ دی ہے۔ آنحضرت نے کہا کہ اے ام ایمن ٹھیک ہے
وہ میرا بھائی ہی ہے جب حضرت علی آئے تو آنحضرت نے ان کے اوپر پانی ڈالا اور
اُن کو دعا دی۔ پھر حضرت فاطمہ کو بلایا۔ وہ بہت شرمائی ہوئی آئیں۔ آپ نے
فرمایا کہ میں نے تمھارا نکاح اُس سے کیا ہے جو میرے کنبہ میں مجھے سب سے زیادہ
عزیز ہے پھر آنحضرت نے اُن پر بھی پانی ڈالا اور وہ واپس چلی گئیں۔

بوقت نکاح جناب فاطمہ کی کیا عمر تھی۔ اس میں اختلاف ہے جس طرح
کہ اُن کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ ہمارے اصحاب کی اکثریت کے نزدیک
جناب فاطمہ بعثت کے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں۔ اس حساب سے جناب فاطمہ کی
عمر بوقت نکاح نو یا دس یا گیارہ سال کی تھی کیونکہ تاریخ نکاح میں بھی اختلاف ہے
تین روایتیں ہیں ہجرت سے ایک سال بعد یا دو سال بعد یا تین سال بعد۔

اسی طرح اس نکاح کے دن اور مہینہ میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن شہر
آشوب مناقب میں لکھتے ہیں کہ یکم تاریخ ذی الحجہ کو نکاح ہوا۔ اور وداع بروز
شنبہ ۶ ذی الحجہ کو ہوئی۔ ابوالفرج نے لکھا ہے کہ صفر میں نکاح ہوا اور
آخر شوال میں وداع ہوئی۔ ایک روایت ہے کہ نکاح رمضان کے مہینہ میں
ہوا۔ اور ذی الحجہ میں زفاف ہوا۔ علامہ سید محسن الامین الحسینی العاملی کی تحقیقات

ہے کہ زفاف جمعرات کو رات کو محرم کی ۲۱ تاریخ کو ہوا۔

اس جلوس وداع کی استقبال کے لئے جس طرح حضرت علی نے اپنے گھر کو سجایا تھا وہ بھی ذکر کرنے کے قابل ہے تمام گھر پر نرم ریت بچھا دی۔ اور گھر میں جو چبوترہ تھا اس پر مینڈھے کی کھال ڈال دی۔ ایک تکیہ جس میں کھجور کے پتے تھے ایک پانی کی مشک، ایک آٹا چھاننے کی چھلنی۔ ایک پانی پینے کا پیالہ اور ایک تولیہ کی قسم کا کپڑا بس یہ سارا سامان تھا جو حضرت علی نے اپنی دولہن کے لئے مہیا کیا تھا۔ یہ دنیا اس ہی قابل ہے کہ اس میں سادگی سے زندگی بسر کی جاوے۔

جناب رسالتمآب فرمایا کرتے تھے کہ اگر علی نہ ہوتے تو فاطمہ کے لئے کفو نہ ملتا۔ یہ بالکل صحیح ہے اور جناب رسول خدا کو فاطمہ کے لئے ایسے ہی کفو کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ مشیت ایزدی میں قرار پا چکا تھا کہ آنحضرت کی نسل جناب فاطمہ سے چلے۔ اور آپ کو اپنی اس اولاد سے اسلام کے لئے بہت کام لینا تھا۔ اور ایسی اولاد کہ جو دین خدا کے لئے وہ سرفروشیاں کرتی جو حسنین علیہم السلام و حضرت زینب و حضرت علی ابن الحسین وغیرہم نے کیں نہیں ہوسکتی تھی جب تک کہ حب خدا و نفرت کفر انھیں ماں و باپ دونوں کی طرف سے نہ ملتی تو ارث خلال و کردار ایسا ہی اب علم ہو چکا ہے کہ جیسا توارث مال و دولت باپ سے بیٹے کی طرف علامہ ابن خلدون کہتے ہیں :-

> شرافت و حسب کا انحصار اخلاق و اطوار پر ہے۔ اور اچھا خاندان وہ ہے جس کے اسلاف و اجداد مشہور شریف ہوئے ہوں ۔۔۔ بنی نوع انسان اپنی نسل و خاندان کے لحاظ سے معادن سے مشابہ ہیں چنانچہ حدیث میں آیا ہے الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ احساب و اخلاق نسب کی طرف رجوع ہوتے ہیں ۵۳

جناب رسول خدا فرمایا کرتے تھے کہ میرا نور تخلیق آدم سے چودہ ہزار برس پہلے عرش الہیٰ کے سامنے تسبیح و تقدیس الہیٰ میں مشغول تھا۔ جب آدم پیدا ہوئے تو میرا نور ان کے صلب میں ودیعت کیا گیا۔ اُس کے بعد میرا نور پاک و طاہر اصلاب وارحام میں سے منتقل ہوتا ہوا صلب عبدالمطلب میں آیا اور وہاں سے صلب عبداللہ پدرم میں آگیا۔ ظاہر ہے کہ یہ نور کفر سے کوسوں دور ہوگا۔ اور اس کی شرافت و نجابت مسلم ہے جناب فاطمہ اس میں نور کا ایک ٹکڑا تھیں جناب خدیجہ آنحضرت سے چوتھی پشت میں ملتی تھیں۔ علامہ ابن خلدون کی تحقیق کے مطابق ایک مورث کی شرافت و نجابت و خوبی کردار و خصائل چار پشتوں تک باقی رہتی ہے ۔ علامہ مذکور فرماتے ہیں ۔

کوئی آدمی نہ نکلے گا کہ آدم علیہ السلام سے لیکر اس وقت تک اس کے اباء و اجداد علی الاتصال حسب و شرافت کے صدر نشین رہے ہوں ۔ اگر کوئی ہے تو جناب رسالتمآب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں آنحضرت کے تمام آباؤ اجداد آدم علیہ السلام تک صاحب مجد و شرف ہوئے ورنہ جو شرافت قائم ہوئی اسی کو زوال ہوا ـــــ اور جب کسی قوم و خاندان میں عز و شرف کی بنیاد قائم ہوئی چار پشتوں سے زیادہ اس کو ثبات و قرار نہ ہوا۔ [۳۱]

ثابت ہوا کہ جناب خدیجہ اور آنحضرت کے مورث اعلیٰ قصی کی شرافت و نجابت خدیجہ تک پہنچی اور وہ اُس کی وارث ہوئیں ۔

حضرت فاطمہ جیسی نجیب و شریف دختر رسول کے لئے جب تک شوہر بھی ایسا ہی نہ ہوتا تو اس کا نکاح ناممکن تھا جناب رسولخدا کے رشتہ داروں اور صحابہ میں سوائے

---

[۳۰] مقدمہ تاریخ علامہ ابن خلدون ۔ عربی ۔ معرب فصل ۱۳ ص ۱۳۲

[۳۱] عربی مقدمہ تاریخ ابن خلدون ۔ معرب فصل ۱۵ ص ۱۳۶ - ۱۳۷

اردو ترجمہ مقدمہ تاریخ ابن خلدون فصل ۱۵ ص ۱۷۳ ، حصہ اول

2457

علی کے کوئی ایسا نہ تھا حضرت علی کے والد حضرت ابو طالب جناب عبداللہ والد رسول خدا کے ماں و باپ کی طرف سے حقیقی بھائی تھے یہ شرف آنحضرتؐ کے کسی اور چچا کو نہ تھا حضرت علی کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں۔ وہ جناب رسول اللہ سے صرف دوسری پشت میں ملتی تھیں سیاسی ضرورتیں بسا اوقات لوگوں کو حق چھپانے پر آمادہ کرتی ہیں آنحضرت کی رحلت کے بعد جو سیاسی تنازعات شروع ہوئے اُن میں اُس پارٹی کو جس نے اپنی حکمت عملی سے حکومت پر قبضہ کر لیا تھا۔ اپنی حیثیت قائم رکھنے کے لئے ضرورت ہوئی کہ اصلی دعویدار خلافت یعنی حضرت علی کے فضائل سے انکار اور اُن کے درجات عالیہ سے اغماض کرے اس کو ہم تفصیل سے **البلاغ المبین** میں بیان کر چکے ہیں۔ بدیہیات مثلاً نسب کی فضیلت، میدان جنگ کی شجاعت علم کی فراوانی کو چھپانا تو ناممکن تھا دیگر ذرائع سے علی کے درجہ کو کم کرنے کی کوشش کی گئی۔ اُن ذرائع میں سے آسان ذریعہ یہ تھا کہ اُن کے والد کے اسلام سے انکار کیا جاوے چنانچہ اُس پارٹی کے مورخین آج تک یہ کہتے ہیں کہ ابو طالب ایمان نہیں لائے تھے۔ لیکن یہاں امعان نظر کی ضرورت ہے۔ حق چھپا نہیں رہیگا۔ ہم باب چہارم میں حضرت ابو طالب کے اشعار اور اُن کے افعال سے ثابت کر چکے ہیں کہ جب اُن کو آنحضرت کی نبوت کا علم ہوا اسی وقت ایمان لے آئے۔ چند اشعار ہم اُن کے پہلے نقل کر چکے ہیں۔ چار اشعار یہاں نقل کرنے ضروری معلوم ہوتے ہیں۔

حضرت ابو طالب فرماتے ہیں:۔

ودعوتنی وعلمت انک صادق ولقد صدقت وکنت ثم امینا

ولقد علمت بان دین محمد من خیر ادیان البریۃ دینا

ترجمہ:۔ تو نے اے محمد مجھکو دعوت دین دی میں جانتا ہوں کہ تو سچا ہے۔ پہلے بھی تو سچ ہی بولتا تھا اور امین تھا۔

بہ تحقیق میں نے جان لیا کہ محمد کا دین دنیا کے تمام دینوں سے بہتر ہے۔

ان اشعار کو ثعلبی نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

قد اتفق علی صحۃ نقل ھذہ الابیات عن ابی طالب مقاتل و عبد اللہ

ابن عباس و القاسم بن مخیمرۃ و عطا بن دینار۔

یعنی ان ابیات کے ابوطالب کے کلام ہونے پر مقاتل و عبداللہ ابن و قاسم بن مخیمرہ و عطا بن دینار نے اتفاق کیا ہے۔ اور ان اشعار کو حضرت ابوطالب کا کلام کہکر ابوالفدار نے اپنی تاریخ ج ۱ ص ۱۲۰ میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے ابوطالب کے اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے جو ثابت کرتا ہے کہ وہ آنحضرت پر ایمان لائے تھے

"ودعوتنی و علمت انک صادق ۔ البیت"

سیرۃ حلبیہ میں بھی حضرت ابوطالب کے قصیدہ کو نقل کیا ہے دیکھو سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۱۳۸ اس قصیدہ میں تقریباً ۸۰ اشعار ہیں۔ بوجہ طوالت ہم اس کو یہاں درج نہیں کرتے۔ اس کا ایک شعر یہ ہے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ ثمال الیتامی عصمۃ الارامل

اس قصیدہ کی نسبت سیرۃ الحلبیہ میں لکھا ہے کہ اس کی وجہ سے حضرت ابوطالب کا اسلام لانا ثابت کیا جاتا ہے۔ اس پورے قصیدہ کو ابن ہشام نے سیرۃ النبی میں یہ کہکر نقل کیا ہے کہ اس کا کلام ابی طالب ہونا بغیر شک و شبہ کے ثابت ہے دیکھو سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر الجزء الاول ص ۲۸۶ لغایت ۲۹۸ - کتاب لب لباب لسان العرب میں بھی یہ قصیدہ درج ہے۔ الوسی نے بلوغ الارب ج ۱ ص ۳۵۹ طبع اول میں نقل کیا ہے علامہ دحلانی نے اسنی المطالب میں ص ۱۱ پر اس کے بہت سے اشعار نقل کیے ہیں اور وہ کہتے ہیں قال ابن کثیر ھذہ القصیدۃ بلیغۃ جداً لا یستطیع ان یقولھا الا من نسبت الیہ وھی افحل من المعلقات السبع وابلغ فی تادیۃ المعنی یعنی ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ نہایت بلیغ قصیدہ ہے کوئی اور شخص اس کے کہنے پر قادر نہیں سوائے اس کے کہ جس کی طرف یہ منسوب ہے یعنی حضرت ابوطالب اور یہ قصیدہ سبع معلقات سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔

شرح ابن الحدید میں بھی یہ قصیدہ درج ہے صاحب ناسخ التواریخ نے

بھی اس کو نقل کیا ہے۔ اس قصیدہ کو پڑھنے کے بعد حضرت ابو طالب کے اسلام میں کچھ شک باقی نہیں رہتا۔

علامہ شبلی اپنی سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں۔

ابو طالب کی وفات کے وقت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ پہلے سے موجود تھے۔ آپ نے فرمایا "مرتے مرتے لا الہ الا اللہ کہہ لیجئے کہ میں خدا کے ہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں" ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا۔ ابو طالب کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے" بالآخر ابو طالب نے کہا "میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں" پھر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف خطاب کر کے کہا "میں وہ کلمہ کہہ دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا آپ نے فرمایا "میں آپ کے لئے دعائے مغفرت کروں گا جب تک کہ خدا مجھکو اس سے منع نہ کردے"

یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابو طالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے (جو اس وقت تک کافر تھے) کان لگا کر سنا تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا کہ تم نے جس کلمہ کے لئے کہا تھا ابو طالب وہ ہی کہہ رہے ہیں۔

اس بنا پر ابو طالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے اس لئے محدثین زیادہ تر ان کے کفر ہی کے قائل ہیں۔

لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابلِ حجت نہیں کہ اخیر راوی مسیب ہیں جو فتح مکہ میں

ایمان لائے اور ابو طالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے
اسی بناء پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ
یہ روایت مرسل ہے ابن اسحٰق کے سلسلۂ روایت میں عباس
بن عبداللہ بن معبد اور عبداللہ بن عباس ہیں۔ یہ دونوں
ثقہ ہیں لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیا ہے اس بناء
پر دونوں روایتوں کے درجۂ استناد میں چنداں فرق نہیں
ابو طالب نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے
جو جاں نثاریاں کیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ وہ
اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے۔ آپ کی محبت
میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لیا۔ آپ کی خاطر محصور ہوئے
فاقے اٹھائے۔ شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس
تک آب و دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت یہ جوش۔ یہ جاں نثاریاں
سب ضائع جائیں گی؟ ۳۲ھ

بہت کم ایسا ہوا ہے کہ مولوی شبلی کے قلم سے کلمۂ حق نکلا ہو لیکن
اس موقعہ پر قدرت نے ان کے قلم کو مجبور کر کے ان سے کلمۂ حق لکھوا ہی لیا۔
اور اگر خدا نے وقتاً فوقتاً مذہب حقہ کی اس طرح مدد نہ کی ہوتی تو آج کو مذہب
شیعہ باقی ہی نہ رہتا۔

اوّل تو بخاری کی روایت لیجئے۔ اسی ہی روایت سے ظاہر ہوتا ہے
کہ حضرت ابو طالب نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ
کلمہ شہادت پڑھو۔ کفار نے کہا کہ نہ پڑھو۔ حضرت ابو طالب نے اعلان
کیا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں۔ بیٹے کو پتہ تھا کہ باپ کا کیا دین تھا

۳۲ھ شبلی۔ سیرۃ النبی جلد اول حصہ اول تقطیع کلاں ص ۱۸۰، ۱۸۱

آپ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سچا نبی و رسول مانتے ہیں یا نہیں۔ اگر مانتے ہیں تو یہ متفقہ بات ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرا نور تخلیق آدم سے ہزارہا سال قبل خلق کیا گیا۔ اور پھر صلب آدم میں رکھا گیا۔ اوسکے بعد اصلاب طاہرہ اور ارحام مطہرہ میں منتقل ہوتا رہا یہانتک کہ اوس نے صلب عبداللہ میں قرار پکڑا اور رحم آمنہ میں منتقل ہوا۔ اب فرمائیے کہ بدترین نجاست کفر ہے یا نہیں اس سے زیادہ ضرر رساں تو کوئی اور نجاست ہی نہیں۔ آنحضرت کی اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ آنحضرت کے آباد اجداد میں کوئی بھی کافر نہ تھا۔ لہذا حضرت عبدالمطلب کافر نہ تھے۔ دین ابراہیمی پر قائم تھے۔ حضرت ابوطالب نے کہا کہ میں دین عبدالمطلب پر مرتا ہوں یہ نتیجہ نکلا کہ وہ مسلمان مرے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہونگا۔ یہ پیغمبر کی شان سے اور اس کی عدالت سے بعید ہے کہ ایک کافر کے لئے دعائے مغفرت کرے۔ دعائے مغفرت امید مغفرت پر کی جاتی ہے۔ ایک کافر کے لئے پیغمبر خدا کو امید مغفرت نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر ایک کافر کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں تو دوسرے کافروں کے لئے کیوں نہ کریں۔ حضرت حمزہ ایمان نہ لاتے حضرت ابوبکر ایمان نہ لاتے۔ عباس ایمان نہ لاتے آنحضرت کی حفاظت کرتے رہتے۔ ایمان نہ لاتے۔ آنحضرت سے کہتے کہ ہمارے لئے دعائے مغفرت کرو کس منہ سے آنحضرت انکار کرتے۔

اگر حضرت ابوطالب کا ایمان بتوں پر ہوتا۔ اون کو اپنا خدا سمجھتے۔ جناب رسول خدا اون بتوں کو برا بھلا کہتے تھے۔ پتھر کے ٹکڑے بتاتے تھے تو خدا سے بہتر تو بھتیجا نہ ہوتا۔ اپنے بھتیجے کی کیوں حفاظت کرتے جو ان کے خداؤں ہی کی جستجو میں اوکھاڑ رہا تھا۔ اگر خود نہ قتل کرتے۔ صرف حمایت ہی اٹھا لیتے تو قریش آنحضرت کو قتل کر دیتے۔ حضرت ابوطالب کے (معاذ اللہ) خدا تو بچ جاتے۔

حضرت عبدالمطلب کا دین ابراہیمی پر قایم رہنا کونسی محال بات تھی۔

یہ مورخین کی تحقیقات ہے کہ آنحضرت کی بعثت سے قبل عرب میں چند آدمی دین ابراھیمی پر نظر آتے تھے۔ مولوی شبلی نے چار نام گنوائے ۔ ورقہ بن نوفل۔ عبداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث اور زید بن عمرو بن نفیل کہتے ہیں کہ پہلے تین آدمی بعد میں عیسائی ہو گئے۔ زید بن عمرو بن نفیل چونکہ حضرت عمر کے چچا تھے اون کی طرف سے خاموشی اختیار کر لی۔ بلکہ یہ فرمایا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں دین ابراھیمی پر ہوں۔ شبلی صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت نے نبوت سے پہلے زید کو دیکھا تھا اور ان سے صحبت رہی تھی۔ کہنا تو اس سے آگے بھی چاہتے تھے لیکن رک گئے۔ آنحضرت کو صرف زید کی صحبت ہی کا تجرد لوایا ہے دل تو یہ چاہتا تھا کہ کہدیں کہ اصول توحید آنحضرت نے زید ہی سے سیکھے جس طرح عیسائیوں نے کہا کہ بنی اسرائیل کے انبیاء کا علم آنحضرت کو بحیرہ راہب سے حاصل ہوا۔ بہرصورت اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں بات صاف ہے۔ اگر حضرت عمر کے چچا موحد، دین ابراھیمی کے پیرو ہو سکتے تھے تو آنحضرت کے دادا کا دین ابراھیمی پر ہونا کونسی بڑی بات تھی۔

یہ بھی آپ نے غور کیا۔ صرف بخاری کی روایت کی وجہ سے لوگ حضرت ابوطالب کے کفر کے قائل ہیں۔ اور بخاری کی روایت خود بقول علامہ شبلی مجروح ہے۔ تو حضرت ابوطالب کے مفروضہ کفر کا سارا بھانڈہ پھوٹ گیا۔

غرض کہ حضرت ابوطالب کا مسلمان مرنا ثابت ہے۔

مکہ و مدینہ میں اوس زمانہ کا طرز رہائش اور جناب فاطمہ کا روزانہ معمول زندگی

پورانے زمانے کے مورخین خواہ وہ عرب وایران کے ہوں یا یونان وروم کے اپنی تاریخوں میں توموں کے طرز رہائش اور روزآنہ معمول زندگی کو بیان نہیں کرتے تھے۔ آج کل ان امور کو بہت دلچسپ اور تاریخ کے لئے

ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس وجہ سے زمانہ حال کے مورخین کو بہت مشکلیں پیش آتی ہیں اور وہ ان امور کو اوس زمانہ کے شاعروں کے کلام، گویوں کے گیتوں، قصہ نویسوں کے کہانیوں اور بادشاہوں کے درباروں کے حالات اور لڑائیوں کی تفصیلات میں سے ڈھونڈھ کر نکالتے ہیں۔ چنانچہ اس کے لئے الف لیلہ کے قصوں اور عقد الفرید اور کتاب الاغانی جیسی کتابوں سے بہت مدد ملتی رہی ہے۔ لڑائیوں کی تفصیلات بھی مدد دیتی ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں افواج کے ساتھ عورتوں کے قافلوں کا ہونا ضرور تھا۔ لیکن اسلام نے اس رسم کو جاری نہ رکھا اگرچہ عورتوں کا اپنے خاوندوں کے ہمراہ لڑائیوں میں جانا اسلام کے زمانہ میں بھی جاری تھا۔ جناب رسول خدا اکثر اپنی ازواج کو ہمراہ لے جاتے تھے۔ مدینہ کے قریب جنگ احد ہوئی۔ وہاں مسلمانوں کی عورتیں اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کے لئے آگئی تھیں۔ ان امور سے اوس زمانہ کے حالات اور عورتوں کے خصوصیات کا بہت پتہ چلتا ہے۔

ایسی ہی امور سے جو حالات معلوم کئے گئے ہیں وہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں

جن لوگوں نے تاریخ اسلام کو بنظر غور دیکھا ہے۔ اور اس کے واقعات کو اون کے اسباب کے ساتھ ملا کر تاریخ اسلام کا تسلسل قایم کیا ہے اونپر واضح ہو گا کہ جناب رسول خدا کی رحلت پر سیاسی انقلاب ہی نہیں ہوا بلکہ معاشی و مذہبی انقلاب بھی نہایت سرعت کے ساتھ بہت وسیع پیمانہ پر ہوا۔ جناب رسول خدا کے رحلت تک مسلمانوں کی زندگی نہایت سادہ تھی اون کی ضرورتیں کم تھیں۔ غریبی و امیری کا فرق نہ تھا۔ اصحاب صفہ کی ایسی ہی قدر تھی کہ جیسے اور مسلمانوں کی۔ گانے والی پیشہ ور عورتوں کا نام و نشان نہ تھا۔ عورتیں باہر مقنع و چادریں آتی جاتی تھیں۔ لیکن مردوں کی محفل میں بیٹھکر اونسے شعر و شاعری کی لڑائیاں نہیں لڑتی تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ کے مکان دھوپ میں سوکھی ہوئی اینٹوں کے بنے ہوتے تھے اوپر سے مٹی کا پلاسٹر

ہوجاتا تھا۔ چھتوں پر کھجور کے پتے اور تنے ڈال دئے جاتے تھے۔ اس طرح
اسلام کی پہلی مسجد بنائی گئی تھی۔

مکانات یک منزلہ ہوا کرتے تھے۔ صحن وسیع رکھا جاتا تھا اور اس میں
کنواں ضرور ہوا کرتا تھا۔ جناب فاطمہ زہرا جو اپنے گھر کا پانی بھرتی تھیں وہ
اپنے ہی گھر کے کنوئیں سے بھرتی تھیں۔ صحن میں ایک چبوترہ بھی ہوتا تھا۔ تقریباً
یہ مہماں آ کر اوس پر بیٹھا کرتے تھے۔ اور ایسے موقعوں پر تمام گھر میں ریت بچھا
دی جاتی تھی مکان کا ایک ہی دروازہ ہوتا تھا۔ اندر کی طرف سے کچی دیواریں
کے ہوتے تھے لیکن اون میں کھڑکیاں نہیں ہوتی تھیں۔ اکثر لوگ اونٹ
یا گھوڑا گھر میں رکھتے تھے۔ اس کی جگہ مکان رہائش ہی میں ہوتی تھی۔ عام طور سے
ڈیوڑھی بڑی ہوتی تھی۔ اوس میں ہی وہ باندھ دیا جاتا تھا۔ اگر اونٹنی یا گھوڑی
ہوا کرتی تھی تو وہیں بچہ دیتی تھی۔ اون کی خدمت خاص طور سے کی جاتی تھی
چمڑے کا بڑا ٹکڑا ہوا کرتا تھا۔ اوس پر ہی اونٹ یا گھوڑے کو دانا کھلایا جاتا
تھا۔ جناب فاطمہ اور حضرت علی کے حالات میں روایت درج ہے کہ اس
چمڑے پر دن کو اونٹ کو دانا دیتے تھے۔ اور رات کو وہ ہی چمڑے کا ٹکڑا
بستر کا کام دیتا تھا۔

زمانہ جاہلیت میں اور اوس کے بعد اسلام میں بھی غلامی کا دستور عام تھا
عرب میں کیا بلکہ ساری دنیا میں غلامی کا دستور اجتماعی زندگی کا رکن اعظم تھا۔ اور
وہ لوگ جنھوں نے بنی نوع انسان کی معاشی زندگی کے مراحل کا بغور مطالعہ کیا ہے
وہ جانتے ہیں کہ رسوم و رواج اپنے زمانہ کی ضروریات زندگی سے پیدا ہوتی ہیں
اور آئندہ کے آنے والوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کہیں کہ فلاں زمانہ کی فلاں
رسم احمقانہ یا ظالمانہ تھی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جب کچھ عرصہ ہوجاتا ہے
زمانہ کے حالات بدل جاتے ہیں لیکن وہ رسوم و رواج اس وجہ سے کہ لوگ
اس کے عادی ہوگئے ہیں جاری رہتے ہیں۔ اور پھر اگر اون سے کوئی فریق

ناجائز فائدہ اوٹھانا چاہتا ہے تو وہ ظالمانہ بھی ہو جاتے ہیں اور اگر زمانہ بالکل ہی بدل جاتا ہے اور وہ رسوم و رواج پھر بھی جاری رہتے ہیں تو احمقانہ بھی نظر آنے لگتے ہیں۔ لیکن یہ قصور رسوم و رواج کا نہیں ہوتا بلکہ اون لوگوں کا ہوتا ہے جواب بغیر ضرورت کے بھی محض اپنے فائدہ کے لئے اون کو جاری رکھتے ہیں ایک وہ زمانہ تھا کہ غلامی نہایت ضروری تھی۔ حالات کا تقاضہ تھا کہ غلامی ہو قبائل اور قوموں کی نقل و حرکت مکانی لازمی تھی اور وہ بڑے پیمانہ پر جاری تھی ابھی بہت سے لوگ پر امن زندگی کے عادی نہیں ہوئے تھے۔ حالات ہی ایسے تھے کہ پر امن زندگی ناممکن تھی۔ ضروریات زندگی تصادم متواتر پر مجبور کرتے کہیں عورتیں کم تھیں۔ کہیں مزروعہ زمین کم تھی۔ کہیں پانی کافی نہ تھا کہیں چراگاہیں کافی نہ تھیں۔ یا اون کی سبزی ختم ہو گئی تھی۔ یا عورتیں بڑھتے ہوئے مردوں کے لئے کافی نہ تھیں۔ اندریں حالات بڑے بڑے قبائل اور قومیں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے پر مجبور ہو جاتی تھیں۔ بنو اسرائیل کی دشت نوردی اور حضرت ابراہیم کا نقل مکانی کر کے ملہ کو آباد کرنا جسکا قرآن شریف میں بھی ذکر ہے اس ہی قسم کی نو آبادی کی مثالیں ہیں جسکا تذکرہ ہمنے اوپر کیا ہے۔ اس قسم کی نقل و حرکت کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ دوسرے قبائل اور دوسری قوموں سے تصادم واقع ہوتا۔ یہ بڑے پیمانہ کی لڑائیوں کی ابتدا تھی چھوٹے پیمانہ کی لڑائیاں تو آپس میں پاس رہنے والے قبائل سے اکثر ہوا کرتی تھیں لڑائیوں میں عورتوں و مردوں کی گرفتاری لازمی تھی۔ اب سوال پیدا ہوا کہ ان بےشمار اسیران جنگی کا کیا جاوے۔ اگر اون کو آزاد کر دیتے ہیں تو پھر ایک دوسری لڑائی کا بیج بوتے ہیں سب کو یک قلم تہ تیغ کرنا اگرچہ کچھ عرصہ کے لئے زیر امتحان آیا لیکن بہترین حل ثابت نہ ہوا۔ خود اون قیدیوں نے تجویز پیش کی کہ ہم سب کو متفرق کر دو۔ ہم سے نہ اب تم کو کوئی ڈر نہ رہے گا۔ اور نہ خطرہ کا امکان ہوگا اور ہم تمہاری خدمت کریں گے تم ہم کو محض روٹی کپڑا دینا۔ اس مشکل کا

یہ ہی حل ہو سکتا تھا لہذا فریقین نے قبول کیا۔ یہ غلامی کی ابتدا تھی۔ اور اس زمانہ کے حالات کے زیر نظر بہت سی تکالیف کا یہ بہترین حل تھا۔ انسان کی ابتدائی کوشش رزق حاصل کرنا تھا۔ اوس زمانہ میں یہ ہی ایک کام تھا۔ اور مشکل کام تھا۔ اتنے پیشے نہ تھے اتنی مصنوعات نہ تھیں اتنے مشاغل نہ تھے اور اتنا روپیہ نہ تھا کہ سب لوگ متفرق کام کر کے اپنا گزارہ کرتے۔ وحشیانہ زندگی کا مرحلہ طے کرنے کے بعد تو پھر زراعت اور محض معمولی ضروریات جو زراعت کے لئے درکار ہوں انسان کی رزق حاصل کرنیکا ذریعہ رہ جاتے ہیں۔ اور یہ ہر ایک آدمی کے بس کی بات نہ تھی۔ لہذا اس غلامی کی وجہ سے ہزاروں خاندانوں کو رزق کی طرف سے اطمینان ہوگیا یہ بڑی بات تھی۔ گھر بھی مل جاتا تھا دشمنوں سے امن بھی مل جاتا تھا۔ اگر رحم دل اور عادل آقا کا خاندان مل گیا تو پھر کسی چیز کی تکلیف ہی نہ تھی۔

عورتوں کی شادی اپنے آدمیوں میں بھی ہو جاتی تھی اور بسا اوقات آقا اس کو اپنی ہم بستری کے لئے پسند کر لیتا تھا۔ مرد غلام اپنی زیرکی اور عقلمندی وحسن تدبیر سے خاندان میں بڑا رسوخ حاصل کر لیتا تھا۔ اور آقا کا دست راست ہو جاتا تھا۔ ایسی غلامی میں فرمائیے کیا ہرج ہے۔

وہ گھر نہایت آرام وخوشی سے زندگی گزارتے ہوں گے بہ نسبت آج کل کے متوسط الحال اور غریب لوگوں کے۔ غریب کو پیٹ بھر کے روٹی نہیں ملتی۔ پراگندہ روزی پراگندہ دل پریشان رہتا ہے۔ متوسط الحال لوگوں کو نوکر نہیں ملتے۔ سب آزاد ہیں۔ اور مادر وپدر آزاد ہیں کوئی کسی کی کیوں اطاعت کرے۔ اس زمانہ کی غلامی ایسی ہوتی تھی کہ جس کی نسبت کہا جا سکتا ہے

عقل اگر داند کہ دل دربند زلفت چوں خوش است
عاقلاں دیوانہ گردند از پئے زنجیر ما

لیکن اب زمانہ پلٹا کھاتا ہے۔ اور امراء و تجار غلاموں کی تجارت شروع

کر دیتے ہیں۔ اور اونسے زیادہ سے زیادہ روپیہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور کم سے کم اونپر خرچ کرتے ہیں۔ یہ وہی حالت ہے اور وہی ذہنیت ہے جو ہم روز دیکھتے ہیں۔ کس بیرحمی کے ساتھ یہ لوگ اپنے گاڑی کے گھوڑوں اور گدھوں اور ہل کے بیلوں سے کام لیتے ہیں۔ جب غلاموں کو جانور سمجھا جانے لگا تو واقعی غلامی بدترین ظالمانہ اور احمقانہ رواج کا نتیجہ ثابت ہوئی۔

اسلام نے اس کی اصلاح کی۔ اور بتایا کہ جس ابتدائی حالت میں غلامی شروع ہوئی تھی اوسی طرح اس کو رکھو۔ ورنہ چھوڑ دو۔ اسلام نے غلام اور لونڈیوں کی خرید و فروخت قطعاً بند کر دی۔ اگر کوئی کہے کہ اسلام نے اگر غلاموں کی خرید فروخت بند کر دی ہوتی تو بنو امیہ و بنو عباس کے زمانہ میں جو یہ تجارت عام ہو گئی ایسا نہ ہوتا۔ یہ تو وہی بحث ہے کہ اسلام نے شراب پینا اگر بند کر دیا ہوتا تو بنو امیہ و بنو عباس کے زمانہ میں شراب رائج نہ ہوتی۔ ظاہر ہے کہ یہ بحث غلط ہے اسلام نے کسی صورت میں بھی غلاموں کی خرید و فروخت کی اجازت نہیں دی۔ محض اون غلاموں اور لونڈیوں کی اجازت ہے جنکی نسبت کہا جا سکے کہ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔ جنپر تمہارے داہنے ہاتھوں یعنی تلوار چلانے والے ہاتھوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ قرآن شریف میں غلامی کا ذکر فقط ان ہی الفاظ سے ہوا ہے اسلام نے محض اسیروں کو قیدی بنانے کی اجازت دی۔ بلکہ اونکا فدیہ لینا بھی جائز نہیں فدیہ لیکر چھوڑنے میں یہی خرابی تھی کہ وہ دوبارہ اپنی قوم میں جا کر مسلمانوں سے انتقام لینے میں اور زیادہ سرگرم ہوتے۔ شارع علیہ السلام کو علم تھا کہ یہ ایک ایسا دستور ہے کہ بہت جلد امرار و تجار کی کوششوں سے برے نتائج پیدا کریگا۔ لہذا قران شریف میں اور فقہ اسلام میں غلام کو آزاد کرنا، تحریر رقبہ، ایک نیکی قرار دیا گیا کہ جس کا بدلہ و ثواب خدا کے یہاں ملیگا وہ لوگ جو زمانہ حال کے اثر میں آن کر کہتے ہیں کہ اسلام کے اصول زمانہ حال کے مطابق نہیں غور کریں کچھ عرصہ کے لئے قیدی تو بنا لو جب وہ تم میں گھل مل

جائے۔ تم کو اس کی طرف سے اطمینان ہو جائے تو اسے آزاد کر دو۔ اس طرح وہ آزاد بھی ہو گئے۔ اور تمہارے خیر خواہوں کی ایک جماعت بھی بن گئی۔ یہ سلوک بہتر ہے یا وہ سلوک بہتر ہے جو آجکل دشمنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ وہ کیا کرتے ہیں۔ ہم بتاتے ہیں کہ کیا کرتے ہیں۔ لڑنے والوں کو تو دور سے گولوں اور بموں سے نیست و نابود کر دیتے ہیں یہ ایسا ہی ہوا کہ جیسا سب قیدیوں کو ایک لائن میں اکٹھا کر کے تہ تیغ کر دیا۔ یہ بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔ بلکہ گھروں میں بیٹھے ہوئے عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو بموں سے اڑایا جاتا ہے کھیتی برباد کی جاتی ہے۔ عمارتوں، ملوں، باغوں، سڑکوں اور کھیتوں کو برباد برباد کیا جاتا ہے۔ اور اس کا نام Scorch Earth Policy رکھا جاتا ہے۔ یہ تو سب کچھ اچھا کیونکہ زمانہ حال میں ہوتا ہے اور وہ غلامی جس میں آقا اور خادم میں فرق نہ ہو وہ بری کیونکہ گزرے ہوئے زمانہ کی بات ہے خدا اس ذہنی اور تعلیمی غلامی سے بچائے۔ اسلام نے غلامی کی وہ مبالغہ آمیز نیرنگیوں کو منع کر دیا جو ثروت و دولت و غرور و پندار کا نتیجہ تھیں اور ان اچھائیوں کو لے لیا جو اجتماعی زندگی کی جان تھیں۔ اگر آنحضرت کے زمانہ کی وہ سادہ زندگی اور غلامی آج تک موجود رہتی تو وہ بدرجہا بہتر تھی اس فیشن ایبل مصیبت سے جس میں سے ہم گزر رہے ہیں۔

اگرچہ اس زمانہ میں لونڈی غلاموں کا رواج تھا لیکن مکہ و مدینہ میں ان کی تعداد بہت کم تھی۔ آنحضرت کے زمانہ میں صرف ایک یا دو لڑائیوں میں لونڈی غلاموں کا حاصل ہونا پایا جاتا ہے۔ لیکن کسی روایت سے ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت علی کے پاس کوئی لونڈی اور سوائے قصہ کے بھی اور قصہ فتح خیبر کے بعد آئی تھیں یمن کی سریہ پر جب حضرت علی سنہ ہجری کے اخیر میں بھیجے گئے تو وہاں کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدیوں میں سے ایک لونڈی حضرت علی نے اپنے لئے منتخب کی تھی جس پر حضرت خالد بن ولید

کے اشارے سے چار آدمیوں نے واپس آکر آنحضرت سے شکایت کی آنحضرت کا چہرہ غصہ کے مارے لال ہوگیا۔ اور آپ نے حدیث ولایت سے اون شکایتوں کو جواب دیا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ جو لونڈی یا غلام حضرت علی کے حصہ میں آتا تھا اوس کو بہت جلد آزاد فرما دیتے تھے کیونکہ لونڈی غلاموں کا آزاد کرنا اسلام میں کار خیر سمجھا جاتا ہے۔ بہرصورت حضرت فضہ کے علاوہ زمانۂ حیات جناب فاطمہ میں کسی اور لونڈی کا نام نہیں آتا۔ لہٰذا ہم اصول تاریخ نویسی کو مدنظر رکھکر یہ نہیں کہہ سکتے کہ فضہ کے علاوہ اور بھی کوئی لونڈی جناب فاطمہ کے پاس تھی۔ حضرت فضہ فتح خیبر کے بعد آئی ہیں اور جناب رسول خدا نے یہ حکم دیا تھا کہ ایک دن گھر کا کاروبار فضہ کیا کرے اور ایک دن جناب فاطمہ کیا کریں۔ غلامی میں یہ عدل تھا۔ وہ روایت نہایت صحیح اور مسلمہ فریقین ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ کو گھر کا سارا کام کرتے ہوئے دیکھکر اور اون کی اذیت کو ملاحظہ فرما کر حضرت علی نے جناب فاطمہ سے فرمایا کہ کیا اچھا ہوتا کہ تم اپنے والد سے ایک لونڈی مانگ لیتیں اب تو وہاں لونڈیاں آنے لگی ہیں۔ اس درخواست کا جواب دربار رسالت سے یہ ملا کہ میں تم کو ایک ایسی بات کیوں نہ بتادوں جو لونڈی اور غلاموں سے بہتر ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ فرمائیے۔ آنحضرت نے اسپر وہ تسبیح تعلیم فرمائی جو تسبیح فاطمہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس روایت کو ابن حجر نے الاصابہ میں اور حاکم نے مستدرک میں بیان کیا ہے۔ اندریں صورت ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضرت علی کے یہاں لونڈیاں اور غلام ہوا کرتے تھے۔

غرض کہ یہ متواتر روایات سے ثابت ہے کہ جناب فاطمہ خود ہی گھر کی جھاڑو دیتی تھیں۔ پانی بھرتی تھیں۔ چکی پیستی تھیں۔ آگ روشن کرکے روٹی پکاتی تھیں۔ (اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص ۲۸۷) بچوں کو پالنا اور خداوند تعالیٰ کی عبادت کرنا خاوند کے آرام کے اسباب مہیا کرنا یہ اوس کے علاوہ تھا

یہ بیان نامکمل رہے گا اور جناب فاطمہ علیہا السلام کی طرز رہایش اور فرض شناسی
کی اہمیت کا کما حقہا اندازہ نہ ہو سکے گا۔ اگر ہم اوس معاشرتی اور سماجی
انقلاب کا ذکر نہ کریں جو آنحضرت کی رحلت کے بعد فوراً ہی دنیائے اسلام میں
رونما ہو گیا۔ اور اوسنے چشم زدن میں اسلامی طرز رہایش اور طرز تخیل کو ادہر سے
اودہر پلٹا دیدیا۔ اپنے دنیاوی مفاد کے خاطر اصول عدل و انصاف کو نظر
انداز کرنے اور قرآن شریف کو پس پشت ڈالنے کا سبق جو سقیفہ میں اور مقدمہ
فدک کے فیصلہ کرنے میں امت کو پڑھایا گیا اوس نے ایک ذہنی انقلاب عظیم
پیدا کر دیا اور لوگوں کا مطمح نظر ہی بدل گیا سیاسی ضرورتوں کی وجہ سے جو حکومت
جو آنحضرت کے بعد قایم ہوئی وہ اس امر پر مجبور ہو گئی کہ لوگوں کو باہر لڑائیوں پر
بھیجا جاوے تاکہ اون کی نکتہ چینی سے حکومت محفوظ رہے اور مال غنیمت جو
آوے اوس سے سیاسی طرفداروں کی جماعت کی توسیع ممکن ہو سکے اور لوگوں
کے دلوں میں ارکان حکومت کی محبت و انسیت پیدا ہو جاوے۔ یہ وجوہات
چند در چند جنکا ذکر ہم اجمالاً کریں گے اور جو ہر ایک تاریخ کی کتاب میں تفصیل سے
درج ہیں مملکت ایران اور سلطنت روم دونوں نہایت سرعت کے ساتھ
عربوں کے قدموں میں گر پڑیں۔ اور ایسی سرعت کے ساتھ گریں جو تیرہ صدیوں کے
فاصلہ سے ایک معجزہ نظر آتا ہے لیکن اس فتح و شکست کے اسباب غور کرنے
والوں کے لئے بالکل عیاں ہیں۔ بہر صورت ان فتحیابیوں سے تین نہایت
بڑے انقلابات رونما ہوئے۔ وہ انقلابات (۱) سیاسی (۲) مذہبی اور
(۳) معاشرتی تھے۔ پہلے ہم مذہبی انقلاب کا ذکر کرتے ہیں۔ ابھی ان نومسلموں کے
دل میں اسلام نے جڑ نہیں پکڑی تھی اور انھوں نے کافی مدت تک اسلامی اصولوں
کو زیر عمل نہیں دیکھا تھا۔ اسلامی فلسفہ سے ناواقف تھے۔ کہ دوسرے
ممالک میں مختلف تخیل سے تصادم ہو گیا۔ اور مختلف فلسفہ کو زیر عمل دیکھا۔
وہ مذاہب صدیوں سے بنی نوع کے دماغ پر حاوی تھے اور اون کے اصول

ان لوگوں کے روز آنہ زندگی کے معمول بن گئے تھے۔ ایران و یونان و روم یہ تینوں نہایت مہذب ممالک تھے اور اپنے اپنے مذاہب کو انہوں نے اسطرح عقلی فلسفہ کا جامہ پہنایا ہوا تھا کہ عرب کا سادہ لوح مسلمان جو کل کی بات ہے کہ اس ہی کفر میں مبتلا تھا اور جس کو ایران و یونان کے دور دراز ممالک میں اپنا ہی پورا تخییل کار فرما نظر آیا فوراً ان کی طرف جھک گیا اور اس زرق برق جامہ کے اندر کی زمین نہ دیکھ سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فاتحان عرب اپنے مفتوح اقوام کی تخییل سے اس طرح مغلوب ہو گئے جس طرح فاتحان روم اپنے مفتوح یونانیوں کے تخییل و فلسفہ سے مغلوب ہو گئے تھے۔ اور اس طرح اسلامی فلسفہ کی خصوصیات ہمیشہ کے لئے مٹ گئیں ان مسلمانوں نے اپنے اسلام کو یونان کے فلسفہ کی کسوٹی پر کسنا اور پرکھنا شروع کیا۔ اور جہاں مخالفت دیکھی وہاں کسی نہ کسی استدلالی بہانہ سے اسلامی اصول کو چھوڑ کر یونانی فلسفہ کو معرب کر کے اختیار کر لیا۔ فلسفہ بری چیز نہیں ہے اگر فلسفہ کے معنی عقل سلیم کے ساتھ غور و فکر کرنے کے ہیں۔ لیکن الوہیت کے فلسفہ میں صفات الہیہ ہی بڑی چیز ہیں۔ اور یہ ہی وہ صفات ہیں جنکا تخییل ایک مذہب کو دوسرے مذہب سے ممیز کرتا ہے ورنہ خدا کو تو تقریباً ہر مذہب مانتا ہے یونان کی فلسفہ الوہیت میں صفات الہیہ کا تخییل کوہ اولمپیس کے بے حیا ظالم، شہوت سے مغلوب زانی و حاسد خداؤں کے افعال ناشائستہ پر مبنی تھا۔ اور جو فلاسفر ان کہ ان خداؤں کی حرکات سے بیزار ہو گئے تھے اونہوں نے اپنے فلسفہ کی بنیاد الحاد پر رکھ لی ایسے فلسفہ کو اسلام کے فلسفہ الوہیت سے کیا تعلق جس میں خدا کی یہ صفات بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) خدا ایک ہے۔ اوس کے علاوہ کوئی اور خدا ہی نہیں۔

(۲) نہ کوئی اس کا شریک ہے اور نہ کوئی بیٹا ہے۔ اور نہ زوج ہے۔

(۳) ارض و سما میں جو کچھ ہے سب اوس کے مطیع ہیں۔

(۴) کوئی اوس سے اس کے اذن کے بغیر شفاعت نہیں کر سکتا۔

(۵) نہ کبھی اوسے نیند آتی ہے اور نہ وہ تھکتا ہے۔

(۶) ارض و سما کا انتظام وہ ہی کرتا ہے۔

(۷) ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔

(۸) علام الغیوب ہے۔

(۹) لوگوں کے دلوں کے سرائر سے آگاہ ہے۔

(۱۰) جو کہ دنیا میں ہو رہا ہے سبزہ اگتا ہے۔ مینہ برستا ہے طوفان آتے ہیں سب اوس کے حکم ہی سے ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

یہ بات یونانی فلسفہ کی سمجھ میں نہ آئی۔ اور کیونکر آتی اون کے یہاں تو خداؤں کا تخیل یہ تہا کہ ایک خدا دوسرے خدا کی زوجہ پر عاشق ہو جاتا ہے اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔ وہ آگے آگے بہاگتی ہے۔ بہاگتے بہاگتے گائے بن جاتی ہے کہ شاید چھٹکارا ہو جائے لیکن اوس کا عاشق خدا سانڈ بن جاتا ہے اور اپنی ہوس پوری کرتا ہے۔ اون کا فلسفہ الوہیت ان صفات الٰہیہ پر مبنی تہا۔ آگے جو بڑھے تو الحاد کی طرف چلے گئے۔ اور اپنے فلسفہ کو ایسے الفاظ میں بیان کیا کہ مسلمان سمجھے کہ جو یہ کہتے ہیں وہ درست ہے بظاہر تو اسلام کو نہ چھوڑا لیکن صفات الٰہیہ میں تغیر و تبدل کرنا شروع کر دیا۔ اور خدا کو انسانی جذبات و خواہشات رفتہ رفتہ عطا کر دیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام میں ایرانی کفر، یونانی الحاد اور رومانوی سہ خدائیت کسی نہ کسی شکل میں آ گئی شاعر نے خوب کہا ہے

؎ برافگن پردہ تا معلوم گردد کہ یاراں دیگرے را می پرستند

اور تقدیر و تدبیر اور انسانی قیاس پر غور کرتے کرتے اسلام میں ایسے اصول داخل کر دئے جو بالکل خالص اسلام کے خلاف تھے۔ زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں یہ مذہبی انقلاب تھا۔ جو شخص اس مضمون کو تفصیل کے ساتھ دیکھنا چاہتا ہو وہ ہماری کتاب اَلتَّفْرِیْقُ وَالتَّحْرِیْفُ فِی الْاِسْلَامِ کا مطالعہ کرے اوس زمانہ کے صحابۂ کرام خود محسوس کرنے لگے کہ ہمارا مذہب مسخ ہو کر اسلام سے بہت دور چلا گیا چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔ انس بن مالک سے روایت ہے انھوں نے

کہاکہ میں کوئی شئے بھی ایسی نہیں پاتا جیسی کہ نبی صلعم کے عہد میں دیکھتا تھا۔ لوگوں نے کہاکہ نماز تو ہے۔ انس بن مالک نے کہاکہ نماز ہاں کیا تم نے نماز کے اندر ایسے تصرفات نہیں کیے جو تم نے جان بوجھ کر کیے ہیں [۳۱]

دوسری روایت میں ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے زہری سے سنا ہے وہ کہتا تھا کہ میں انس بن مالک کے پاس دمشق میں گیا اور اس کو دیکھا کہ وہ رو رہا تھا میں نے دریافت کیا تمہیں کیا چیز رلا رہی ہے۔ انس نے جواب دیا کہ اب مجھے کوئی وہ بات نظر نہیں آتی جو میں رسول صلعم کے زمانہ میں پاتا تھا سوائے اس نماز کے سو وہ بھی ضایع کر دی گئی [۳۲]

ایک اور صحابی ابو درداء بھی یہی فرماتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے۔ درداء کی والدہ کہتی ہیں کہ میں ایک دن ابو درداء یعنی والد درداء کے پاس آئی تو دیکھا کہ وہ سخت غضبناک ہو رہے تھے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کو کس بات کی وجہ سے غصہ آیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں امت محمدی میں کوئی چیز بھی عہد رسول کے مطابق نہیں پاتا صرف یہ کہ ساتھ ملکر نماز پڑھ لیتے ہیں۔

صحیح بخاری میں عمران بن حصین سے روایت ہے راوی کہتا ہے کہ عمران نے حضرت علی کے ساتھ بصرہ میں نماز پڑھی اور عمران نے کہا کہ اس آدمی (علی) نے ہم کو وہ نماز یاد دلائی ہے جو ہم رسول اللہ کے ساتھ پڑھتے تھے [۳۳]

یہ روایت بخاری میں دو سلسلہ رواۃ کے ساتھ مروی ہے [۳۴]

فتح الباری میں شرح میں ان دونوں حدیثوں کی توثیق و تصدیق کی گئی ہے۔

غرض کہ ہم نے صحیح بخاری جیسی اصح الکتب سے ثابت کر دیا کہ آنحضرت کی نماز میں تحریف کی گئی تھی۔ لوگ اس کو بھول چکے تھے۔ اصول و عقاید دین میں

---

[۳۱] صحیح بخاری مطبوعہ مصر کتاب مواقیت الصلاۃ ص۱۰۰۔ [۳۲] صحیح بخاری مع مصر الجزء الاول کتاب الاذان

جو تحریف و تبدیلی کی گئی اس کو تفصیل سے ہم نے کتاب التنقید تحریف فی الاسلام میں بیان کیا ہے۔

اب ہم معاشرتی انقلاب کا ذکر کرتے ہیں۔

یہ انقلاب براہ راست نتیجہ تھا ان فتوحات کا جو خلافت صدر اول میں سیاسی انقلاب کی وجہ سے شروع کی گئی تھیں۔ ان فتوحات کا مذہب پر جو اثر پڑا ہے وہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ اسلامی معاشرت پر بھی اون کا اثر ایسا ہی تخریبی ہوا۔ ان کی وجہ سے مال غنیمت بہت زیادہ آیا۔ لونڈی غلام بہت تعداد میں آئے اور دوسری اقوام سے جو تعلقات پیدا ہوئے تو اون کی معاشرت مسلمانوں نے اختیار کر لی۔ لونڈیوں اور غلاموں کی وجہ سے بھی ان کی طرز رہائش و معاشرت میں نمایاں تبدیلی ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ عیش و عشرت میں رہنے لگے۔ زندگی کی سادگی جو اخلاق و مذہب کی جان ہے یک لخت معدوم ہو گئی۔ مکہ و مدینہ میں گانے والیوں اور رقص کرنے والیوں کا مجمع ہو گیا۔ روم و ایران سے شراب و رقاصہ آنے لگیں۔ کچی اینٹوں کی بجائے سنگ مرمر و سنگ موسیٰ کے مکان یک لخت شروع ہو گئے۔ لوگوں کے پاس بے شمار دولت ہو گئی۔ جس پر حکومت کی نظر التفات ہو گئی وہ ہی لکھ پتی بن گیا اور نظر التفات بنی تھی اوس کی خدمت سیاسیہ پر اور خدمت سیاسیہ یہ تھی کہ حکومت کو مضبوط کیا جاوے اور اصلی حقداران حکومت کو لوگوں کی نظروں سے گرایا جاوے اور ان کو اوٹھنے نہ دیا جاوے اس پالیسی کے تحت جس نے جو مانگا وہ جاگیریں اسے دیں[۴۴] جس نے دعویٰ کیا اوسے بغیر تحقیقات اور احادیث کی تلاش کے لپیں بھر بھر کے زر و جواہرات مال غنیمت میں سے دئیے[۴۵] ہم فدک کے بیان میں معلوم کریں گے کہ محض اون کے کہنے پر جابر بن عبداللہ کو لپیں بھر بھر کے زر و جواہرات دئیے۔

---

[۴۴] فتح البلدان بلاذری ص ۲۶ [۴۵] صحیح بخاری۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب جمع القرآن الجزء الثالث ص ۱۵۰

اور ایک غلام کے کہنے پر اس کا نان و نفقہ مقرر کیا گیا اور پھر جہاں اونٹنی مانگی
جاگیر دی دیکھو نوٹ ۱۲۵ اور ۱۲۶
سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار نے حضرت ابوبکر کے خلیفہ ہونیکی سخت مخالفت کی تھی
لیکن زید ابن ثابت باوجود انصار ہونیکے حضرت ابوبکر کے ساتھ آنکر مل گئے
اور سب سے پہلے انہوں ہی نے حضرت ابوبکر سے بعیت کی۔ اب ان کو جو صلہ
دیا گیا وہ ملاحظہ ہو۔ باوجود صغیر السن ہونیکے جمع قرآن کی خدمت ان کے سپرد
کی گئی اور ان کو جامع القرآن کمیٹی کا صدر بنایا گیا[۳۵] جب آنحضرت نے مکہ
سے مدینہ ہجرت فرمائی ہے تو حضرت زید ابن ثابت کی عمر گیارہ سال کے قریب تھی
گویا آپ کی پیدائش سے پہلے نزول قرآن شروع ہو گیا تھا۔ اور ابھی زمانہ
طفولیت ہی تھا کہ تین چوتھائی قرآن نازل ہو چکا تھا۔ جمع قرآن کی خدمت
ان کے سپرد کی جاتی ہے اور حضرت علی کو چھوڑا جاتا ہے جنکی نسبت جناب
رسول خدا بار بار فرما چکے تھے کہ علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ
ہے۔ جب جامع قرآن کمیٹی مقرر ہوئی تو یہ اوس کی صدر تھے[۳۶] اس ضمن میں
علامہ ابن عبدالبر کی مندرجہ ذیل عبارت قابل غور ہے۔

قال ابو عمر رحمتہ اللہ کان عثمان یحب زید بن ثابت وکان زید عثمانیا ولم یکن فیمن شہد شیئاً من مشاھد علی مع الانصار	حضرت عثمان کو زید بن ثابت سے بہت محبت تھی اور زید حضرت عثمان کی پارٹی میں تھا۔ اور حضرت علی کے ساتھ ایک لڑائی میں بھی نہیں شامل ہوا۔

زید ابن ثابت نہایت غریب خاندان سے تھے۔ لیکن جب ان کا انتقال
ہوا ہے تو ان کی دولت و ثروت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بوقت تقسیم

---

۳۶ صحیح بخاری۔ کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن الجزالثالث ص ۱۵۰
جلال الدین السیوطی کتاب الاتقان الجزالاول ص ۵۹
۳۷ حافظ ابو عمر یوسف المعروف بابن عبدالبر۔ کتاب الاستیعاب الجزالاول ص ۱۹۴ ترجمہ زید ابن ثابت
۳۸ مروج الذہب مسعودی الجزالثانی ص ۲۲۳

ترکہ اون سبکے پاس اتنی سونے اور چاندی کی اینٹیں تھیں کہ وارثوں میں کلہاڑیوں سے توڑ کر تقسیم کی گئیں۔ یہ اوس کے علاوہ ہے جو اونھوں نے بصورت نقد اور جاگیر چھوڑا وہ سب ملا کر یک صد ہزار دینار (سونے کی اشرفی) کی قیمت کے تھے۳۸ اس دولت و ثروت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل ثروت کی ایک جماعت بن گئی جنھوں نے بہت جلد حکومت کو اپنے زیر اثر کر لیا - اوس زمانہ میں عہدۂ قضا بہت بڑا سمجھا جاتا تھا حضرت عمر اس حکم کے صادر کرنے پر مجبور ہو گئے کہ عہدۂ قضا صرف اہل ثروت کو دیا جائے - جو شخص صاحب ثروت نہ ہو وہ قاضی نہ مقرر کیا جاوے بلکہ اون کی غریبی اور مفلسی کی بنا پر عبد اللہ ابن مسعود کو فصل قضایا سے روک دیا دیکھو الفاروق مولوی شبلی حصہ دوم صفحہ ۵۹، ۶۰ - اس کا یہ جواب کافی نہ ہوگا کہ غریب آدمی کو رشوت لینے کی ترغیب زیادہ ہوتی ہے - حضرت شبلی خود لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے قاضیوں کی تنخواہ بہت زیادہ مقرر کی تھی - تاکہ بالائی آمدنی کی ضرورت نہ رہے۳۹ - کیا خیال کیا جا سکتا ہے کہ باوجود اس کے عبد اللہ ابن مسعود جیسے صحابی پھر بھی رشوت لیتے - اگر لیتے تو پھر حدیث نجوم کو کیا ہوا انتخاب خلیفہ کے وقت اس جماعت امرار کا اثر حکومت پر بہت اچھی طرح نمایاں تھا - حضرت عمر نے چھ آدمی چنے جن میں سے خلیفہ منتخب ہونا تھا - حضرت علی کو تو محض بنو ہاشم کا منہ بند کرنے کے لئے شرما شرمی لیا تھا - اون میں ایسے ممبران تھے اور اون کو ایسی ہدایات دی گئی تھیں کہ حضرت علی تو خلیفہ ہو ہی نہیں سکتے تھے - باقی پانچ آدمی حضرت عثمان، عبد الرحمن ابن عوف، زبیر بن العوام، طلحہ بن عبد اللہ اور سعد بن ابی وقاص سب صاحب دولت و ثروت تھے حضرت عثمان جس دن قتل ہوئے ہیں اوس دن ان کے خزانہ میں

---

۳۹ الفاروق حصہ دوم صفحہ (۶۷)

ایک صد پچاس ہزار دینار، دس لاکھ درہم تھے۔ اور وادی القری و حنین میں جو ان کی جاگیریں تھیں ان کی قیمت ایک صد ہزار دینار تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے بے شمار گھوڑے اور اونٹ چھوڑے تھے۔

زبیر بن عوام نے ایک عالیشان محل بصرہ میں ایسا مضبوط بنایا تھا کہ جو مورخ مسعودی کے زمانہ (۳۳۲ھ) میں موجود تھا اور اس میں تجار اور اہلِ دول ٹھہرتے تھے ایسے ہی محل انہوں نے مصر و کوفہ و اسکندریہ میں بنائے تھے۔ اپنی وفات پر انہوں نے پچاس ہزار دینار، ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ چھوڑے تھے۔ ان کے ایک ہزار غلام تھے جو ان کو خراج دیتے تھے۔

عبدالرحمٰن ابن عوف نے اپنی وفات پر ایک ہزار اونٹ دس ہزار بکریاں اور ایک صد گھوڑے چھوڑے تھے اور جب مرنے لگے تو بہت روتے تھے، لوگوں نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ مصعب بن عمیر مجھ سے بہتر تھے۔ ان کا انتقال زمانہ رسولخدا میں ہوا تھا اور اتنا بھی نہ چھوڑا کہ ایک کفن کے لیئے کافی ہوتا۔ حمزہ بن عبدالمطلب مجھ سے بہتر تھے اور انھوں نے اتنا بھی نہ چھوڑا کہ کفن تو ہو جاتا۔ مرنے وقت ان کی چار بیبیوں میں سے ہر ایک کو ۸۴ ہزار دینار ملے تھے۔

مقابلہ کیا آپ نے جناب رسولخدا کے زمانہ کی عزبت کا اور حضرت عمر اور حضرت عثمان کے زمانہ کی ثروت کا۔

طلحہ بن عبیداللہ نے ایک نہایت عالیشان محل کوفہ میں بنوایا تھا جو مسعودی مورخ کے زمانہ تک بہت مشہور تھا اور موجود تھا۔ مدینہ میں بھی ایک ایسا ہی محل بنایا تھا۔ صرف عراق سے ان کی روزانہ ایک دن کی آمدنی ایک ہزار دینار تھے۔

سعد ابن ابی وقاص نے وادی عقیق میں ایک عالیشان محل بنایا تھا اس

مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی صہ ۲۲۲ الاستیعاب جلد اوّل صہ ۲۰۸

الاستیعاب جلد دوم صہ ۴۰۳

مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی صہ

کی چھت بہت اونچی تھی اور اس میں بہت زینت تھی[۴۲]

بہت سے صحابہ کرام اس جماعت اہل دول میں شامل تھے۔ مثلاً یعلی بن امیہ اور مغیرہ ابن شعبہ وغیرہما۔ یعلی بن امیہ نے مرتے وقت پانچ لاکھ دینار سرخ نقد چھوڑے اور ان کا دیگر ترکہ اس کے علاوہ ایک لاکھ دینار سرخ کی قیمت کا تھا[۴۳]

مغیرہ ابن شعبہ کی حالت سنئے۔ ابن نافع کہتے ہیں کہ مغیرہ ابن شعبہ نے اسلام میں داخل ہونے کے بعد تین سو عورتوں سے نکاح کیا۔ ابن وضاح کہتا ہے کہ ابن نافع نے کم بیان کیا اس نے ایک ہزار عورتوں سے نکاح کیا[۴۴] صرف امیر الامراء ہی اس خرچ کو برداشت کر سکتے ہیں۔ سرمایہ داری اور اس کا رسوخ اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ جو لوگ سرمایہ داروں کو ان کی ثروت کے خلاف منہ سے کچھ کہتے تو ان کو عبرتناک سزائیں ملتی تھیں۔ ابوذر غفاری کا معاملہ عیاں ہے کہ جن کو حضرت عثمان نے اس وجہ سے سزا دی اور جلاوطن کیا کہ انھوں نے ثروت و دولت اندوزی کے خلاف امراکو ان کے منہ پر ملامت کی تھی اور حضرت عثمان سے بھی صاف کہدیا تھا[۴۵]

اس واقعہ کو ہم نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب البلاغ المبین حصہ دوم ص ۱۶۸۵ پر بیان کیا ہے۔

ان فتوحات کے ذریعہ سے دولت ہی تنہا نہیں آئی بلکہ ایران، روم و یونان کے لوگوں سے اختلاط کرنے کی وجہ سے اور ان کے حالات معلوم ہونے کی وجہ سے مسلمانوں نے ان لوگوں کے ان تمام ناجائز و عیش پرستی کے طریقوں کو سیکھ لیا جو انہوں نے دولت کے استعمال کرنے کیلئے ایجاد کئے تھے۔ مکہ و مدینہ میں رقص و سرود عام ہو گیا روم اور شام سے شراب اور ایران سے رقاصہ آنے لگیں۔ مکانات سنگ مرمر و سنگ موسیٰ کے بننے لگے۔ رہائش میں تکلف آگیا۔ سادگی مفقود ہو گئی۔ یہ امر غور کے قابل ہے کہ یہ وہ زمانہ روم و ایران و یونان کے تنزل و انحطاط کا زمانہ

---

[۴۳] مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی ص ۲۲۳ [۴۴] ابن عبد البر: الاستیعاب الجزء الاول ص ۲۵۹ ترجمہ مغیرہ ابن شعبہ [۴۵] جرجی زیدان: اردو ترجمہ تاریخ تمدن اسلامی حصہ دوم ص ۱۵

تھا وہ زمانہ تھا کہ جب ان ممالک میں عیش و عشرت عام ہو گئی تھی ۔ دولت کا استعمال سوائے مصارف عیش و عشرت لہو ولعب مہیا کرنے کے اور کچھ نہ تھا۔ اس تنزل و انحطاط کے زمانہ کی تہذیب و طرز رہائش تھی جو ان فتوحات کے ذریعہ سے مسلمانوں میں داخل ہوئی اور جس کی نقل انھوں نے نہایت شوق سے کی۔ اُس زمانہ کی عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر امیر علی لکھتے ہیں۔ ترجمہ "مدینہ کی عورتیں بہت اچھا گاتی تھیں اور مورخین کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ شہر کا گشت کرنے نکلتے تھے تو اکثر ان عورتوں کا گانا سننے کے لئے ٹھہر جاتے تھے" ۴۵ مسٹر امیر علی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کے تخت پر بیٹھتے ہی مکہ میں شراب خوری، جوا بازی اور زنا عام ہو گئے خود ان کے بھتیجے نے مکہ میں ایک قمار خانہ جاری کیا تھا اور ایک عورتوں کی محفلیں آراستہ کر کے ان کو عشقیہ گانا سنانا عام ہو گیا ۴۶ حضرت عمرؓ کے زمانہ کی آمدنی خراج کا ذکر کرنے کے بعد مسٹر فلپ کے ہٹی لکھتے ہیں۔ (ترجمہ اردو)

"اس قدر دولت کی فراوانی کی وجہ سے دونوں مقدس شہروں یعنی مکہ و مدینہ کا تقدس بہت کم ہو گیا ۔ وہ دنیاوی عیش و عشرت کے مرکز اور عرب کی عشقیہ شاعری کے گھر بن گئے ۔ مکہ میں ایک قسم کے کلب گھر بن گئے ۔ جہاں شہر کے عمائد آن کر شطرنج، جوا کھیلا کرتے تھے اور کتابیں پڑھتے تھے۔ مدینہ میں ایرانی اور رومی لونڈیاں زیادہ سے زیادہ تعداد میں آنے لگیں، عشقیہ شاعری ان مشاغل کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی گئی ۔ قحبہ خانے مدینہ میں کثرت سے قائم ہو گئے۔ جہاں عمائدِ شہر جایا کرتے تھے، وہاں یہ حسین اور نوجوان عورتیں زرق برق کے دلاویز لباس پہنکر اپنے مہمانوں کو گانا سنا کر اور رقص دکھا کر محظوظ کرتی تھیں اور وہ مہمان مختلف رنگوں کے ریشمی کپڑے پہنے ہوئے گاؤ تکیہ سے لگ کر عیش و عشرت کی مسحور

---

۴۵ Amir Ali: History of the Saracens Chapt VI p. 67

۴۶ Hitti: History of the Arabs 4th Ed. Chapter XX. P. 237

فضا میں (دوزخ کو بھولے ہوئے جنت سے بے پرواہ) ان کے حسن و جمال و سریلی آواز کا مزا لیتے تھے اور شام کی شراب جام و مینا میں چھلکتی ہوئی ان کے آگے آتی تھی اور وہ اس کو پیتے جاتے تھے اور اس کے سرور میں ان کی خوشی کا پیمانہ بہت لبریز ہو جاتا تھا، مکہ و مدینہ و طائف میں اس قسم کی عورتوں کے بے شمار مکانات تھے[۴۶]

آپ نے دیکھا جناب رسولخدا کے زمانہ کی سادہ اور مذہبی زندگی کتنی جلدی پر تکلف عیش و عشرت و لامذہبیت کی زندگی سے بدل ہو گئی۔ ایسے عظیم الشان اور معاشرتی انقلاب کا اتنے قلیل عرصے میں رونما ہونا ایک ایسا محیر العقول کارنامہ ہے جس کی نظیر تاریخِ عالم میں ابتدائے آفرینش سے اب تک نہیں ملتی۔ وہ لوگ جن کی آنکھیں سرعتِ فتوحات سے خیرہ ہو جاتی ہیں ذرا اس انقلاب پر بھی نظر ڈالیں، یہ ان ہی فتوحات کا نتیجہ تھا جس کی یہ لوگ اتنی تعریف کرتے ہیں۔ ان فتوحات کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں دولت اور ثروت بہت زیادہ بڑھ گئی اور اس دولت و ثروت کی فراوانی نے سرمایہ داری کے وہ سارے عیوب مسلمانوں میں پیدا کر دیئے جو ہمیشہ سے بنی نوع انسان کے جسم میں سرطان دائمی کی طرح اس کے نشو و نما میں حارج رہے ہیں۔ جب ہی تو جناب رسولخدا دولت و ثروت کی فراوانی کو برا سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جس چیز سے میں اپنے بعد تمہارے لیئے ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تمہارے اوپر دنیاوی دولت و وجاہت کے دروازے کھل جائیں گے[۴۷]

یہ معاشرتی اور مذہبی انقلابات صریحی نتیجہ تھے اس سیاسی انقلاب کے جو آنحضرت کی رحلت والے دن سقیفہ بنی ساعدہ میں رونما ہوا۔ خاندانِ رسالت میں سے حکومت کو چند آدمیوں کے ذریعہ سے نکالنے کے کئی نہایت خطرناک

---

[۴۷] صحیح بخاری: کتاب الجنائز باب الصلاۃ علی الشہید الجزء الاول ص ۱۶۱ مسند احمد حنبل الجزء الثالث ص ۹۱ الجزء الخامس ص ۱۲۸

نتائج پیدا ہوئے جن میں سے چند یہ ہیں۔
(۱) چونکہ وہ حکومت جو سقیفہ بنی ساعدہ میں فوری جوش کی بنا پر قائم کی گئی تھی حق دار خلافت نہ تھی اور نہ اس کی اہل تھی لہذا اصلی حق داران خلافت کو ظلم و زیادتی کے ذریعہ سے ہمیشہ مغلوب رکھنا اس حکومت کا پہلا مقصد ہوا اور اس سے ان ظلموں اور زیادتیوں کا سلسلہ جاری ہوگیا جو آلِ رسول پر ابتدائے خلافت سے انتہائے خلافت تک جاری رکھے گئے۔
(۲) اس حکومت کے لیئے لوگوں کو ہمیشہ خوش رکھنا ضروری ہوا۔ لہذا تقسیم انعامات و جاگیرات لوگوں کے استحقاق کے بنا پر نہ ہوئے بلکہ ان کی خدمتِ سیاسیہ کی بنا پر ہوئے
(۳) اس حکومت کے لیئے ضروری ہوا کہ مذہب میں مداخلت کرکے ایک اپنا علیحدہ مذہب چلائے تاکہ آل رسول کی پیروی سے بری ہوجائے اور بنو ہاشم کے قبیلہ کی فوقیت باقی نہ رہے۔ اس مذہبی انقلاب کا تذکرہ ہم نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب التفریق والتحریف فی الاسلام میں کیا ہے۔ آل رسول کی ہدایت و تعمیل کی بجائے انہوں نے اپنے قیاس سے کام لیا۔
(۴) امور مذہبی میں آل رسول پر صحابہ کو ترجیح دی اور صحابہ کو ایک مخالف جماعت بناکر کھڑا کر دیا اس طرح آلِ رسول و صحابہ کو دو مخالف کیمپوں میں ظاہر کرکے صحابہ بنام آل رسول کا غیر متناہی تنازعہ شروع کر دیا اور وہ اس وقت تک ختم نہیں ہوا جب تک کہ آلِ رسول کو لوگوں کی نظروں میں بالکل نہ گرا دیا۔
(۵) اس حکومت کیلئے ضروری ہوا کہ لوگوں کو ایسے کام میں مشغول رکھے جو ان کی طبیعت کے موافق تھا تاکہ وہ اس حکومت کی جواز و ناجوازیت پر غور نہ کرسکیں، اصلی حقداران حکومت کی حمایت نہ کرسکیں اور مال غنیمت جو آوے اس سے اپنے ہواخواہوں کا حلقہ بڑھ جائے۔ اس مقصد کے لیئے ایران و روم کی لڑائیاں شروع کی گئیں۔ اور چونکہ وہ دونوں سلطنتیں اپنی اندرونی جھگڑوں اور طوائف الملوکی

کی وجہ سے کمزور ہو چکی تھیں یہ مقصد کماحقہا حاصل ہوا۔

(۶) ان فتوحات کی وجہ سے سرمایہ داری اور اُس کے اثرات ملک میں پھیل گئے یہ ہی معاشرتی انقلاب تھا۔

گویا یہ تینوں انقلابات ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اور معاشرتی انقلابات و مذہبی انقلاب نتیجہ ہیں اُس ہی سیاسی انقلاب کا

جناب فاطمۃ الزہرا ؑ کے گھر کا افلاس

فقر ہمیشہ سے رسول اور اُن کے خلیفہ کا طُرۂ امتیاز رہا ہے۔ اکثر معتبر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت بہ سبب شدت گرسنگی کے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔ جنگ احزاب میں اس روایت کو خاص طور سے نقل کیا ہے۔ حضرت علی کے خاندان پر اکثر فاقے گزرتے تھے۔ حضرت علی اکثر مزدوری کر کے گزارہ کرتے تھے۔ صبح کی عبادت کر کے حضرت فاطمہ تو گھر کے کام کاج میں لگ جاتی تھیں اور حضرت علی باہر مزدوری کرنے چلے جاتے تھے۔ جو کچھ شام کو لاتے تھے اُس سے گھر کا خرچ چلتا تھا۔ انسان کے دل و دماغ کو علم و ایمان سے سیراب کرنے کے ساتھ ساتھ ہی آپ کو درختوں کے سیراب کرنے کا خاص شوق تھا اور یہ پیشہ آپ کا بہت محبوب پیشہ تھا۔ ایکدن آپ کو کوئی مزدوری نہ ملی، گھر میں آٹھ پہر سے فاقہ تھا۔ شام کے وقت ایک تاجر کے اونٹ آئے اسے اسباب اتارنے کے لئے ایک مزدور کی ضرورت تھی حضرت علی نے پہر رات تک اس کے اونٹوں کا اسباب اتارا۔ سوداگر نے ایک درم اجرت دی جسے آپ نے بخوشی لے لیا۔ اس وقت دوکانیں اکثر بند ہو گئی تھیں مگر ایک جگہ سے جو کا غلہ مل گیا۔ ایک درم کے جو خرید کر گھر لائے۔ حضرت فاطمہ نے ہنستے ہوئے نہایت انبساط کے ساتھ حضرت علی کا خیر مقدم کیا اور ان کی جھولی سے وہ جو لے کر اُسی وقت اُن کو پیسا، روٹی پکائی اور آپ کے سامنے رکھدی۔ جب حضرت علی سیر ہو کر کھا چکے تو خود کھانے لگیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجھ کو اس وقت حضرت سرور کائنات کا یہ ارشاد یاد آیا کہ فاطمہ دنیا کی بہترین عورت ہے، اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا

باوجود اس افلاس کے صبر و قناعت جناب فاطمہ کا خاص جوہر تھا، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ اگر کچھ موجود ہے تو مجھے کھانے کو دو۔ لیکن گھر میں کچھ موجود نہ تھا۔ حضرت علی باہر تشریف لائے کہ کچھ کھانے کا انتظام کریں۔ جو وغیرہ لے کر گھر میں آئے تو دیکھا کہ جناب سیدہ نماز ظہر سے فراغت پا کر سجدہ میں پڑی ہیں اور معبود حقیقی کے دربار میں گڑگڑا رہی ہیں۔

باوجود اس فقر و فاقہ کے حضرت فاطمہ نے کبھی اپنے شوہر سے کوئی سوال نہیں کیا ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت علی نے دریافت کیا کہ کھانے کے لیئے کچھ سامان گھر میں ہے یا نہیں جناب سیدہ نے کہا کہ آج تیسرا روز ہے کہ گھر میں ایک دانہ جو تک نہیں ہے۔ حضرت علی نے کہا کہ پھر تم نے مجھ سے کیوں نہ کہا۔ جواب دیا کہ مجھ کو میرے باپ نے وداع کے وقت نصیحت کی تھی کہ میں کچھ سوال کر کے آپ کو کبھی شرمندہ نہ کروں۔

ایک دفعہ ایک اعرابی آنحضرت کے پاس آیا وہ بہت بھوکا تھا، آنحضرت نے فرمایا کہ کون ہے جو اس کا پیٹ بھر دے۔ حضرت سلمان اٹھے اور اعرابی کو ساتھ لیکر نکلے چند گھروں پر گئے لیکن کوئی چیز موجود نہ تھی آخر کار جناب سیدہ کے گھر آئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ جناب سیدہ نے پوچھا کون ہے؟ سلمان نے کہا کہ میں ہوں، آپ نے پوچھا کہ کیوں آئے ہو، سلمان نے عرض کی کہ یہ ایک اعرابی بھوکا ہے۔ اس کے لیئے خوراک کا انتظام کرنے نکلا ہوں۔ کئی گھروں پر ہو آیا ہوں کچھ نہیں ملا۔ جناب سیدہ یہ سنکر رونے لگیں اور فرمایا کہ سلمان قسم ہے اس خدا کی جس نے میرے باپ کو پیغمبر کر کے بھیجا ہے آج تیسرا دن ہے کہ ہم سب فاقے سے ہیں۔ دونوں بچے حسن و حسین پریشان پھر رہے تھے ابھی بھوکے سوئے ہیں۔ لیکن سائل دروازہ پر آگیا ہے۔ رد نہیں کر سکتی۔ اے سلمان یہ ایک چادر موجود ہے اس کو لو اور شمعون یہودی کے پاس جاؤ۔ اور کہو کہ فاطمہ دختر محمد کی یہ چادر گروی رکھ لے اور تھوڑی سی جنس قرض دیدے۔ سلمان مع اعرابی کے چادر لیئے کر شمعون کے پاس آئے اور مفصل کیفیت بیان کی۔ یہودی کچھ دیر تک چادر کو دیکھتا رہا۔ پھر دفعتہً اس

پر ایک خاص حالت طاری ہوئی۔ اور کہنے لگا کہ اے سلمان یہ ہیں وہ لوگ جن کی خبر ہمارے پیغمبر موسیٰ نے توراۃ میں دی ہے۔ میں فاطمہ کے باپ پر ایمان لے آیا اور سچے دل سے مسلمان ہوتا ہوں۔ اس کے بعد اناج سلمان کو دیا اور چادر بھی واپس کر دی۔ وہ اناج کو جناب سیدہ کے پاس لائے۔ انھوں نے اپنے ہاتھ سے پیسا روٹی پکائی اور سلمان کو دی۔ سلمان نے کہا کہ اس میں سے تھوڑی سی روٹی بچوں کے لیئے رکھ لیجیئے۔ آپ نے فرمایا۔ سلمان جو چیز میں خدا کی راہ میں دے چکی ہوں وہ اب بچوں کے لیئے لینا مناسب نہیں۔ سلمان وہ روٹی لیکر سرورِ کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا حال سنایا۔ رسول صلعم نے وہ روٹی اعرابی کو دی اور جناب سیدہ کے گھر تشریف لائے۔ حال دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ تین دن سے کھانا نہیں ملا۔ حضرت سیدۃ النسا کو اپنے پاس بٹھا کر آسمان کی طرف سر اٹھایا۔ اور دعا کی کہ الٰہی فاطمہ تیری لونڈی ہے اس سے راضی رہنا۔[۱]

علامہ غزالی احیاء العلوم جلد ثالث میں تحریر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب فاطمہ بیمار ہو گئیں۔ جناب رسولخدا عمران بن حصین صحابی کو لے کر عیادت کے لیئے دروازہ پر تشریف لائے۔ دستک دی اور اندر آنے کی اجازت چاہی اور فرمایا کہ میرے ہمراہ ایک صحابی عمران بن حصین بھی ہیں۔ حضرت فاطمہ نے عرض کی کہ میرے پاس صرف ایک ہی عبا ہے اس کے سوائے کوئی اور کپڑا نہیں۔ آنحضرت نے فرمایا اس سے بدن ڈھانک لو۔ فاطمہ نے عرض کی کہ بدن ڈھک جائے گا تو سر کھل جائے گا۔ یہ عبا سر اور بدن کے لیئے کافی نہیں ہے۔ آنحضرت نے اپنی پرانی چادر اپنی بیٹی کی طرف پھینک دی اور فرمایا کہ اس سے سر ڈھانک لو جناب فاطمہ نے ایسا ہی کیا اور اندر آنے کی اجازت دی۔ آنحضرت نے اندر جا کر حال پوچھا۔ حضرتِ معصومہ نے عرض کی کہ شدتِ درد سے بے چین ہوں اور اس پر مستزاد یہ کہ گھر میں کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ بھوک نے مجھے نڈھال کر رکھا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے

---

[۱] خاتون جنت مؤلفہ ملک محمد دین ص ۱۲۴، ۱۲۵۔

آپ نے اپنا ہاتھ انکی پیٹھ پر رکھ کر فرمایا کہ تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو[۴۹]

جناب امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک روز ایک وقت کے بعد ہم سب کو کھانا نصیب ہوا تھا۔ پدرم حضرت علی اور ہم دونوں بھائیوں نے کھانا کھا لیا تھا۔ ابھی والدہ صاحبہ نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ ابھی پہلا نوالہ توڑا ہی تھا کہ دروازے پر ایک سائل نے آواز دی۔ بنتِ رسول کو سلام۔ میں دو وقت کے فاقے سے ہوں میرا پیٹ بھر دو۔ جناب سیدہ نے فوراً کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور مجھ سے کہا کہ جاؤ کھانا سائل کو دے آؤ۔ میں نے تو ایک ہی وقت نہیں کھایا۔ اسے تو دو وقت کا فاقہ ہے۔

تسبیح فاطمۃ الزہرا

علامہ صدوق علیہ الرحمہ نے کتاب العلل میں اور دیگر مورخین نے اپنی اپنی اسانید کے ساتھ حضرت علی سے روایت کی ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ جناب فاطمہ کے سینہ پر پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے گٹھل بن گیا تھا اور ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے آبلے پڑ گئے تھے۔ خود ہی جناب فاطمہ گھر کی جھاڑو دیا کرتی تھیں یہاں تک کہ آپ کے کپڑے گرد آلود ہو جاتے تھے۔ خود ہی آگ چولھے میں روشن کرتی تھیں یہاں تک کہ دھوئیں سے آپ کے کپڑے کالے ہو جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے ایک دن ان سے کہا کہ کیا اچھا ہو کہ اگر تم اپنے والد ماجد سے کہہ کر کوئی کنیز لے لو۔ وہ جناب رسولخدا کی خدمت میں گئیں۔ وہاں بہت مجمع تھا، حیا کے مارے بغیر کچھ کہے واپس چلی آئیں۔ ان کے واپس چلے آنے کے بعد آنحضرت کو معلوم ہوا کہ فاطمہ کسی کام کے لئے آئی تھیں دوسرے دن خود ہمارے یہاں تشریف لائے اس وقت ہم دونوں ایک لحاف کے اندر تھے۔ ہم اٹھنے لگے، آنحضرت نے کہا کہ ٹھہرے رہو اور ہمارے سرہانے آنکر بیٹھ گئے۔ اور دریافت کیا کہ اے فاطمہ

---

[۴۹] خاتون جنت مولفہ ملک محمد دین ص ۱۴۱

[۵۰] خاتون جنت مولفہ ملک محمد دین ص ۱۲۸

کس حاجت کے لئے تم میرے پاس آئی تھیں۔ حضرت علی نے سارا واقعہ بیان کیا آنحضرت نے فرمایا کہ میں تم دونوں کو ایک ایسی شے بتاؤں جو خادم سے بہت بہتر ہے۔ جب تم دونوں سونے لگو تو ۳۳ دفعہ تو سُبْحَانَ اللّٰہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَر پڑھ لیا کرو، اس پر جناب فاطمہ نے لحاف میں سے سر نکالکر تین مرتبہ فرمایا کہ میں راضی ہوئی خدا اور اس کے رسول سے [۵۱]

ابن حجر نے الاصابۃ میں بھی یہ روایت اس طرح بیان کی ہے اور یہ ایزاد کیا ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے اس دن سے اس تسبیح کا ورد ہمیشہ رکھا ابن الکوا نے پوچھا کہ کیا صفین کی رات کو بھی۔ حضرت علی نے فرمایا اے اہل عراق خدا تمہیں غارت کرے ہاں صفین کی رات کو بھی نہیں چھوڑا [۵۱]

علامہ حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ جناب رسول خدا ہمارے یہاں تشریف لائے اور اپنا پیر میرے اور فاطمہ کے پیر کے درمیان رکھا اور فرمایا کہ اے فاطمہ جب تم سونے لگو تو ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر کہا کرو۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اس تسبیح کو نہیں چھوڑا۔ اس پر ایک شخص نے جو علی سے کبیدہ خاطر تھا پوچھا کہ کیا صفین کی رات کو بھی نہیں چھوڑا۔ حضرت علی نے کہا ہاں صفین کی رات کو بھی نہیں چھوڑا [۵۲]

علامہ محسن الامین الحسینی العاملی اعیان الشیعہ میں لکھتے ہیں کہ یہ وہی تسبیح فاطمہ ہے جو اہل بیت علیہم السلام سے مروی ہے کہ ہر ایک نماز کے بعد پڑھنی چاہیے عام طور سے پہلے تکبیر پھر تحمید اور تسبیح ہے۔ لیکن دونوں طرح سے جائز ہے۔

علامہ ابن شہر آشوب نے مناقب میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت کے پاس بہت سی کنیزیں آئیں اور جناب فاطمہ نے ان سے اپنے لئے ایک خادمہ طلب کی تو آنحضرت نے فرمایا کہ میں تو ان کنیزوں کو فروخت کر کے انکی قیمت کو اہل صفہ پر خرچ کرونگا

---

[۵۱] اعیان الشیعہ۔ الجزء الثانی ص ۲۴۴، خاتون جنت مؤلفہ ملک محمد دین ص ۱۱۷ صحیح بخاری۔ کتاب النفقات باب عمل المرأہ فی بیت زوجہا الجزء الثالث ص ۱۹۲ کتاب التوبہ باب التکبیر و التسبیح عند المنام الجزء الرابع ص ۶۸، صحیح مسلم الجزء الثامن ص ۸۴ مسند ابی داؤد الطیالسی حدیث ۹۳ جزء اول ص ۱۵، ۱۶ [۵۲] المستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث ص ۱۵۱، ۱۰۲

اور جناب فاطمہ کو تسبیح تعلیم کی۔ ایک روایت ابوہریرہ سے ہے کہ جب آنحضرت جناب فاطمہ کے پاس سے تسبیح تعلیم کر کے آئے تو یہ آیت شریفہ نازل ہوئی۔

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا

(سورہ ۱۷ آیت ۲۸) ترجمہ (جب تو ان سے منہ پھیرے اس امید پر کہ تجھے خدا کی طرف سے رحمت نازل ہو تو ان سے آسانی کی بات کہہ۔) تو جناب رسولخدا نے حضرت فاطمہ کو خدمت کے لئے ایک لونڈی دی اور اس کا نام فضہ رکھا[۵۳]

ایک دفعہ جناب رسولخدا جناب فاطمہ کے گھر گئے دیکھا کہ ایک پردہ رنگین دروازے پر لٹکا ہوا ہے اور حضرت فاطمہ کے ہاتھ میں چاندی کے دو کنگن تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ گلے میں چاندی کی زنجیر تھی۔ آپ یہ دیکھتے ہی واپس چلے گئے۔ جناب فاطمہ کو بہت ملال ہوا جب جناب رسولِ خدا کی وجہ مراجعت معلوم ہوئی تو آپ نے وہ دونوں چیزیں فروخت کر کے قیمت جناب رسولخدا کی خدمت میں بھجوادی۔ اور آنحضرت نے اس کو اصحاب صفہ کے اوپر خرچ کیا۔ ایک روایت ہے کہ جناب فاطمہ نے انکی قیمت سے ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا۔ جب جناب رسولخدا کو یہ معلوم ہوا تو آنحضرت بڑے خوش ہوئے۔ اور فرمایا کہ سب تعریف خدا کے لئے ہے جس نے فاطمہ کو نارِ جہنم سے نجات دی۔ اس روایت کو حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے۔ اور علامہ سید محسن الامین نے اپنی کتاب اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص ۱۳۴ پر مستدرک کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ لیکن مستدرک کی روایت میں صرف چاندی کی زنجیر کا ذکر ہے۔ رنگین پردہ کو اس کے ساتھ محمد دین صاحب نے اپنی کتاب خاتون جنت میں شامل کیا ہے اور نیز اعیان الشیعہ الجزء الثانی صفحہ ۱۴۴ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

فاطمہ شامیہ ملک شام کے ایک امیر کبیر کی لڑکی تھیں۔ نہایت دیندار عبادت گذار کتب مقدسہ سماویہ کی عالمہ علم نجوم سے واقف تھیں جب ان کو معلوم ہوا کہ حضرت خاتم النبیین کی ولادت کا وقت قریب آگیا ہے تو وہ مکہ معظمہ میں تشریف لائیں۔

---

[۵۳] اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص ۱۳۴ مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص ۱۴۱

ایک دن عبداللہ ابن عبدالمطلب سے ملاقات ہوئی۔ اُن کی پیشانی میں علامت نور دیکھ کر نکاح کی درخواست کی۔ انھوں نے جواب دیا بلا اجازت اپنے والد کے میں کچھ جواب نہیں دے سکتا۔ کچھ دنوں بعد جب عبداللہ کی شادی حضرت آمنہ سے ہو گئی اور نورِ نبوت صلب عبداللہ سے شکمِ آمنہ میں منتقل ہو گیا تو پھر عبداللہ اپنے والد کی اجازت حاصل کر کے فاطمہ شامیہ کے مکان پر گئے اور نکاح کی درخواست کی۔ انھوں نے جواب دیا کہ وہ نور جس کے اشتیاق میں میں نے اتنی دور کا سفر اختیار کیا تھا آپ کے پاس نہیں رہا۔ اب مجھے کسی دنیاوی غرض کے لیے شادی کی ضرورت نہیں۔ جب فاطمۃ الزہرا تقریباً دس سال کی تھیں تو یہ فاطمہ شامیہ آپ سے ملنے آئیں اور شام سے بہت سے تحائف زیورات جواہرات میوے کپڑے اور کھانے کی چیزیں یافراط اپنے ہمراہ لائیں۔ دخترِ رسول نے نہایت محبت و خوش اخلاقی سے ان کا خیر مقدم کیا۔ جب وہ تحائف فاطمہ شامیہ نے آپ کی خدمت میں پیش کئے تو آپ نے ان سے اجازت لیکر وہ سب اسلام کے امور کے لیئے دیدیئے اور کھانے پینے کی چیزیں اور کپڑے ان مسلمانوں کی نذر کر دیئے جو خدمت اسلام میں شریک رہتے تھے۔ فاطمہ شامیہ پیغمبر زادی کے اس ایثار و سیر چشمی سے بہت متاثر ہوئیں۔ اور آپ کو سینے سے لگا لیا۔ حضرت فاطمہ کی چادر میں بارہ سے زیادہ پیوند ہوتے تھے۔ اسی طرح حضرت علی کا لباس پیوندوں سے بھرا ہوا ہوتا تھا۔ بچے سو جاتے تھے تو آپ ان کو پنکھا جھلتی جاتی تھیں اور قرآن شریف کی تلاوت فرماتی جاتی تھیں۔ جب چکی پیستی تھیں تو بچوں کو گود میں لے لیتی تھیں کیونکہ کوئی اور بہلانے والا نہیں ہوتا تھا۔ بسا اوقات حضرت علی بھی جناب فاطمہ کے ساتھ اس چکی کی مشقت میں شریک ہو جاتے تھے صبح کے وقت جب حضور سرور کائنات نماز کے لیئے مسجد نبوی میں تشریف لاتے تھے تو حضرت فاطمہ کی چکی چلانے کی آواز کانوں میں آتی تھی۔ آپ بے اختیار ہو کر دعا مانگتے کہ بارالٰہا فاطمہ کو اس ریاضت و قناعت کا اجر دے اور اسے حالت فقر

میں ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرما۔

حسن بصری کہتے ہیں کہ اس امت میں فاطمہ سے زیادہ کسی نے عبادت نہیں کی راتوں کو نماز میں اتنی کھڑی رہتی تھیں کہ پاؤں پر ورم ہوجاتا تھا۔[۱]

یہ تھے وہ لوگ جن کی رگ و پے میں ایمان سرایت کر گیا تھا ان کو حشر و نشر قیامت کا عین الیقین تھا جس نے دنیا کو ان کی آنکھوں میں ہیچ کر دیا تھا انھوں نے دنیا کو محض عقبیٰ کے حصول کے ذریعہ سے زیادہ درجہ نہیں دیا۔ ان کے نزدیک عقبیٰ کی زندگی اصلی زندگی تھی۔ دنیا کے عیش و عشرت سے ان کو اتنی ہی نفرت تھی جتنی کسی دنیادار کو فقر و فاقہ سے۔ انھوں نے اصلی اسلام سیکھا جنھوں نے ان کی طرف رجوع کی۔ وہ لوگ جو دنیا کے عیش و عشرت کی طرف گئے انھوں نے اسلام کو اپنے حصولِ مقصد کا ذریعہ بنایا۔ دونوں جماعتوں نے اپنا اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ دنیا کے چاہنے والوں کو دنیا مل گئی۔ عقبیٰ کے چاہنے والوں کو عقبیٰ مل گئی۔

ہم بلا خوف تردید کہتے ہیں کہ یہ اہلبیت محمد جناب رسالت مآب کے کار نبوت میں شریک اور ان کا بوجھ اٹھانے والے تھے۔ اس شرکت کے یہ معنی نہیں کہ یہ پانچوں نبی یا رسول تھے بلکہ یہ شرکت ایسی تھی کہ جیسے بادشاہت میں وزیر اعظم کی شرکت ہوا کرتی ہے۔ واقعہ مباہلہ سے جس کا ذکر ہم ابھی کرتے ہیں اس شرکت کی مزید توضیح ہوتی ہے۔ یہ بزرگوار بھی اپنے اس فرض کو محسوس کرتے تھے اور ان کی زندگیوں کے اس سانچے میں ڈھلنے میں جناب رسولخدا کی تعلیم اور اس فرض شناسی کا بڑا حصہ ہے۔ علاوہ اس کے یہ لوگ حجۃ اللہ تھے۔ دین اسلام کی تصدیق ان سے ہوتی تھی۔ فرض کرو یہ سب لوگ عیش و عشرت کے دلدادہ ہوتے بادشاہ زادوں کی طرح رہتے تو کفار و منافقین کا یہ کہنا بالکل صحیح سمجھا جاتا کہ محمد

---

[۱] اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص ۲۹ خاتون جنت مؤلفہ محمد دین ص ۱۳۵

مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص ۱۴۱

کا مقصد تو محض دنیا کا حاصل کرنا تھا۔ نبوت تو ایک بہانہ اور ذریعہ بنایا گیا تھا لیکن محمدؐ اور اہل بیت محمدؐ کے اس فقر و فاقہ کی زندگی نے دشمنانِ اسلام کا منہ بند کر دیا۔

صاحب علل الشرائع حضرت امام حسن کی روایت نقل کرتے ہیں۔ امام حسن کہتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ فاطمۃ الزہرا کو شام سے صبح تک خدا کے آگے گریہ و زاری کرتے اور اس کے بعد نہایت عاجزی سے خدا کے حضور میں دعائیں مانگتے دیکھا۔ جابر انصاری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جناب رسولخدا نے دیکھا کہ جناب فاطمہ کے جسم پر اونٹ کی کھال کا لباس تھا۔ ایک ہاتھ سے چکی پیستی جاتی تھیں دوسرا ہاتھ امام حسن علیہ السلام کو دودھ پلانے میں مشغول تھا۔ یہ حالت دیکھکر آنحضرت کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور فرمایا کہ فاطمہ دنیا کی تکلیفوں کا صبر سے خاتمہ کر اور آخرت کی خوشی کی منتظر رہ۔

ایک دن جناب رسولخدا حضرت فاطمہ کے یہاں تشریف لائے۔ حضرت فاطمہ نے آپ کے آگے ایک سوکھی ہوئی جو کی روٹی کا ٹکڑا رکھدیا۔ آنحضرت نے وہ کھایا اور فرمایا کہ تین دن کے بعد یہ پہلا ٹکڑا روٹی کا ہے۔ جو تیرے باپ نے کھایا ہے[۵۵]

اس میں کچھ شک نہیں کہ آنحضرت کی زندگی بھی اسی طرح فقر و فاقہ میں گذری اور یہی آنحضرت کا بہت بڑا طرۂ امتیاز تھا۔ ایک روایت بخاری و مسلم سے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں کہ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ اور ان کی پارٹی کی امہات المومنین نے آنحضرت کے ساتھ اس فقر و فاقہ میں شرکت نہیں کی۔ وہ روایت یہ ہے

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں دو پارٹیوں میں منقسم تھیں ایک پارٹی میں حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت صفیہ اور سودہ تھیں۔ دوسری پارٹی میں ام سلمہ اور آنحضرت کی دیگر بیبیاں تھیں اور لوگ جانتے تھے کہ آنحضرت کو ساری زوجگان میں حضرت عائشہ سے بہت زیادہ محبت ہے

---

۵۵ مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص ۱۰

اس وجہ سے جب کسی شخص کے پاس کوئی چیز ہوتی تھی اور وہ آنحضرت کے پاس
ہدیہ کرنا چاہتا تھا تو وہ تاخیر کرتا تھا یہاں تک کہ حضرت عائشہ کی باری آجاتی
اور جب آنحضرت حضرت عائشہ کے گھر میں ہوتے تھے تو وہ شخص اس شے کو آنحضرت
کے پاس حضرت عائشہ کے گھر میں بھیجتا تھا۔ اس پر حضرت ام سلمہ کی پارٹی نے اعتراض
کیا۔ اور ام سلمہ سے کہا کہ آنحضرت سے عرض کرو کہ وہ لوگوں سے کہدیں کہ لوگ
حضرت عائشہ کی تخصیص نہ کریں بلکہ جس کے گھر میں بھی آنحضرت ہوں وہیں تحائف
و ہدایا بھیجا کریں۔ ام سلمہ نے اسی طرح سے آنحضرت سے کہا۔ وہ خاموش رہے
بی بیوں نے ام سلمہ سے پوچھا کہ آنحضرت نے کیا کہا انھوں نے کہا وہ تو خاموش
رہے۔ انھوں نے کہا کہ پھر کہنا۔ غرض اسی طرح تین دفعہ ہوا۔ دو دفعہ تو آنحضرت
خاموش رہے۔ تیسری دفعہ فرمایا تو مجھے عائشہ کے حق میں ایذا نہ دے اس واسطے
کہ بہ تحقیق میرے پاس کبھی وحی نہیں آئی سوائے اس کے کہ جب میں عائشہ کے گھر
میں ہوں۔ عائشہ کے سوا کسی بی بی کے پاس سوتے ہوئے مجھے وحی نہیں آئی۔ ام سلمہ
نے کہا میں آپ کی ایذا سے اللہ تعالےٰ کی طرف توبہ کرتی ہوں۔ اب ان بی بیوں نے
آنحضرت کی دختر فاطمہ کو بلایا اور ان کو یہی پیغام دے کر آنحضرت کی خدمت میں
بھیجا۔ سو فاطمہ گئیں اور آنحضرت سے کہا کہ آپ کی بی بیاں آپ سے عائشہ کے متعلق
عدل چاہتی ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اے بیٹی کیا تو اس کو نہیں چاہتی جس کو میں
چاہتا ہوں۔ فاطمہ نے کہا میں وہی چاہتی ہوں جو آپ چاہتے ہیں اور واپس آگئیں
اور بی بیوں کو اس سے مطلع کیا۔ اس پر ان بی بیوں نے آنحضرت کی زوجہ زینب
کو بھیجا۔ وہ آنحضرت کی خدمت میں آئیں اور سختی سے کلام کیا اور کہا کہ آپ کی
بی بیاں عائشہ کے مقدمہ میں آپ کا عدل و انصاف چاہتی ہیں۔ زینب نے آواز
بلند کی۔ عائشہ وہیں بیٹھی تھیں۔ انھیں برا بھلا کہا۔ آنحضرت حضرت عائشہ کی طرف
دیکھتے تھے۔ پھر عائشہ نے کلام کیا۔ اور زینب کو جواب دیکر خاموش کر دیا۔ اس پر:
آنحضرت نے عائشہ کی طرف دیکھ کر کہا کہ کیوں نہ ہو آخر ابو بکر کی

بیٹی ہے ۵۶؎

اس روایت سے مندرجۂ ذیل امور معلوم ہوئے۔

۱۔ آنحضرت کی ازواج میں دو پارٹیاں تھیں۔

۲۔ آنحضرت کے فقر و فاقہ میں حضرت عائشہ اور انکی پارٹی کی بی بیاں شریک نہ تھیں کیونکہ ان کی باری میں بہت سے تحائف آجاتے تھے۔ اور وہ اپنی پارٹی کی عورتوں میں ضرور تقسیم کرتی ہونگی۔

۳۔ ان تحائف کا مدعا زیادہ تر حضرت عائشہ کو فائدہ پہنچانا تھا۔ کیونکہ اگر محض آنحضرت مقصود ہوتے تو وہ جہاں بھی ہوتے وہاں لوگ بھیجدیتے یہ حضرت ابو بکر و حضرت عمر ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اس طرح اپنی بیٹیوں کو فقر و فاقہ سے بچانیکی کوشش کی۔

یہاں تک تو یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ لیکن بہت کچھ اس میں حاشیہ آرائی سیاسی اغراض کے لئے کی گئی ہے۔ غور تو کیجئے صرف اس وقت ہی وحی آتی تھی کہ جب آنحضرت حضرت عائشہ کے ساتھ سوتے تھے۔ ترجمہ کا یہ فقرہ ہم نے فیض الباری ترجمہ اردو معہ متن صحیح البخاری سے لیا ہے۔ پورا فقرہ یہ ہے

"عائشہ کے سوا کسی بی بی کے پاس سوتے ہوئے میرے پاس وحی نہیں آتی"

فیض الباری پارہ دہم ص۸۔ گویا وحی تو حضرت عائشہ کی وجہ سے آئی۔ آنحضرت کی وجہ سے آتی تو جہاں بھی وہ ہوتے وہاں وحی آتی۔ اس طرح دیکھئے کہ سوائے چند آیات کے سارا قرآن شریف وحی کے دائرہ سے نکل گیا۔ غیر مذہب کے لوگ ایسی باتیں سنکر ہنستے ہیں۔ کوئی رنگیلا رسول لکھتا ہے۔ کوئی ایسی کتابوں میں ایسے ہی گستاخانہ فقرے لکھدیتا ہے۔ بھلا وحی الٰہی کو عورت کے ساتھ سونے سے کیا تعلق۔ کسی یہودی نے یہ روایت اڑادی۔ انھوں نے یہ دیکھکر کہ اس سے

۵۶؎ صحیح بخاری کتاب الھبہ الجزء الثانی ص۶۰

صحیح مسلم کتاب فضائل ... باب فضل عائشہ الجزء السابع ص۱۳۶

ہماری جماعت کی ایک عورت کی منزلت بڑھتی ہے اپنی اپنی صحیح میں درج کر دیا۔ یہ نہ سوچا کہ رسولخدا اور ان کے مشن کی کتنی توہین ہوتی ہے۔ جناب فاطمہ کا نام بیچ میں لانا ضرور تھا تاکہ اچھی طرح مقابلہ ہو جائے۔ جب بی بیوں کو ام سلمہ کی زبانی معلوم ہو گیا کہ اس گفتگو سے آنحضرت کو ایذا ہوتی ہے تو انھوں نے بار بار کیوں بھیجا۔ بجائے حضرت فاطمہ کے آنحضرت نے اپنی بیبوں ہی سے کیوں نہ کہدیا کہ ایسی باتیں نہ کرو مجھے عائشہ محبوب ہے۔

حل اشکال میرے سامنے چند شیعہ اور اہل سنت و جماعت نے کچھ اشکال برائے حل پیش کئے۔ ان کی گفتگو کا ملخص ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ واعظان اور ملا صاحبان نے اہلبیت رسالت کے فقر و فاقہ کی حالت کو محض اثر پیدا کرنے کے لئے مبالغہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جناب خدیجہ کا سارا مال جناب رسولخدا کو ملا فتوحات کے ذریعہ سے جو مال غنیمت اور اسیران آتے تھے ان میں حضرت علی و حضرت حسین علیہم السلام کا حصہ ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت بانو کا قصہ مشہور ہے۔ حضرت عمر نے جو دیوان عطایا و وظائف کا مقرر کیا تھا اس میں حضرت علی و حضرت حسنین علیہم السلام کا حصہ درج ہے۔ جب حالت یہ ہے تو پھر کہنا کہ حضرت فاطمہ نے عسرت میں زندگی گذاری خلاف واقعہ ہے۔

بظاہر یہ بحث کچھ وقت دار معلوم ہوتی ہے اور زمانہ حال میں کہ جب انسان کی زندگی کا مقصد صرف روپیہ ہے اور محض روپیہ کے معیار پر حق و ناحق کا فیصلہ کیا جاتا ہے اس بحث کے زور پکڑنے کا اندیشہ ہے۔ لہذا اس پر مفصل گفتگو ضروری ہوئی۔

جب کسی قوم کے واقعات و حالات اور کسی فرد کے سوانح حیات اور

اس کے افعال و تخیلات کے اسباب و علل پر گفتگو کرنی ہوتی ہے تو مؤرخ کا فرض ہے کہ اس قوم اور اس شخص کی ذہنی حالت کا اس قدر صحیح اندازہ کرے کہ ایسا معلوم ہو کہ وہ بھی ان میں کا ایک ہے۔ اس کا دوسرا فرض یہ ہے کہ اس قوم یا شخص کے ماحول کو اس طرح سمجھ جائے کہ یہ معلوم ہو کہ ان کا ہمعصر تھا۔ اس مورخ کی لکھی ہوئی کتاب کی قدر و قیمت و خوبی اس کے اس صحیح اندازے اور فہم کے تناسب سے ہوگی۔ آج کل دنیا ایک زمانہ عجلت میں سے گذر رہی ہے جو کام جلدی میں ہو سکتا ہے ہو جائے۔ زیادہ سطح کے نیچے جا کر وقت ضائع کرنا آج کل کے ذہنی فیشن کے خلاف ہے۔ سوال زیر بحث پر غور کرنے کے لئے دو تین امور کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ اول تو یہ کہ جناب رسولخدا کا خود بھی یہی عمل تھا اور اپنی اولاد کو بھی یہ تعلیم دی تھی کہ جب تم دیکھو کہ کئی آدمی ایک ہی مصیبت میں گرفتار ہیں اور تم ان میں سے ایک ہو تو ہمیشہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دو۔ آپ کی تعلیم کا دوسرا جزو یہ تھا کہ اپنی حالت اور طرز رہائش اور معمول زندگی کو ایسا رکھو کہ میری امت کا غریب سے غریب شخص اس سے اپنے لئے نمونہ لے سکے۔ اور اگر اولاد رسول اپنی زندگی فراوانی اور ثروت میں گزارتے تو غریب لوگوں کو غربت میں زندگی گزارنے کا نمونہ نہ ملتا اور وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ ہاں ٹھیک ہے جب وسعت رزق ہو تو خدا خوب یاد آتا ہے اور سخاوت بھی ہوتی ہے اگر ہماری طرح کی زندگی گزارتے تو پھر ہم ان کی عبادت اور سخاوت کو دیکھتے۔ دیکھئے جب آنحضرت سے جناب فاطمہ نے خادمہ طلب کی تو جناب رسولخدا نے خادمہ سے بہتر شے یعنی تسبیح تو ضرور دیدی لیکن خادمہ نہ دی۔ اور یہ کہا کہ فاطمہ میری اولاد کا کام تو صبر کرنا ہے۔ تم اس مشقت پر صبر کرو۔ لونڈی غلاموں کو جائز طور سے فروخت کر کے میں اس روپے کو اہل صفہ پر تقسیم کروں گا۔ جب جناب فاطمہ نے محض عمدہ پردہ لٹکایا اور صرف چاندی کا ایک زیور پہنا تو آنحضرت کو ناگوار گذرا۔ اور جب انھوں نے ان چیزوں

کو فروخت کر کے آپ کے پاس روپیہ بھیجا تو خوش ہو گئے اور روپیہ خیرات کر دیا۔ دوسری یہ بات ہے کہ خدا کی نظر میں ہمیشہ صدقہ و خیرات اچھی چیز ہے اور باعث خوشنودی خدا ہے اور اس زمانہ میں عرب میں سخاوت انسان کا بہترین جوہر سمجھا جاتا تھا۔ لہذا رسول و آل رسول کو یہ گوارا نہ تھا کہ ان کے دروازے سے سائل محروم پھر جائے۔ قرآن شریف میں عام مسلمانوں کے لئے خیرات کا یہ اندازہ مقرر کر دیا ہے کہ جو تمہاری ضرورت سے فاضل ہو وہ صدقہ میں خرچ کرو۔ پانچ وقتوں کی نماز مقرر کی ہے۔ یہ تو فرض ہے۔ اس اندازہ کی خیرات کرنا صرف پانچ وقت کی نماز پڑھنا ہر مسلمان کا فرض ہے لیکن اس سے زیادہ جو کرے گا وہ ممنوع نہیں۔ بلکہ باعث ثواب مزید ہے۔ اس ہی لئے لوگ نوافل و تہجد پڑھتے ہیں۔ خیرات اتنی کرتے ہیں جتنی وہ کر سکتے ہیں۔ لیکن آل رسول کا یہ امکان خیرات بہت وسیع تھا۔ ہر حالت میں اور ہر صورت میں سائل کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔ تیسری بات جو زیادہ باریک ہے وہ یہ ہے کہ رزق حلال و رزق طیب میں فرق ہے۔ ازواج رسول رزق حلال پر گذارہ کرتی تھیں۔ رسول و آل رسول حلال کے درجہ سے آگے بڑھ کر رزق طیب کی تلاش میں رہتے تھے۔ ہم مثال دیکر سمجھاتے ہیں۔ ایک شخص نے اپنی کمائی میں سے یک صد روپیہ ایک مولوی صاحب کو نذرانہ پیش کیا۔ بظاہر اس کی کمائی میں کچھ شے حرام نہیں ہے۔ کم سے کم مولوی صاحب موصوف کے علم میں نہیں ہے۔ انھوں نے وہ روپیہ قبول کر لیا۔ ان کے لئے حلال ہے۔ لیکن رزق طیب وہ ہے جس میں حرام کی آمیزش کا امکان بھی نہ ہو۔ ایک شخص تاجر کی روزی میں امکان ہے کہ انھوں نے جائز سے زیادہ لے تے مال کی قیمت وصول کی ہو۔ یہ حرام ہو گیا۔ ایک پولیس آفیسر اور تحصیلدار کی روزی میں اس بات کا امکان ہے کہ رشوت کا روپیہ شامل ہو۔ اگرچہ لینے والے کو اس کا علم نہیں ہے۔ لیکن اس امر کا امکان تو ہے۔ لہذا وہ مال جو اس روزی میں سے دیا جائے گا لاعلم لیتے والے کے لئے حلال ہوگا۔ لیکن طیب نہ ہوگا۔

کیونکہ اس میں امکان حرمت باقی ہے۔ اس وجہ سے آپ نے دیکھا ہوگا کہ عامل لوگ اور چلہ کھینچنے والے رزق طیب کا خیال رکھتے ہیں۔ اپنی حلال کمائی سے حاصل کیا ہوا رزق اپنے ہاتھ سے طاہر پانی سے پکایا ہوا کھانا کھاتے ہیں۔ دوران چلہ ہیں اس کا خیال ضرور رکھتے ہیں۔ بیت المال کے روپے کی یہی حالت تھی کسی طرح سے حاصل کیا ہوا عام مسلمانوں کے لیئے حلال تھا لیکن حضرت علی نے اپنے اوپر اسے حرام کر لیا تھا۔ اپنے دست و بازو سے محنت و مزدوری کر کے رزق حاصل کرتے تھے اور اس پر گزارہ کرتے تھے۔ بہت کچھ مال غنیمت آتا تھا مسلمانوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ لیکن جب حضرت عمران کی تلاش میں نکلے تو حضرت علی کو درختوں میں پانی دیتے ہوئے پایا۔ ازواج رسول کا رزق حلال تھا۔ لوگ اپنی خوشی سے ہدایا اور تحائف دیتے تھے۔ اور ازواج رسول اپنے اوپر خرچ کرتی تھیں۔ ان کے لیئے حلال تھا۔ لیکن جناب رسولخدا رزق طیب ہی کھاتے تھے اور جب اپنے گھر میں نہ ملتا تھا تو اپنی بیٹی کے گھر میں آ کر اس کو تلاش کرتے تھے۔

ایک اور بات بھی نظر انداز نہ کرنی چاہیئے۔ ہم جناب فاطمۃ الزہرا کے سوانح حیات لکھ رہے ہیں۔ اس زمانہ کے حالات پر غور کر کے اس سوال کا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ ان کے بعد ہی مسلمانوں میں دولت و ثروت پھیل گئی۔ اور ایک ایک گھر میں متعدد لونڈی غلام ہونے لگے۔ لیکن جناب فاطمہ کے معمول زندگی معلوم کرنے کے لیئے اس صورت حالات کو نظر انداز کرنا ہوگا۔

جب ہم ان اصول کو مدنظر رکھ کر ان اشکال پر بحث کرتے ہیں تو سارے شک و شبہہ دور ہو جاتے ہیں۔ جناب رسولخدا کے زمانہ میں اتنے لونڈی غلام نہیں آتے تھے اور اتنا مال غنیمت نہیں ہوتا تھا کہ ہر گھر بشمول اصحاب صفہ صاحب ثروت ہو جائے اور جب تک ایک غریب بھی مدینہ میں رہتا رسول و آل رسول نے اپنے اوپر وسعت رزق کو جائز نہیں رکھا تھا۔ جو کچھ آتا خواہ لونڈی غلام کی صورت میں ہو یا نقدی کی صورت میں پہلے خیرات میں خرچ ہوتا تھا۔ لونڈی غلام اسیلئے لیئے جاتے تھے

کہ ان کو آزاد کر کے خوشنودئ خدا حاصل کریں اور زیادہ ہوں تو انھیں فروخت کر کے ان کے روپے سے غریبوں کی مدد کریں۔ جائز طور پر اسیر کیے ہوئے لوگوں کی خرید و فروخت میں مضائقہ نہ تھا۔ اپنی زندگی عسرت ہی میں گزار کر خوش رہتے تھے جناب خدیجہ کے مال میں جناب رسولِ خدا اور حضرت فاطمہ کا حصہ ضرور تھا۔ لیکن یہ کسی تاریخ سے پتہ نہیں چلتا کہ جناب خدیجہ نے بوقت رحلت کتنا مال چھوڑا اور اس میں ان دونوں بزرگواروں کے حصہ کی کتنی رقم ہوتی تھی۔ جب تک یہ نہ معلوم ہو محض قیاس کہ کچھ حصہ کی رقم ہو گی درست نہیں۔ جب جناب خدیجہ کا نکاح جناب رسولِ خدا سے ہوا تو جناب خدیجہ اپنے باپ کے مال کی منتظمہ تھیں۔ مالکہ نہ تھیں۔ اپنے والد کے انتقال پر ان کو کچھ ورثہ ملا ہو گا لیکن یہ نہیں معلوم ہوا ہے کہ وہ ورثہ کس قدر تھا۔ اس کے بعد جناب خدیجہ بیش پچیس سال زندہ رہیں اور جناب رسولِ خدا کی مشن کی مدد اپنے مال سے کرتی رہیں۔ یہ نہیں سننے میں آیا کہ اس نکاح کے بعد بھی مال کے کارواں بغرض تجارت بھیجنے جاری رکھے میرے خیال میں اتنی بڑی تجارت کے قابل مال ہی نہ رہا ہو گا۔ وہ مال اب کیا باقی رہا ہو گا کہ جناب فاطمہ کے ورثہ میں آتا جس طرح پانی چھلنی میں نہیں ٹھہرتا اور عاشق کے دل میں صبر قرار نہیں پکڑتا۔ اسی طرح سخی لوگوں کے ہاتھ میں مال نہیں رہتا۔ حضرت بانو اس بادشاہ کی لڑکی تھیں جس نے مسلمانوں سے لڑائی میں پہل کی تھی

میاں بیوی کا آپس میں سلوک

ہر ایک واقعہ کے لیے سبب ہوتا ہے اور میاں بیوی کے آپس کے تنازعات کی بھی وجہ ہوتی ہے۔ یہ تنازعات اس وقت پیدا ہوتے ہیں کہ جب آپس میں طبیعت، مزاج اور کردار کا اختلاف ہوتا ہے۔ میاں غریب ہے اور بیوی فیشن پسند ہے۔ عیش و عشرت ہی کو مقصدِ حیات سمجھتی ہے۔ یا بیوی بہت عابدہ زاہدہ ہے عبادت ہی میں لگی رہتی ہے۔ میاں اور زوجیت کا خیال نہیں رکھتی یا آپس کا شخصی مقناطیس نہیں ملتا۔ جس کی وجہ سے ایک دوسرے کو پسند نہیں

کرتے۔ میاں باہر دوستوں میں اور کھیل کود میں منہمک رہتا ہے اور بیوی اور بچوں کی پرواہ نہیں کرتا ہے اور ایسی ہی اور اختلافات کی وجوہات ہو جاتی ہیں، لیکن یہاں بیوی بھی ایسی ہی زاہدہ، عابدہ اور خدا دوست جیسے کہ خاوند۔ دونوں مفلسی میں خوش۔ دونوں کا مقصد حیات ایک ہی۔ یعنی خدمت اسلام و اطاعت خدا اور رسول، دونوں حقوق خدا و حقوق بندگان کے ایک طرح ادا کرنے والے۔ بچوں کی محبت و تعلیم میں دونوں یکساں منہمک۔ عادت۔ خصائل۔ کردار۔ مزاج دونوں کا یکساں۔ پھر تنازعہ ہو تو کس بات پر ہو۔ دونوں میں کس طرح کی محبت تھی جناب امیرؑ کے اشعار و اقوال سے ظاہر ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ فاطمہ جنت کا ایک پھول تھیں جس کے مرجھانے کے بعد بھی میرا دماغ اس کی خوشبو سے معطر ہے اس افلاس و تنگی میں بھی کبھی خاوند سے کسی امر کی شکایت نہیں کی۔ بلکہ ان کی حالت دیکھکر خود حضرت علی نے کہا کہ اپنے والد سے ایک خادمہ مانگ لو۔ کئی کئی دن متواتر فاقوں سے گزرے۔ شکایت کا حرف ایک دفعہ زبان پر نہ آیا۔

اندریں صورت جب کوئی وجہ تنازعہ ہی نہ تھی۔ تو تنازعہ کہاں سے پیدا ہوتا۔ چنانچہ حضرت علی کے اشعار جو جناب فاطمہ کی تعریف میں ہیں وہ بتا رہے ہیں کہ دونوں کو آپس میں کتنا عشق تھا۔ جناب فاطمہ زہرا کے انتقال پر حضرت علی نے فرمایا

حبیب لیس یعدلہ حبیب	وما لسواہ فی قلبی نصیب
حبیب غاب عن عینی وجسمی	وعن قلبی حبیب لا تغیب

جناب رسولخدا فرمایا کرتے تھے کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ایذا دی۔ اس نے مجھے ایذا دی۔ اور جناب فاطمہ نے رحلت کے وقت کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ سے صاف کہدیا کہ تم دونوں نے مجھے سخت ایذا دی ہے میں تم دونوں سے ناراض ہوں۔ اور اپنے والد ماجد سے جنت میں ملونگی تو تمہاری شکایت ضرور کرونگی۔ لہذا کارکنان حکومت کے لئے ضروری ہوا کہ حضرت علی

پر بھی جناب فاطمہ کو ناراض ہوتا دکھائیں۔ اب ایک قصہ بنا رہا۔ ملک محمد الدین اپنی "خاتون جنت" میں اس قصہ کو اس طرح لکھتے ہیں۔

ایکدفعہ حضرت علی نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا۔ لڑکی والوں کو اندیشہ ہوا کہ شاید آنحضرت صلعم کو ناگوار ہو۔ اس لیئے آپ سے اجازت لینے آئے۔ ادھر فاطمہ نے بھی عرض کیا کہ دیکھئے سب لوگ اپنی لڑکیوں کی حمایت کرتے ہیں۔ مگر آپ کچھ خیال ہی نہیں فرماتے۔ اب علی ابوجہل کی بیٹی سے شادی کر کے مجھ پر سوت لانا چاہتے ہیں۔ اس حال کو سننے اور فاطمہ کو غمگین دیکھنے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دل پر چوٹ لگی۔ مسجد میں جا کر منبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں سے فرمایا کہ ہشام بن المغیرہ کے خاندان کے لوگ مجھ سے اجازت لینے آئے تھے کہ علی سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دیں۔ میں ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ اور خدا کے دشمن ابوجہل کی بیٹی ایک گھر میں جمع ہوں۔ یاد رکھو فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ اس کے رنج سے مجھے رنج ہوتا ہے۔ اور اس کی تکلیف سے تکلیف۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ناراضی دیکھکر علی نے کانوں پر ہاتھ رکھا اور جب تک فاطمہ زندہ رہیں کبھی دوسرے نکاح کا نام نہ لیا۔" [۵]

یہ قصہ اتنا غیر اغلب، خلاف عقل و فہم و ناممکن ہے کہ بغیر مزید بحث کے اس کو رد کر دینا چاہیئے۔ لیکن چونکہ اس سے علی کی فضیلت میں کمی اور ارکان سقیفہ بنی ساعدہ کے جرم میں رعایت کا امکان ہے لہذا ایک مورخ و محدث نے اس کو بغیر غور و فکر کے تسلیم کر لیا۔ ان بزرگواروں کی باتیں ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ جعفر و عباسہ کے عیش و عشرت کے واقعات کو محض ایک جملہ لکھکر ابن خلدون نے رد کر دیا۔ کہ خلیفہ رسول اور امیر المومنین کی بہن سے یہ بعید ہے کہ ایک نامحرم

---

[۵] خاتون جنت ص ۱۴۷

نسے ناجائز عشق کرتی ۔ ہر ایک تاریخ میں بلا تردید ان کے واقعات عینی درج ہیں
لیکن محض اس ایک جملہ سے ابن خلدون نے اس کی صحت سے انکار کر دیا۔ بخاری اصح الکتب
بعد کتاب باری سمجھی جاتی ہے۔ بخاری نے قصہ قرطاس کو ایک جگہ نہیں سات جگہ لکھا۔
مسلم نے دو جگہ لکھا۔ لیکن چونکہ حضرت عمرؓ کا قدم درمیان میں ہے۔ اس پر بھی تنقید
ہونے لگی۔ بخاری نے غلطی کی۔ عبداللہ ابن عباس کی عمر اس وقت پندرہ سولہ
سال کی تھی۔ ایسے بچےؐ کی روایت کو بخاری نے مان لیا۔ حضرت عمرؓ سے بعید ہے کہ
وہ جناب رسولخدا کی اس قدر گستاخی کرتے۔ جتنی کہ اس قضیہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ لو بس
قصہ ختم ہوا۔ بخاری بھی اس قیاس کی بنا پر مجروح ہو گئے۔ یوں تو عبداللہ ابن عباس
بحرالعلوم ہیں۔ لیکن یہاں ان کا بھی حافظہ ناقابلِ اعتبار۔ مسلم۔ بخاری۔ طبقات
ابن سعد، مشکواۃ سب اس قصے کو صحیح ماننے کی وجہ سے مجروح ہو گئے۔ لیکن عکرمہ
غلام جو حضرت علی کا بدترین دشمن اور مذہباً خارجی تھا ان ہی عبداللہ ابن عباس
کی طرف ایک غلط حدیث حضرت ابوبکر کے خوخہ کے متعلق منسوب کر دیتا ہے
تو وہ ہی عبداللہ ابن عباس اب قابل اعتبار بنجاتے ہیں۔ خوخہ کے واقعہ کے
وقت تو عبداللہ ابن عباس اور بھی چھوٹے ہوں گے۔ لیکن سب کچھ قبول
کیونکہ اس تدبیر سے ان جرگواروں کا کام بنتا ہے۔ اب ہم اس ابوجہل والی
لڑکی کی روایت پر غور کرتے ہیں۔

یہ روایت بخاری میں چار جگہ ہے۔

(ا) کتاب الخمس باب ۵ ص ۱۲۷ الجزء الثانی (ب) کتاب فضائل اصحاب النبی
باب ۱۶ ذکر اصہار النبی بخاری الجزء الثانی ص ۲۰۔ (ج) کتاب النکاح باب ۱۰۹
الجزء الثالث ص ۱۷۷ (د) کتاب الطلاق باب الشقاق ۱۲ الجزء الثانی ص ۱۸۲
یہ روایت مسلم میں تین جگہ ہے۔

(ھ) کتاب فضائل الصحابہ باب فضائل فاطمہ بنت النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام
الجزء السابع ص ۱۴۱، ۱۴۲

یہ روایت احمد حنبل میں چار جگہ ہے۔

(ح) الجزء الرابع صہ ۳۲۶ (ط) الجزء الرابع صہ ۳۲۶ (ی) الجزء الرابع صہ ۳۲۶

(ک) الجزء الرابع صہ ۳۲۸

یہ روایت ابن ماجہ میں ایک جگہ ہے۔

(ل) سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب الغیرۃ صہ ۱۴۵

(ا) کے اسناد یہ ہیں:۔

(۱) سعید بن محمد الجرمی (۲) یعقوب ابن ابراہیم (۳) ابراہیم (۴) ولید ابن کثیر (۵) محمد بن عمرو بن حلحلۃ الدولہ (۶) ابن شہاب (۷) علی بن حسین۔ (۸) مسور بن مخرمہ

(ب) کے اسناد یہ ہیں۔

(۱) ابوالیمان (۲) شعیب (۳) زہری (۴) علی بن حسین (۵) مسور بن مخرمہ

(ج) کے اسناد یہ ہیں:۔

(۱) قتیبہ (۲) اللیث (۳) ابو ملیکہ (۴) مسور بن مخرمہ

(د) کے اسناد یہ ہیں:۔

(۱) ابو ولید (۲) اللیث (۳) ابو ملیکہ (۴) مسور بن مخرمہ

(ھ) کے اسناد یہ ہیں۔

(۱) احمد بن عبد اللہ بن یونس (۲) قتیبہ بن سعید (۳) اللیث بن سعد (۴) عبد اللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ (۵) مسور بن مخرمہ

(و) کے اسناد وہ ہیں جو (ا) کے ہیں۔

(ز) کے اسناد وہ ہیں جو (ب) کے ہیں۔

(ح) کے اسناد یہ ہیں:۔

(۱) وہب بن جریر (۲) جریر (۳) نعمان (۴) زہری (۵) علی بن حسین (۶) مسور بن مخرمہ۔

(ط) کے اسناد یہ ہیں۔

(۱) ابوالیمان (۲) شعیب (۳) زہری (۴) علی بن حسین (۵) مسور بن مخرمہ۔

(ی) کے اسناد یہ ہیں:-

(۱) یعقوب (۲) ابراہیم (۳) ولید ابن کثیر (۴) محمد بن عمرو۔
(۵) ابن حلحلۃ الدوئلی (۶) ابن شہاب (۷) علی ابن الحسین (۸) مسور بن مخرمہ

(ک) کے اسناد یہ ہیں:-

(۱) ہاشم بن قاسم (۲) اللیث یعنی ابن سعد (۳) عبداللہ بن عبیداللہ بن ابوملیکہ (۴) مسور بن مخرمہ۔

(ل) کے اسناد یہ ہیں:-

(۱) عیسیٰ بن حماد (۲) اللیث بن سعد (۳) عبداللہ ابن ابی ملیکہ (۴) مسور بن مخرمہ۔

سب سے پہلے تو دیکھنے کی بات ہے کہ یہ تمام روایات صرف ایک صحابی سے منسوب ہیں اگر ان کو صحابی کہا جا سکتا ہے یعنی مسور بن مخرمہ۔ ان کی عمر چھ سال کی تھی جب جناب رسولخدا کا انتقال ہوا۔ ۵؎ علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ مسور مکہ میں ہجرت سے دو سال گزر نیکے بعد پیدا ہوئے تھے اور اواخر ذی الحجہ ۸ھ میں ان کے والد مکہ سے ان کو مدینہ لائے مسور کا انتقال ربیع الاول ۶۴ھ میں ہوا۔

رمضان ۸ھ ہجری میں مکہ فتح ہوا تھا۔ اور جناب رسولخدا کا انتقال ربیع الاول سنہ ۱۱ھ میں ہوا۔ گویا مدینہ میں مسور بن مخرمہ صرف دو سال اور دو مہینے رہے کہ جناب رسولخدا کا انتقال ہو گیا۔ اور جب وہ مدینہ آئے تو بقول حافظ ابن عبدالبر ان کی عمر پونے چھ سال کی تھی۔ اور بقول ابن طاہر مقدسی پونے چار سال کی۔ اور یہ واقعہ خطبہ دختر ابی جہل کا آنحضرت کی وفات سے اگر کچھ نہیں تو دو سال قبل ہوگا۔ فتح مکہ تک تو عکرمہ ابن جہل کافر تھا۔ اور یہ سب مکہ میں رہتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد عکرمہ ابن ابی جہل یمن چلا گیا۔ وہاں سے اس کی بیوی اس کو مدینہ لے آئی اور دونوں مسلمان ہوئے۔ اس کے بعد ہی یہ خطبہ کا واقعہ ہو سکتا تھا۔ تو گویا جب یہ واقعہ ہوا اور آنحضرت نے ممبر پر جا کر اس کا

۵؎ کتاب الجمع بین رجال الصحیحین لابی الفضل محمد بن طاہر بن علی المقدسی المعروف ابن القیسرانی الجزء الثانی صفحہ ۵۱۱ ذکر مسور بن مخرمہ عمنا ۲

اس کا اعلان کیا جس کو مسور روایت کرتے ہیں۔ اس وقت مسور کی عمر چار سال یا زیادہ سے زیادہ چھ سال تھی اور یہ آٹھ سال یا چھ سال کے تھے کہ جب آنحضرت کا انتقال ہوا۔ ابھی تو یہ سن تمیز کو بھی نہیں پہنچے تھے۔ ان کو صحابی کا لقب تو دیا ہی نہیں جاسکتا۔ ہم حیران ہیں کیا دنیا سے انصاف بالکل ہی معدوم ہو گیا۔ اس ظلم کی بھی کوئی حد ہے۔ اس چار یا چھ برس کے بچےّ کے اس قول پر اتنا اعتبار کیا گیا۔ شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں اس کو درج کیا۔ پھر ان پر اعتبار کر کے تمام محدثین نے روایت کیا۔ اتنے جوان و معمر صحابہ موجود تھے کسی نے اس کو نہیں سنتا۔ کوئی اس کو بیان نہیں کرتا۔ صرف مسٹر مسور نے سن لیا اور بہانگ دھل اس کا اعلان کردیا۔ اس ہٹ دھرمی کی بھی کوئی حد ہے۔ عبداللہ ابن عباس کی روایت کو شک کی نگاہ سے مولوی شبلی دیکھتے ہیں۔ کہ ان کی عمر صرف چودہ یا پندرہ سال کی تھی جب واقعہ قرطاس ہوا جس کو وہ بیان کرتے ہیں۔ اور یہاں چھ برس کے بچے پر اتنا اعتبار کیا جاتا ہے۔ ایک کوٹھے پر دو ہواؤں کی مثل سن کر ہم کہا کرتے تھے کہ ایسا کون بیوقوف ہو گا جس پر یہ مثل عائد ہوتی ہو گی۔ اب اتنے بڑے محدثین کو دیکھ لیا کہ کس طرح ایک کوٹھے پر دو ہواؤں کے قائل ہیں۔

غرضیکہ صرف اتنی ہی بحث کافی ہے کہ یہ روایت ایک چار پانچ برس کے بچے کی ہے جو ابھی تک اس سے بھی واقف نہ تھا کہ سچ کس کو کہتے ہیں۔ اور جھوٹ کیوں برا ہے۔ سچ بولنے کا فرض نہ اس پر عائد ہوتا تھا۔ نہ اس سے وہ واقف تھا۔ اس سے یہ بالکل ناممکن تھا کہ وہ ایک کلام مسلسل کو سن کر اسی طرح یاد رکھے گا کہ جس طرح وہ بیان ہوا تھا۔

دوسری وجہ اس کے ناقابل اعتبار ہونیکی یہ ہے کہ اس ایک ہی واقعہ کی مختلف روایات ہیں اور ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ہم اس امر پر بھی غور کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا روایات کل ۱۲ ہیں جن میں سے سات میں حضرت امام زین العابدین بھی ایک راوی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امام

زین العابدین ہی نے یہ روایت مسور سے سنی ہے۔ یہ سات روایتیں ا ب، د،
ز، ح، ط اور ی ہیں۔ ان میں آپس میں سخت اختلاف ہے۔ روایات ا، د،
ی کا مضمون بالکل مختلف ہے۔ روایات ب، ز، ح، ط سے

روایات ا، د، ی کا مضمون

ان روایات کا مضمون یہ ہے کہ جب امام زین العابدین علیہ السلام بعد شہادت امام حسین علیہ السلام دمشق سے مدینہ میں تشریف لائے۔ تو مسور ابن مخرمہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ کیا کوئی خدمت میں آپ کی کرسکتا ہوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تم سے کوئی حاجت نہیں ہے۔ اس پر مسور نے عرض کی کہ مجھے آپ سے حاجت ہے۔ اور وہ یہ کہ جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار جو آپ کے پاس ہے وہ مجھے آپ عطا کردیں۔ کیونکہ آپ سے تو یہ لوگ جبراً تلوار کو لے لیں گے اور میں مرتے مرتے ان کو تلوار نہ دوں گا۔ کیونکہ حضرت علی نے ابوجہل کی لڑکی سے یہ شادی کا خطبہ بھیجا تھا ایکہ حضرت فاطمہ زندہ تھیں۔ میں نے رسولخدا کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ فاطمہ مجھ سے ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ فاطمہ کے دین میں فتنہ نہ ڈالا جائے۔ پھر آنحضرت نے اپنے داماد ابوالعاص کی دامادی کی تعریف کی جو عبدشمس کی اولاد میں سے تھا اور فرمایا کہ ابوالعاص نے جو بات مجھ سے کی وہ سچ کی اور جو وعدہ کیا وہ پورا کیا اور بہ تحقیق میں ایسا نہیں ہوں کہ حلال کو حرام کردوں اور حرام کو حلال۔ لیکن قسم ہے خدا کی پیغمبر کی بیٹی اور خدا کے دشمن کی بیٹی ایک جگہ جمع نہ ہوگی

اب اس عبارت پر اچھی طرح غور کریں۔ یہ روایت اصح الکتب بعد کتب باری میں ہے ایک چھ برس کے بچہ کی روایت ہے۔ اس پر ایسا یقین تھا کہ محمد کی نبوت سے انکار ہو جائے تو ہو جائے۔ اس کی صحت سے انکار نہیں۔ محض اس وجہ سے کہ اس میں جناب علی مرتضیٰ کی مذمت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اور علی کی مذمت انکی آنکھوں کو ٹھنڈا کرتی ہے۔ ہم اس روایت کے حسن وقبح کی طرف ناظرین کی توجہ دلاتے ہیں۔

روایات ب، ز، ح کا مضمون

حضرت علی ابن الحسین امام زین العابدین

کہتے ہیں کہ مسور نے بیان کیا کہ علی نے ابوجہل کی لڑکی کے لیئے نکاح کا خطبہ دیا۔ یہ جناب فاطمہ نے سُن لیا۔ پس وہ اپنے والد کے خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ آپ کی قوم کو خیال ہوگیا ہے کہ آپ اپنی لڑکیوں کی حمایت و طرفداری نہیں کرتے علی کو دیکھیئے ابوجہل کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ پس آنحضرت ممبر پر تشریف لے گئے۔ میں نے سنا کہ آپ بعد حمد و ثنا فرمانے لگے کہ میں نے زینب کا نکاح ابوالعاص بن الربیع سے کیا۔ پس اس نے مجھ سے جو بات کی سچ کی اور جب کوئی وعدہ کیا وہ پورا کیا۔ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اور میں ناپسند کرتا ہوں کہ کوئی شے اسے رنج پہنچائے قسم بخدا رسولخدا کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی ایک شخص کے پاس مجتمع نہ ہونگی۔ علیؑ نے اپنا ارادہ ترک کردیا۔ محمد بن عمرو بن حلحلہ نے ابن شہاب سے اور اس نے امام زین العابدین سے اور انھوں نے مسور سے اتنے الفاظ اور تفصیلاً زائد کیئے ہیں کہ سُنا میں نے کہ جناب رسولخدا نے بنی عبدالشمس کی دامادی کا ذکر کیا اور اس کی تعریف کی اور فرمایا کہ اس نے (ابوالعاص بن الربیع جو بنو عبدشمس سے تھا) جو بات کہی سچ کہی اور جو وعدہ کیا وہ پورا کیا (نوٹ: یہ الفاظ کچھ زیادہ ہیں ورنہ مضمون تو ان کا متن روایت میں بھی آگیا ہے)

یک نہ شد دو شد۔ یہ وہ روایت ہے جس سے جناب فاطمہؑ و علی مرتضےٰ اور جناب رسول خدا کی توہین بیک وقت ہوتی ہے۔

وہ روایات جن میں حضرت امام زین العابدین کا توسل نہیں ہے ان میں چند میں تو امام زین العابدین کی بجائے مسور سے سننے والے ابو ملیکہ ہیں۔ یا ان کے پوتے عبداللہ ہیں۔ ابو ملیکہ والی روایات ج، د ہیں۔ ان کے بیٹے عبیداللہ والی سے کوئی روایت معلوم نہیں ہوتی۔ صرف ابن ماجہ والی روایت یعنی روایت (ل) میں عبداللہ کو ابن ابی ملیکہ لکھا ہے اور اس سے روایت کی ہے۔ یا تو یہ واقعی عبداللہ بن ابی ملیکہ کی روایت ہے یا غلطی کاتب سے عبیداللہ کی بجائے عبداللہ لکھا گیا۔ عبداللہ والی روایات ط اور ک ہیں۔ دراصل یہ نام کا مغالطہ ہی ان کی صحت

کے خلاف بہت مضبوط ثبوت ہے ۔ راوی کو یہ ہی پتہ نہیں کہ بیٹے سے سُنا یا پوتے سے سُنا کوئی بیٹا کہتا ہے کوئی پوتا ۔ اب ہم ان روایات ج ، د ، ہ ، ک ، ل پر غور کرتے ہیں ۔

روایت ج منبر پر مسور بن مخرمہ نے آنحضرت کو کہتے ہوئے سُنا کہ بنو ہشام مجھ سے اجازت چاہتے ہیں کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح علی ابن ابی طالب سے کر دیں ۔ میں نہیں اجازت دیتا ۔ نہیں اجازت دیتا ۔ نہیں اجازت دیتا ۔ لیکن اگر علی ابن طالب میری لڑکی فاطمہ کو طلاق دینا چاہتا ہے تو پہلے طلاق دیدے ۔ پھر وہ نکاح کر دیں فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اسے ایذا دی ۔ اسنے مجھے ایذا دی ۔ لیکن

روایت د میں فقط اتنا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ بنو المغیرہ مجھ سے اجازت مانگتے ہیں کہ وہ اپنی لڑکی علی سے بیاہ دیں ۔ پس میں اجازت نہیں دیتا ۔ غور کیجئے اس میں نہ تو طلاق کا ذکر ہے اور نہ ایذا کا ذکر ہے ۔ اور نہ نہیں کو تین دفعہ دہرایا گیا ہے ۔

روایت ہ اگرچہ الفاظ ذرا مختلف ہیں لیکن مضمون تقریباً وہ ہی ہے جو روایت ج میں ہے ۔

روایت ک اس روایت میں علی کے فاطمہ کو طلاق دینے کا ذکر نہیں ۔ اس کے علاوہ اس کا مضمون وہ ہی ہے جو روایت ج اور ہ کا ہے ۔

روایت ل اس روایت کا مضمون مطابق روایات ج ، ہ ہے ۔

ان روایات کا یہ اختلاف ، اضطراب ہی کافی ہے ان کو غیر معتبر ثابت کرنے کے لیے اب ہم اس قصے پر ایک **مبسوط تنقید و مکمل جرح** کرتے ہیں ۔

۱ ۔ یہ صرف ایک بچے کی سنی ہوئی روایت ہے جس کی تائید کسی صحابی نے نہیں کی

۲ ۔ مسور بن مخرمہ کی عمر اس روایت کے بیان ہونے کے وقت صرف چار یا چھ برس کی تھی ۔ اور انھوں نے اس روایت کو اس سے پہلے کسی سے بیان نہیں کیا ۔ ان کا انتقال ربیع الاول ۶۴ھ میں ہوا ۔ اہلبیت علیہم السلام کی دمشق سے واپسی پر یہ حضرت زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک یا دو سال کے اندر

ان کا انتقال ہو گیا۔ چار یا چھ سال کی عمر سے اس روایت کو اور اس کے مضمون کو دماغ میں ساٹھ سال تک یاد رکھنا بعید از قیاس ہے۔ اور اواخر عمر میں کیوں یکلخت ان کو اس کے بیان کرنیکی ضرورت ہوئی۔

۳۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ نے خود مسور ابن مخرمہ سے یہ روایت سنی ہے۔ اپنے باپ یا دادا کے ذریعے نہیں سنی۔ مسور ابن مخرمہ کا انتقال ۶۴ھ میں ہوا اور عبداللہ بن عبیداللہ ابن ملیکہ کا انتقال ۱۱۷ھ میں ہوا۔ گویا مسور ابن مخرمہ کے بعد عبداللہ ۵۳ سال زندہ رہے۔ غالباً سات یا آٹھ برس کے ہوں گے کہ جب یہ حدیث انھوں نے مسور سے سنی۔ عبداللہ کی تاریخ پیدائش ہمیں نہیں ملی۔ یہ بھی کم سنی کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں۔ بہرصورت یہ تو اس سے ظاہر ہوا کہ مسور نے اپنے چھ سال کی عمر سے اس روایت پر غور نہیں کیا۔ آخر عمر میں یکایک ان کو اس کے اظہار کی کیا ضرورت ہوئی۔ یہ یقینی ہے کہ اتنے عرصہ تک روایت کے صحیح الفاظ یاد نہیں رہ سکتے۔ اور چھ سال کا بچہ تو مضمون بھی یاد نہیں رکھ سکتا۔

۴۔ مسور ابن مخرمہ حضرت علی کی مخالف جماعت میں سے تھے۔ یہ حقیقی بھانجے عبدالرحمن ابن عوف کے تھے جنھوں نے حضرت علی کو نظر انداز کر کے حضرت عثمان کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ مسور بن مخرمہ ہی کے گھر میں شوریٰ ہوا تھا اور یہ رات بھر اسی تگ و دو میں لگے رہے کہ کسی طرح علی خلیفہ نہ ہوں۔

۵۔ بے ربطی اور ناموزونی موقع بھی ملاحظہ ہو۔ یہ جناب زین العابدین کی خدمت میں گئے تو جناب رسولخدا کی تلوار لینے۔ وہ کونسا موقع اور محل اس روایت کے بیان کا تھا جس کو ۵۰ سال کے عرصہ تک انھوں نے بیان نہیں کیا تھا۔ مانگ تو رہے ہیں تلوار اور کہہ رہے ہیں کہ علی نے فاطمہ کو ایذا دی۔ یہ کیا بات ہوئی۔ یہ کونسا محل تھا۔ کیا انھوں نے خیال کیا کہ یہ روایت سن کر جناب امام زین العابدین خوش ہونگے اور خوش ہو کر تلوار ان کو عنایت کر دینگے۔

۶۔ جس بنا پر مسور بن مخرمہ نے جناب زین العابدین سے تلوار مانگی وہ بھی

خلاف عقل ہے۔ انھوں نے کہا کہ بنوامیہ یہ تلوار تم سے تو چھین لیں گے اور میں مرتے دم تک نہ دونگا۔ کیا مطلب یہ تھا کہ تم کو اس تلوار کی قدر نہیں مجھے بہت قدر ہے۔ یا یہ کہ میں تمہاری نسبت زیادہ بہادر ہوں۔ تم تو دکھا کر دیدوگے اور میں مر جاؤں گا اور نہیں دونگا۔ اگر یہ کہتے کہ میں بنوامیہ کی جماعت کا آدمی ہوں مجھ سے وہ نہ لیں گے تو کچھ زیادہ مطابق عقل بات ہوتی۔ اور پھر اس منطق کی بنیاد پر جو مسور نے پیش کی امام زین العابدین اس کو کیوں تلوار دیں۔ اگر بنوامیہ لیں گے تو خزانہ شاہی میں تو محفوظ رہے گی۔ مسور صاحب کے پاس وہ کس مصرف کی تھی۔ اگر بنوامیہ تبرکات رسول کے ایسے دلدادہ تھے تو میدانِ جنگ ہی میں امام حسین علیہ السلام کے شہادت کے بعد لے جاتے۔ اور پھر تلوار ہی کیوں۔ اور بھی تو تبرکات تھے۔ عصا، عبا، عمامہ وغیرہ یہ بھی مسور صاحب کو چاہیئے تھا۔ کہ امام زین العابدین سے مانگ لیتے۔

۷۔ یہ بات زیادہ قابل غور ہے کہ کسی روایت میں ابوجہل کی اس لڑکی کا نام درج نہیں ہے کہ جس سے حضرت علی مرتضےٰ نکاح کرنا چاہتے تھے۔ آیا ابوجہل کی کوئی لڑکی قابل نکاح باقی بھی تھی یا نہیں۔ جب تک یہ سوال طے نہ ہو اس وقت تک اس روایت کی صحت کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ لڑکی کا نام وغیرہ نہ بتانا ظاہر کر رہا ہے کہ یہ تو یونہی ایک گپ چلادی ہے تاکہ کسی طرح تو حضرت علی کی فضیلت میں کچھ کمی واقع ہو۔

۸۔ یہ بھی نہیں معلوم اور نہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی کیوں ابوجہل کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ صرف چار وجوہات دوسری شادی کی ہو سکتی ہیں (۱) موجودہ زوجہ بد مزاج بد سلیقہ ہے۔ اس سے محبت نہیں (۲) موجودہ زوجہ کی اولاد نہیں ہوتی (۳) مرد میں اتنی طاقت ہے کہ ایک عورت اس کے لئے کافی نہیں (۴) کسی عورت سے عشق ہو گیا اور اس سے اب نکاح مطلوب ہے۔ موجودہ حالت میں ان چاروں وجوہات میں سے ایک بھی نہ تھی۔ اسلام میں لونڈیوں کا ایسا عمدہ اصول قائم تھا کہ خواہ مرد کتنا ہی طاقتور ہو جتنی چاہے کنیزیں رکھ سکتا تھا اور لڑائیوں میں ایسی آتی بھی رہتی تھیں۔ پھر حضرت علی کو کیا ضرورت ہو سکتی تھی۔ ممکن ہے

کہ حضرت زینب زوجہ زید اور آنحضرت کے معاملہ کو پیش کر کے یہ لوگ کہیں کہ جب
پیغمبر کسی غیر عورت کے حسن کی وجہ سے طلاق دلا کر خود شادی کر سکتے ہیں تو امت
میں سے کیوں نہ ایسا کوئی کر سکے۔ لیکن یہ بھی غلط خیال ہے نہ تو آنحضرت نے کہہ کر طلاق
دلوائی اور نہ زینب سے اُن کے حسن و جمال کی وجہ سے شادی کی۔ یہ ان لوگوں
نے ایک ایسا غلط قصہ بنا رکھا ہے کہ دشمنوں کو موقع مل جاتا ہے۔ بات تو یہ ہے کہ زید
نے زینب کو طلاق دیدی۔ اس کے بعد آیت قرآنی نازل ہوئی۔ کہ ہم نے تیرا نکاح
اس سے کر دیا۔ زید نے کیوں طلاق دی۔ اس کی وجہ نہ علامہ عبدالبر نے اور نہ علامہ حاکم نے لکھی
ہے۔ عرب میں طلاق عام تھی۔ زینب خاندان ہاشم سے تھیں۔ زید اس خاندان کے
مولی تھے۔ ممکن ہے کوئی رنجش ہوگئی ہو۔ آنحضرت تو زینب کے حسن و جمال سے
شروع ہی سے واقف تھے۔ ان کی پھپھی زاد بہن تھیں۔ زینب کی والدہ امیمہ
بنت عبدالمطلب تھیں۔ اگر حسن و جمال وجہ نکاح ہوتا تو آنحضرت شروع ہی میں
کیوں انکا نکاح زید سے کرتے۔ خود ہی نہ کر لیتے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ زید کا نکاح
و طلاق دونوں مصلحت کے ماتحت اور منشاء ربانی کے مطابق تھے۔ نکاح تو اس وجہ
سے ہوا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اسلام میں غلامی دراصل غلامی نہیں ہے۔ بلکہ آقا
اور غلام مساوی ہیں۔ ہاں ذاتی فضیلت اور بات ہے۔ اس میں غلام آقا سے بڑھ جائے
یا آقا غلام سے بڑھ جائے۔ جناب رسولخدا کے خاندان میں زید کی شادی ہونیکی یہ
مصلحت تھی۔ اس میں ایک خطرہ بھی تھا۔ زید اپنے تئیں واقعی آنحضرت کا متبنیٰ لڑکا
نہ سمجھنے لگیں۔ حضرت زید لوگوں میں آنحضرت کے متبنی مشہور ہوگئے تھے۔ اور اس بنا
پر ان کو زعم بھی تھا کہ اگر وہ حضرت علی سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں ہیں۔ ان کی مطلقہ
عورت سے آنحضرت کے نکاح کر لینے نے قطعاً ثابت کر دیا کہ اسلام میں تبنیت نہیں
اور زید کی حیثیت کسی صورت میں اولاد رسول کے برابر نہیں۔ اگر اولاد رسول میں
ہو جاتے تو پھر اہلبیت میں ہو جاتے اور اسطرح آیۂ تطہیر ان پر بھی حاوی ہو جاتی
جو کہ ناممکن تھا۔ وہ معصوم نہ تھے۔ عرصہ تک کافر رہ چکے تھے۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔

ہم کہہ رہے تھے کہ نہ تو یہ ثابت ہے کہ وہ نامعلوم دختر ابوجہل حسن وجمال میں جناب فاطمہ سے زیادہ تھی - اور نہ یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت علی کو اس دختر ابوجہل سے ایسا عشق ہو گیا تھا کہ حضرت فاطمہ کی عظمت اور جناب رسولخدا کی محبت دونوں کو بالائے طاق رکھ کر اس سے نکاح کرتے - یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ بیوہ تھی - کنواری تھی پھر کس سے شادی ہوئی - معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ہی قصہ کے لئے پیدا کی گئی تھی - اور اس کے بعد ہی ہوا میں ناپید ہو گئی - کیونکہ اس کا نام تک بھی ثابت نہیں ہوتا ہے

۹- تعجب ہے کہ اس لڑکی کے رشتہ داروں کو تو خیال آجائے کہ نکاح کرنے سے پہلے آنحضرت کی رضامندی تو حاصل کرلیں - لیکن حضرت علی جو اپنے تئیں آنحضرت کا مطیع وفرمانبردار سمجھتے تھے اور تھے بھی، یہ نہ خیال کریں کہ آنحضرت ناراض ہونگے لاؤ ان سے تو پوچھ لوں - کیا حضرت علی کا خیال تھا کہ اس بات کو اس قدر پوشیدہ رکھا جائے کہ جب نکاح ہو کر حضرت فاطمہ کی سوکن گھر پر آ ہی جائے تب آنحضرت کو معلوم ہو - یہ تو آنحضرت کی سخت ترین مخالفت تھی جس کا علی کی طرف منسوب کرنا ہی حماقت ہے - اور یہ امر عظیم اتنا پوشیدہ کیونکر رہ سکتا تھا -

اس روایت کے تراشنے والوں نے خیال کیا کہ ابھی تک حضرت علی کی کافی توہین نہیں ہوئی - لہذا آگے چلتے ہیں - کئی روایات ایسی گڑھی جاتی ہیں جن میں بیان کیا جاتا ہے کہ جناب رسولخدا نے اپنے کافر داماد ابوالعاص کو حضرت علی پر یہ فرما کر ترجیح دی کہ ابوالعاص، ہائے ابوالعاص کیسا اچھا شخص تھا - جب اس نے مجھ سے بات کی سچی بات کی اور اپنے ہر ایک وعدہ کو پورا کیا - اس موقع پر اس کی اس تعریف کا یہی مطلب ہے کہ برخلاف اس کے علی (معاذ اللہ) مجھ سے جھوٹ باتیں کہا کرتے ہیں اور جو وعدہ کرتے ہیں پورا نہیں کرتے - اگر آنحضرت کو خیال نہ رہا تھا تو حاضرین میں سے بھی کسی نے نہ جتایا کہ حضرت یہ تو وہ علی ہیں جن کی نسبت جناب فرمایا کرتے ہیں کہ اگر فلاں فلاں نبی کو دیکھنا ہو تو علی کو دیکھو - اب فرمایئے کہ علی کی یہ صفت کس نبی میں دیکھیں - معاذ اللہ من تلک الخرافات -

۱۱۔ شرع اسلامی نے ایک مسلمان کو چار عورتیں کرنیکی اجازت دی لیکن اس پر مجبور نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو چار بیبیوں تک بیک وقت رکھ سکتا ہے۔ کوئی اس امر سے نہیں روک سکتا۔ یہ اس کیلئے حلال ہے۔ کوئی اس کو حرام نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر وہ چاہے تو ایک پر بھی قناعت کرسکتا ہے۔ لیکن یہ اسکی اپنی مرضی ہے۔ چنانچہ جب رسولخدا نے حضرت خدیجہ کی زندگی میں کوئی اور نکاح نہیں کیا۔ کیا رسولخدا کے لیئے یہ جائز تھا کہ جو چیز خدا نے علی کے لیئے حلال کردی وہ حرام کردیتے اور علی کو مجبور کرتے کہ دوسرا نکاح نہ کرے۔ آجکل کے بعض والدین اپنے دامادوں سے کبھی کبھی لکھوا لیا کرتے ہیں کہ ہماری اس لڑکی کی موجودگی میں تم دوسرا نکاح نہ کرنا۔ لیکن جب عدالت میں معاملہ جاتا ہے تو جج فوراً اس اقرار کو اس بحث کے ساتھ کالعدم و ناجائز قرار دیتا ہے کہ مسلمہ شرع کے خلاف کوئی معاہدہ نہیں ہوسکتا۔

۱۲۔ اس حلال کو حرام کرنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ رسولخدا کی بیٹی اور عدو اللہ کی بیٹی ایک گھر میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ ابوجہل کی لڑکی تو جو بھی ہوتی مسلمان ہوگی۔ ابوجہل مرچکا تھا۔ خود تو وہ مسلمان تھی۔ ان لوگوں کو یہ نہ خیال آیا کہ زینب و رقیہ و ام کلثوم آنحضرت کی صلبی لڑکیاں تھیں۔ کافر خاوندوں سے بیاہی ہوئی تھیں۔ جب رسول خدا کی لڑکیاں خود عدو اللہ کے تحت میں رہ سکتی ہیں تو اگر رسولخدا کی لڑکی کے ساتھ ایک اور مسلمان لڑکی آگئی جس کا باپ کافر تھا تو کیا ہرج ہوا۔ کیا رسولخدا نے کسی عورت سے نکاح نہیں کیا تھا جس کے ماں باپ کافر رہ چکے تھے یا کفر ہی پر مر چکے تھے۔ جب خود رسولخدا کے ساتھ عدو اللہ کی بیٹی کا اجتماع ہوسکتا ہے تو رسولخدا کی دختر کے ساتھ ایک عدو اللہ کی لڑکی کیوں نہ رہ سکے۔

۱۳۔ کیا سوکن کے آنے سے جناب فاطمہ کو ایذا ہوتی۔ ارے خدا کے بندو، ڈرو خدا سے۔ کیوں نبی ایک کی توہین کرنے پر تلے ہوئے ہو۔ کیا سوکن کے آنے سے ایذا ہوتی ہے اور ہونی چاہیئے؟ اگر ایذا ہوتی ہے اور ہونی چاہیئے تو کیا یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ چار بیبیوں کی اجازت دیکر تمام امت کی لڑکیوں کو

تو ایذا دیدی اور اپنی لڑکی کو بچا لیا۔ پھر ایسا ایذا دینے والا قانون ہی کیوں بنایا۔ بجائے ممبر پر جا کر ایسا اعلان کرنے کے کہ جس میں اپنی بھی ہتک ہوتی تھی۔ کیوں نہ آنحضرت نے یہ قانون ہی منسوخ کرا دیا یا کر دیا۔ تمام امت کی لڑکیاں حضرت فاطمہ کے طفیل سے اس ایذا سے بچ جاتیں۔

۱۴۔ حضرت فاطمہ نے کبھی فقروفاقہ کی شکایت نہ کی۔ چکی پیسنے کی شکایت نہ کی گھر کا پانی بھرنے کی شکایت نہ کی۔ شکایت کی تو کس کی۔ جو خدا کی طرف سے علی کے لیئے جائز تھا۔ اور کوئی منع نہیں کر سکتا۔ یہ اُن کی شان سے بعید تھا۔ اگر برا بھی لگتا تو صبر کرتیں۔ زبان پر نہ لاتیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے کبھی اہلبیت علیہم السلام کی عظمت و رفعتِ شان کو نہ سمجھا۔ اہلبیت علیہم السلام کو لوگوں کی نظروں میں گرانیکی تحریک عرصہ سے جاری ہو چکی تھی۔ اور ایسی جھوٹی روایات اس ہی پالیسی کے ماتحت تراشی گئی ہیں۔ تاکہ لوگ ان کو معمولی انسان سمجھیں۔ اور یہاں تو حضرت فاطمہ کو معمولی عورتوں سے بھی گرا دیا۔ کیا آپ کے تجربہ میں نہیں آیا کہ اکثر نیک بخت عورتیں خاوند کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھ کر ان کے دوسرے نکاح میں خود سعی کرتی ہیں۔ اور جو محبوبہ خاوند کی آتی ہے اس کی خود خدمت کرنے لگتی ہیں۔ ایسی عورتیں ہوتی ہیں اور ضرور ہوتی ہیں اگرچہ کم ہوں۔ لیکن حضرت فاطمہ کو ان لوگوں نے یہ درجہ بھی نہ دیا۔ حالانکہ عرب میں دوسری عورت کا آ جانا معمولی بات تھی۔ اور پہلی عورت کے لیئے باعثِ ایذا نہیں ہوا کرتا تھا۔ وہاں تو عام رواج تھا۔ جہاں کسی بات کا عام رواج ہو۔ وہاں وہ بات نہ تو تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے۔ اور نہ اس سے ایذا ہوتی ہے۔

۱۵۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جناب سیدہ نے فرمایا کہ آپ کی قوم کو یقین ہو گیا کہ آپ اپنی لڑکیوں کی طرفداری نہیں کرتے۔ این گل دیگر شگفت۔ ایک نظر سے تو یقین نہیں ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی متواتر نظیریں بے اتفاقی کی تھیں

اور فقط ایک ہی لڑکی کی طرف سے نہیں بلکہ سب لڑکیوں پر یہ جملہ حاوی ہے۔ تاریخ اور حدیث تو کوئی ایسی نظیر نہیں دیتا تی۔

۱۶۔ ایسی مطیع و فرماں بردار زوجہ سے کہ جیسی حضرت فاطمہ تھیں یہ ناممکن ہے کہ حضرت علی سے اس بات پر ناراض ہوئیں جو خدا نے علی کے لئے حلال کر دی تھی

۱۷۔ جناب رسالت مآب جیسے شارع اسلام سے یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ امت کے لئے جو امر جائز کر دیں وہ علی کے لئے محض حضرت فاطمہ کی خاطر حرام کر دیں۔

باب ہفتم

فضائلِ فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا

پہلے زمانے کے لوگ قرآن و احادیث سے واقف تھے۔ عالم فقہ و شریعت تھے۔ اہلبیت کی منزلت اور ان کے فضائل سے آگاہ تھے۔ اور جانتے تھے کہ بے حب اہل بیت عبادت حرام ہے۔ امام شافعی سُنی ہی تو تھے جنھوں نے فرمایا ہے کہ ؎

ما علیؑ بشر کیف بشر	رب فیہ تجلّی و ظہر

اور پھر فرماتے ہیں

علیؑ حبہٗ الجنہ	قسیم النار و الجنہ
وصی مصطفےٰ حقہ	امام الانس و الجنہ

حضرت شاہ شرف الدین بو علی قلندر کا مشہور قصیدہ حضرت علی کی تعریف میں ہے جس کا مطلع یہ ہے

اے رونق ارض و سما زینت دہ عرش علا	خورشید قدرت را ضیا نور جناب کبریا

یہ نہایت عمدہ قصیدہ ہے۔ البلاغ المبین حصہ اوّل میں ہم نے پورا نقل کیا ہے۔ یہاں ہم چند اشعار نقل کرنے پر مجبور ہیں۔

استاد جبریل امیں علام علم ادلیں	تفسیر قرآن مبیں کشاف راز کبریا

حاجت روائے مومناں مشکلکشائے دو جہاں ؏ روشن چراغ عز و شان شاہنشہ روز جزا
اے دستگیر بیکساں وے رہنمائے مومناں ؏ اے واقف راز نہاں آگاہ از راز خدا
معجز نما عیسیٰ نفس شیر خدا فریاد رس ؏ مشکلکشا مشکلت نہ کس اے دستگیر دوسرا
نور تو نفس احمدی جسم تو نور سرمدی ؏ اول ز عالم تو بدی بعد از تو خلق ارض و سما
در شان پاکت اے علی نازل شدہ ناد علی ؏ جبریل با صوت علی خواندہ بشانت لافتیٰ
باشد مطیع حکم تو در ہر دو عالم ہر چہ ہست ؏ در تحت فرمانت بود از عرش تا تحت ثرا
اے بستر آرائے نبی ہمراز ہم نفس و وصی ؏ حامی وقت بیکسی اے دست حق روز جزا
برج امامت را شرف فخر رسولاں سلطنت ؏ ذاتت گہر کعبہ صدف این آبرو حاصل کرا
حیدر توئی صفدر توئی علم نبی را در توئی ؏ سرور توئی لشکر توئی اے مفخر آل عبا

یہ بھی تو اہل سنت والجماعت ہی تھے تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ اب تو جاہلیت کا دور ہے۔ اسلام سے بیرخی ہے قرآن ایک حرف پارینہ سمجھا جاتا ہے شریعت و فقہ پرانے سیدھے سادھے لوگوں کو خوش کرنیوالی چیزیں تھیں۔ زمانہ حال کی ترقیات کا مقابلہ ان سے نہیں ہوسکتا اب تو جو کچھ بھی ہے دنیاوی عزت و وجاہت ہے۔ پیسہ خدا ہے اور قوم و وطن دو اصنام معظم ہیں جن کی پرستش ان کے خمیر میں داخل ہو گئی ہے۔ چند نو تعلیم یافتہ نوجوانوں کی یہ جماعت ہے، جن کو قرآن، فقہ، حدیث سے تو مطلقاً مس نہیں۔ وہ اپنے تئیں اہل سنت وجماعت کچھ مذہب کو سمجھ کر نہیں کہتے ہیں بلکہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس مذہب کی اکثریت ہے اور اکثریت آج کل کے فیشن میں حکمرانی کی علامت ہے۔ اکثریت سے قومیت بنتی ہے۔ لہذا وہ اکثریت میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں نے بوجہ ناواقفیت احادیث و شریعت دشمنی علی و اہلبیت کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ محض اس وجہ سے کہ ان کے خیال میں حب علی قومیت و وطنیت کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے۔ احادیث رسول کی مخالفت کرنے سے ان کے ایمان میں کچھ فرق نہیں آتا۔ ماضی کی ایک تاریخی کتاب سمجھ کر قرآن شریف پڑھا انھوں

نے نظر ڈالی تو وہاں لکھا ہوا نظر آگیا کہ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ بس اب کیا تھا ایک سند ہاتھ آگئی۔ سوچنے اور غور کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ مساوات کے تو پہلے ہی دلدادہ تھے۔ رسولِ خدا کو ایک معمولی آدمی سمجھ کر نکتہ چینیوں کا طومار باندھ دیا۔ پہلے ہی سے ان کے دل میں ایک خیال جانگزیں تھا جس کو وہ زبان پر نہیں لاتے تھے۔ لیکن ان کے اقوال، افعال و معتقدات سے وہ بالکل نمایاں ہوتا ہے کہ آنحضرت محض اپنے خاندان میں حکومت کو منحصر کرنا چاہتے تھے۔ اس خیال سے انھوں نے علیؑ کو چن لیا۔ ان کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ بیٹیاں کئی تھیں لیکن تعریف اُس ہی بیٹی کی کرتے ہیں کہ جس کو علیؑ کی زوجیت میں دیتے ہیں۔ ان ہی کے بچوں کو بڑھاتے ہیں۔ کندھوں پر لیئے پھرتے ہیں جنت کا پروانہ لوگوں کو اُن ہی کے ہاتھ سے دلاتے ہیں۔ یہ فقط حکومت کو اپنے خاندان میں ملانے کی ترکیبیں تھیں۔ سقیفہ والوں نے عین جمہوریت و مساوات کے اصول پر عمل کر کے جنابِ رسولِ خدا کے منصوبوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ ان کا یہ فعل لائقِ صد ستائش ہے۔ اور اصل میں وہ ہی لوگ تھے جنھوں نے اسلام کو جمہوریت کے اصولوں پر چلا کر بچا لیا۔

یہ ہے ان لوگوں کا مجموعۂ خیالات اور جوں جوں جہالت بڑھتی جاتی ہے شریعت وقفہ سے بعد ہوتا جاتا ہے۔ انکی جماعت میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ ہم نے سوچا کہ ان کے مرض کو کس طرح دور کیا جائے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ پرانے اور مزمن مرض کا علاج اطبا کس طرح کرتے ہیں۔ اول ایسی ادویہ دیتے ہیں کہ اندر بیٹھا ہوا پرانا مرض اوپر آجائے اور اس میں تیزی آجاوے۔ جب مرض میں تیزی و شدت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ اب اس کے علاج کا وقت آگیا۔ اب ایسی ادویہ دیتے ہیں کہ جس سے مرض فوراً دور ہو جاتا ہے۔ ہم نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے محض یہ ثابت کرنے کے لیئے کتابیں لکھی ہیں کہ ان لوگوں کو اور کوئی چارہ نظر آئے: سوائے یہ کہنے کے کہ واقعی جنابِ رسولِ خدا کی یہ خواہش تھی کہ علیؑ خلیفہ ہو جاویں۔ اور

انھوں نے علی کو خلیفہ مقرر کر کے اس کا اعلان بھی کر دیا۔ لیکن یہ سب جناب رسولخدا کی بشریت کا تقاضا تھا۔ وہ ایک سخت غلطی کرنے کے لیئے آمادہ ہو گئے۔ لیکن اراکین سقیفہ نے جن میں محبت و ہمدردی اسلام کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ان کے ان منصوبوں کو نہ چلنے دیا۔ اور یہ اسلام کے لیئے بہت اچھا ہوا۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ آپ کے دل کی بات آپ کی زبان پہ تو آئے۔ آپ اپنے مولویوں کے سامنے دنیا کے سامنے اپنے ان خیالات کا اظہار تو فرمائیں اس کے بعد جو بحث ہوگی وہ بہت سادی اور صاف ہوگی۔ وہ بحث تو اتنی ہی ہوگی کہ آپ جناب محمد مصطفےٰ صلعم کو صادق الہیٰ پیغمبر ماننا چھوڑ دیں اور اپنے تئیں مسلمان نہ کہیں پس بحث ختم لیکن اگر قوت حجت زیادہ مضبوط ہو گئی ہے تو آپ فرمائیں گے کہ جناب رسولخدا کے یہ احکام ان کے عہدۂ نبوت سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ لہذا ہم ان کے ماننے یا نہ ماننے کے مختار ہیں۔ اس کا مفصل جواب ہم اپنی کتاب التفریق والتحریف فی الاسلام میں دے چکے ہیں۔ اگر اپنا جانشیں مقرر کرنا اور اپنے بعد اسلام کے چلنے اور ترقی پانے کا انتظام کرنا بھی عہدۂ نبوت میں شامل نہیں تو کیا وہ نبوت عرصہ بیس یا تئیس سال ہی کے لیئے دنیا میں آئی تھی۔ اس کے بعد نبوت و کار نبوت ختم ہو گیا

اب رہا بشریت کا عذر اور بشریت کی کمزوری کی وجہ سے اپنی اولاد اور اقربین کے فضائل بیان کرنا تو اس کے دو جواب ہیں ایک تو یہ کہ جناب رسولخدا کی محبت و نفرت خدا کے لیئے اور امور دین کی وجہ سے ہوا کرتی تھی۔ جناب رسولخدا جانتے تھے کہ ان لوگوں سے میرے دین کے کھیت کی آبیاری ہوگی۔ ان سے محبت کرتے تھے اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کا مطلب تو فقط اتنا ہے کہ میں تمہاری ہی نوع سے ہوں اور ان ہی قوانین قدرت کا پابند ہوں کہ جن کے تم ہو۔ میں غیر جنس کا فرشتہ یا جن نہیں ہوں۔ بشر یہاں نوعیت کے خیال سے استعمال ہوا ہے نہ کہ فضیلت اور گناہوں کے اعتبار سے۔ فضیلت کے لحاظ سے تو رسولوں کی نسبت فرمایا گیا ہے کہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ دنیا میں ہم

دیکھتے ہیں کہ ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے۔ ساری بحث کو جانے دو۔ ان بزرگوں کے سوانح حیات ان کے ان فضائل کو ثابت کرتے ہیں یا نہیں جو رسولِ خدا نے بیان فرمائے تھے۔ آنحضرت کی رحلت کے بعد سارے ہی اصحاب دنیا کی طرف دوڑے۔ ان میں سے بھی کوئی ایسا تھا جو اسلام کو چھوڑ کر اُدھر گیا ہو۔ حضرت علی نے جو صبر کیا وہ محض محبتِ اسلام کی وجہ سے کیا اور کوئی ایسا صبر کر سکتا تھا؟ سارے ہی اصحاب دین کو مٹتا ہوا دیکھ رہے تھے لیکن سوائے حسین کے کوئی اور آگے بڑھا؟ اور اس بڑھتے ہوئے سیلابِ کفر کو روکا؟ ہم جناب فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کے فضائل جناب رسولِ خدا کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ آپ دیکھئے کہ جناب معصومہ کی سوانح حیات سے ان فضائل کی تائید ہوتی ہے یا نہیں۔ اس عورت کے فضائل کا کیا کہنا جس نے اپنی گود میں حسین اور زینب جیسی اولاد کو پالا ہو اور اسلام کا شیدائی بنایا ہو۔ جس نے محمد جیسے پیغمبر اور باپ کی ہدایت پر ایسا عمل کیا کہ جناب رسولِ خدا کے منہ سے اُن کی تعریف ہی نکلی۔ جس نے علی جیسے شوہر کے منہ سے یہ کہلوالیا کہ فاطمہ ایک جنت کا پھول تھیں جس کے کملانے کے بعد بھی اُس کی مہک میرے دماغ کو معطر کر رہی ہے، جس نے اپنے ہمسایوں کی تکلیف کو گوارا نہ کیا۔ اور اپنا گھر چھوڑ کر جنت البقیع میں جا کر باپ کو رونا قبول کیا۔ جس نے خدا کی اتنی عبادت کی کہ اپنے تمام فرائض ادا کرتے ہوئے دن کو روزے رکھے اور رات کو اتنا نمازوں میں کھڑی رہیں کہ پاؤں پر ورم آگیا۔ ان کے تو خود سوانح حیات ہی ان کے فضائل ہیں۔ اگر رسولِ خدا نے اپنی زبان سے کہدیا کہ فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہے تو محض ایک امر واقعہ بیان کیا۔ کچھ تعلی نہیں کی۔ بڑی بڑی عورتیں ان سے پہلے گزری ہیں۔ حضرت مریم سے بڑا کون ہو سکتا تھا۔ لیکن وہاں خاوند کی اطاعت کا شعبہ خالی ہے۔ ایک ہی بچہ پالا اور وہ بھی مصیبت کے وقت آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ حضرت فاطمہ نے جتنے بچے پالے وہ سب راہ خدا میں قربان کر دیے۔ اور ان میں سے ایک بچہ تو ایسا تھا کہ جس نے اس فضیلت کو پورا کیا جو حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل اور حضرت عیسیٰ کو ملتے

ملتے رہ گئی اور جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کئی مصالح سے مناسب سمجھی گئی یعنی شہادت۔ اپنے اور اپنی اولاد کے سروں کو راہِ خدا میں پیش کر دینا اپنی دولت کو لٹا دینا۔ ناموس تک کو خدا کے حوالے کر دینا۔ یہ کون کر سکتا تھا سوائے فاطمہ کے فرزند کے۔ ایسی عورت ایسی حور جنت کے لئے یہ کہنا کہ اس کے باپ نے جو اس کے فضائل بیان کئے ہیں فقط پدری محبت کی وجہ سے کئے ہیں۔ ظلم نہیں تو کیا ہے۔ اب ہم جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کے چند فضائل بیان کرتے ہیں۔ تمام فضائل بیان کرنے تو طاقتِ بشری سے باہر ہیں۔

مسلم و ترمذی وغیرہما نے واثلہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا جناب رسولخدا نے کہ خداوند تعالےٰ نے بنو اسماعیل میں سے کنانہ کو منتخب کیا۔ اور بنو کنانہ میں سے قریش کو منتخب کر لیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو منتخب کر لیا۔ اور بنو ہاشم میں سے مجھکو منتخب کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ خداوند تعالےٰ نے اولاد آدم میں سے ابراہیم کو منتخب کیا اور اپنا خلیل بنایا اور اولاد ابراہیم میں سے اسمٰعیل کو اور اولاد اسمٰعیل میں سے نزار کو، اولاد نزار میں سے مضر کو اور اولاد مضر میں سے کنانہ کو، اولاد کنانہ میں سے قریش کو، قریش میں سے بنو ہاشم کو، بنو ہاشم میں سے اولاد عبد المطلب کو اور اولاد مطلب میں سے مجھکو منتخب کر لیا۔[۵۹]

ابو سعد نے شرف النبوۃ میں اور محب الدین طبری نے ذخائر العقبیٰ میں روایت باسناد کی ہے کہ جناب رسولخدا نے فرمایا کہ جب میں معراج کی رات کو آسمان پر گیا تو جبریل علیہ السلام نے مجھکو ایک سیب جنت الفردوس میں سے لا کر دیا اور وہ میں نے کھایا۔ وہ نطفہ بنا اور جب میں نے خدیجہ سے مقاربت کی تو اس نطفہ سے وہ حاملہ ہوئیں۔ اور فاطمہ پیدا ہوئیں۔ پس جب مجھکو جنت کا شوق ہوتا ہے تو میں فاطمہ کی خوشبو سونگھ لیتا ہوں۔[۶۰]

جن لوگوں نے اس روایت کی جرح اس بنا پر کی ہے کہ جنابِ فاطمہ نبوت سے

---

[۵۹] ابن حجر مکی صواعق محرقہ۔ الباب الحادی عشر الفصل الثالث ص ۱۱۳

[۶۰] شیخ شبلنجی: نور الابصار ص ۴۰

پانچ سال پہلے پیدا ہو چکی تھیں۔ لہٰذا یہ روایت غلط معلوم ہوتی ہے۔ وہ ایک صحیح روایت کی جانچ پرتال غلط روایت سے کرتے ہیں۔ دراصل یہ غلط ہے کہ جناب فاطمہ بعثت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ وہ بعثت سے پانچ سال بعد پیدا ہوئی تھیں۔

حاکم نے حضرت خدیفہ سے باسناد خود روایت کی ہے کہ جناب رسولخدا نے فرمایا کہ ایک فرشتہ آسمان سے نازل ہوا جو اس سے قبل میرے پاس نہیں آیا تھا اس نے مجھے اطلاع دی کہ وہ خاص طور سے خداوند تعالے سے اجازت لے کر مجھے یہ بشارت دینے نازل ہوا ہے کہ فاطمہ جنت کی عورتوں کی سیدہ یعنی سردار ہے [۶۱]

حاکم وغیرہ نے باسناد خود حضرت علی و دیگر صحابہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسولخدا کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ قیامت کے دن ایک منادی حجاب کے پیچھے سے ندا کریگا کہ اے اہل محشر اپنی آنکھیں بند کرو یہاں تک کہ فاطمہ بنت محمد گزر جائیں۔

حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث شرائط بخاری و مسلم کے بموجب صحیح ہے لیکن ان دونوں نے روایت نہیں کی [۶۲]

حاکم نے مستدرک میں اور ذہبی نے تلخیص میں حضرت عائشہ سے روایت کی ہے وہ کہتی ہیں کہ جناب رسولخدا نے اپنے مرض موت میں فاطمہ سے فرمایا کہ اے فاطمہ کیا تو اس سے راضی نہیں ہے کہ تو تمام دنیا کی عورتوں کی اور اس اُمت کی تمام عورتوں کی اور تمام مومنین کی عورتوں کی سیدہ و سردار ہے [۶۳]

ابوسعید الخذری صحابی سے مروی ہے کہ جناب رسولخدا نے فرمایا کہ فاطمہ تمام جنت کی عورتوں کی ماسوائے مریم بنت عمران کے سردار و سیدہ ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کے اصول کے مطابق صحیح ہے لیکن انھوں نے بیان نہیں کی [۶۴]

---

[۶۱] مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث ص۱۵۱، اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص۲۲۹ [۶۲] مستدرک الجزء الثالث ص۱۵۱، مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص۱۲۴ [۶۳] اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص۲۲۷، ۳۰ ۴۲۴ مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث ص۱۵۶ صحیح مسلم الجزء السابع ص۱۴۳

مسند ابی داؤد طیالسی۔ حدیث ۱۳۷۳ [۶۴] مستدرک الجزء الثالث ص۱۵۴ مسند احمد حنبل الجزء الثالث ۶۴، ۸۰ اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص۲۲۹، ۳۰ ۴۲۴

بخاری و مسلم نے اپنے اپنے اسناد سے روایت نقل کی ہے کہ فرمایا جناب رسولخدا نے کہ اے فاطمہ تم سیدہ نساء المومنین عالم ہو ۶۵

جناب رسولخدا نے فرمایا کہ افضل نساء اہل جنت چار ہیں۔ خدیجہ بنت خویلد۔ فاطمہ بنت محمد۔ آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران ۶۶

جناب رسولخدا نے فرمایا کہ حسن و حسین سرداران جوانان اہل جنت ہیں اور فاطمہ سیدہ نساء الجنت ہے ۶۷

انس بن مالک، خادم رسول اللہ کہتے ہیں میں نے اپنی والدہ سے جناب فاطمہ کی نسبت سوال کیا انھوں نے کہا کہ ان کا چہرہ مثل ماہ شب چہاردہم کے تھا یا مثل آفتاب کے جب وہ بادلوں سے نکلے اور تاریکی کو دور کر دے۔ چہرے پر سفیدی و سرخی تھی اور ان کے بال جناب رسولخدا کے بالوں کی طرح تمام لوگوں سے زیادہ کالے تھے ۶۸

اس سے معلوم ہوا کہ جناب فاطمہ تمام لوگوں سے پردہ کرتی تھیں۔ تب ہی تو انس بن مالک کو ضرورت ہوئی کہ انکی نسبت اپنی والدہ سے دریافت کرے۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے فاطمہ سے زیادہ کسی کو گفتگو اور لہجہ میں آنحضرت کے مشابہ نہیں دیکھا ۶۹

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب حضرت فاطمہ جناب رسولخدا کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھیں

---

۶۵ صحیح بخاری کتاب الاستئذان باب من ناجی بین یدالناس الجزء الرابع ص ۶۵ صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب فضائل فاطمہ الجزء السابع ص ۱۴۳، اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص ۴۲۷

۶۶ مسند امام احمد حنبل الجزء الاول ص ۲۹۳، الجزء الثالث ص ۱۳۵، مستدرک الجزء الثالث ص ۱۵۷، اعیان الشیعہ الجزء الثانی ۴۲۸

۶۷ مسند امام احمد حنبل، الجزء الخامس ص ۳۹۱

۶۸ مستدرک الجزء الثالث ص ۱۶۱

۶۹ مستدرک الجزء الثالث ص ۱۶۰، ۱۵۴

تو آنحضرت سروقد کھڑے ہو جاتے تھے ۔ مرحبا کہتے تھے ۔ چومتے تھے اور اپنے پاس بٹھا لیا کرتے تھے ۔ اور جب آنحضرت فاطمہ کے پاس تشریف لاتے تھے تو حضرت فاطمہ اسی طرح کھڑی ہو جایا کرتی تھیں ۔ استقبال کرتی تھیں اور آنحضرت کے ہاتھوں کو چوم لیتی تھیں نٹ ۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ جناب رسولخدا نے مجھے فرمایا کہ سب سے پہلے جنت میں میں (یعنی علی) فاطمہ اور حسن اور حسین علیہم السلام داخل ہونگے ۔ حضرت علی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ ہمارے محب ۔ آنحضرت نے جواب دیا کہ وہ تمہارے بعد جنت میں داخل ہونگے اٹ

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے جناب فاطمہ سے زیادہ کسی کو سوائے ان کے باپ کے سچا نہیں دیکھا ۔ ایک دفعہ جناب رسولخدا اور حضرت عائشہ میں کچھ تنازع ہو گیا ۔ جناب عائشہ نے رسولخدا سے کہا کہ آپ فاطمہ سے پوچھ لیں کیونکہ وہ کسی حالت میں جھوٹ نہ بولیں گی ۲ٹ

حضرت فاطمہ کی ذریت پر نار جہنم حرام ہے ۔ جناب رسولخدا فرمایا کرتے تھے کہ فاطمہ کی ذریت پر نار جہنم حرام ہے ۳ٹ

جمیع بن عمیر کہتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ میں نے پردہ کے پیچھے سے سنا کہ میری والدہ نے حضرت عائشہ سے حضرت علی کی نسبت سوال کیا ۔ میں نے سنا کہ حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ دنیا کے تمام مردوں میں سب سے زیادہ آنحضرت کو حضرت علی سے محبت تھی اور عورتوں میں سب سے زیادہ محبت آنحضرت کو حضرت فاطمہ سے تھی ۴ٹ

عبداللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ جب جناب رسولخدا سفر پر باہر تشریف لے جاتے تھے

نٹ مستدرک الجزء الثالث ص ۱۶۰ ، ۱۵۴ مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص ۹
اٹ مستدرک الجزء الثالث ص ۱۵۱
۲ٹ ابو نعیم اصفہانی حلیۃ الاولیاء المجلد الثانی ص ۴۲
۳ٹ مستدرک الجزء الثالث ص ۱۵۲ مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص ۶
۴ٹ مستدرک الجزء الثالث ص ۱۵۴، ۱۵۵، صحیح ترمذی من بریدہ مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص ۸ اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص ۳۰۴ الاستیعاب ابن عبدالبر

تو سب کے آخر میں حضرت فاطمہ سے ملنے آتے تھے اور جب سفر سے واپس آتے تھے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ سے ملاقات کرنے ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے ۵ے

ابن شریح نے اپنے اسناد سے حضرت جعفر الصادق سے، ابوسعید الواعظ نے شرف النبی میں حضرت علی سے ابوصالح مؤذن نے کتاب الفضائل میں ابن عباس سے، ابوعبداللہ عکبری نے ابانہ میں، محمود الاسفرائینی نے دیانت میں۔ بلکہ تمام محدثین نے روایت کی ہے کہ فرمایا جناب رسولخدا نے کہ اے فاطمہ خداوند تعالے غضبناک ہوتا ہے تیرے غضب کی وجہ سے اور راضی ہوتا ہے تیری رضا سے ۶ے

جناب رسولخدا نے فرمایا کہ جناب فاطمہ قیامت کے دن عرش الٰہی کے نزدیک آئیں گی اور خدا سے عرض کرینگی، اے میرے خدا، اے میرے سردار حکم صادر فرما میرے اور ان کے درمیان جنھوں نے میرے اوپر ظلم کیا اور حکم صادر فرما میرے اور ان کے درمیان جنھوں نے میرے پسر حسین کو قتل کیا۔ بارگاہ خداوندی میں سے ندا آئے گی کہ اے میرے حبیب اور میرے حبیب کی دختر جو چاہے تو مجھ سے سوال کر میں تجھے عطا کرونگا۔ شفاعت کر میں تیری شفاعت قبول کرونگا۔ قسم ہے مجھے اپنے عزت و جلال کی میں ظالم کے ظلم کا بدلہ لوں گا۔ اس پر جناب فاطمہ عرض کریں گی کہ میری ذریت کو، میرے شیعوں کو، میرے شیعونکی ذریت کو، میری ذریت کے دوستوں کو بخشدے۔ پس حضور ذوالجلال والاکرام سے ندا آئے گی کہ کہاں ہے فاطمہ کی ذریت، کہاں ہیں فاطمہ کے شیعان محب اور کہاں ہیں اس کی اولاد کے محب۔ پس وہ لوگ آواز دینگے۔ ملائکہ رحمت ان کو گھیر لیں گے۔ اور ان سب کے آگے آگے چلکر جناب فاطمہ ان سب کو جنت میں داخل کریں گی ۷ے

۵ے مستدرک الجزء الثالث ص۱۵۶ ۱ مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص۹۲ اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص۳۴

۶ے مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص۵۰ ۶

مناد ی کنز الدقائق، اعیان الشیعہ الجزء الثانی ۳۴ ۷ے مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص

عامر الشعبی، الحسن البصری و سفیان ثوری، مجاہد ابن جبیر، جابر الانصاری، محمد الباقر، جعفر الصادق علیہما السلام روایت کرتے ہیں کہ فرمایا جناب رسولخدا نے کہ فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جس نے اس کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔ یہ صحیح مسلم حلیۃ الاولیاء حافظ ابی نعیم میں ہے کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جو شے اس کو خوش کرتی ہے وہ مجھ کو خوش کرتی ہے اور جو شے اس کو ایذا دیتی ہے وہ مجھ کو ایذا دیتی ہے۔ سعد بن وقاص کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسولخدا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس سے فاطمہ خوش ہے اس سے میں خوش ہوں۔ اور جس سے فاطمہ ناراض ہے اس سے میں ناراض ہوں [۷۸]

آنحضرت کا معمول تھا کہ روزانہ رات کو سوتے وقت آپ جناب فاطمہ کے سر و جبیں پر بوسہ دیتے، پھر ان کے لیئے خدا سے دعا مانگتے۔ اور پھر سونے جاتے [۷۹]

ابن شہر آشوب اپنے مناقب میں بحوالہ ابو علی الصولی در اخبار فاطمہ، ابوالسعادات در فضائل العشرہ اسناد کے ساتھ ابوذر غفاری سے روایت کرتے ہیں۔ ابوذر غفاری کہتے ہیں۔ کہ مجھے رسولخدا نے حضرت فاطمہ کے گھر علی کو بلانے کے لیئے بھیجا۔ میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چکی چل رہی ہے اور کوئی اس کے پاس نہیں ہے۔ میں نے اس کا ذکر جناب رسولخدا سے کیا۔ انھوں نے فرمایا اے ابوذر تعجب نہ کر۔ ملائکہ آسمان کے اکثر زمین پر آتے رہتے ہیں۔ وہ آل محمد کی اعانت کے لیئے مقرر کیئے گئے ہیں۔ اسی طرح حسن بصری و ابن اسحاق حماد و میمونہ سے روایت کرتے ہیں وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ فاطمہ کے گھر کی چکی چل رہی تھی اور خود فاطمہ سو رہی تھیں۔ اس کا ذکر ہم نے جناب رسولخدا سے کیا آپ نے فرمایا کہ خداوند تعالٰے کو اپنی لونڈی فاطمہ کی جسمانی کمزوری کا علم ہے۔ اس نے حکم دیا ہے چکی خود بخود چل رہی ہے۔ اسی روایت کو ابوالقاسم نے مناقب امیر المومنین میں ابو صالح المؤذن

---

[۷۸] مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع ص ۹ حلیۃ الاولیاء المجلد الثانی ص ۴۰ اعیان الشیعہ الجزء الثالث ص ۲۸۵

[۷۹] ایضاً ص ۱۰۱

نے الاربعین میں باسناد خود میمونہ سے اور ابن الفیاض نے شرح الاخبار میں نقل کیا ہے ؎۸۰

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جناب فاطمہ اپنی نماز و عبادت میں مشغول ہوتی تھیں۔ ان کے بچے جھولے میں روتے تو جھولا خود بخود ہلنے لگتا۔ حضرت محمد باقر سے منقول ہے کہ سلمان کو آنحضرت نے کسی کام کے لیے حضرت فاطمہ کے گھر بھیجا۔ سلمان کچھ دیر کے لیے دروازے پر کھڑے ہوئے۔ پھر سلام کیا اور سُنا کہ فاطمہ قرآن شریف پڑھ رہی ہیں اور دوسری طرف چکی خود بخود چل رہی ہے۔ جب آنحضرت سے ذکر کیا تو آنحضرت نے فرمایا کہ اے سلمان خداوند تعالیٰ نے فاطمہ کے قلب و اعضا کو ایمان کامل سے پُر کر دیا ہے تاکہ اطاعت خداوند تعالیٰ کے لیے زہ فارغ ہو جائے۔ خداوند تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو حکم دیا کہ اس کی چکی چلاوے جبکہ وہ عبادت کرے ؎۸۱

الثعلبی نے اپنی تفسیر میں اور ابن المؤذن نے الاربعین میں اپنے اپنے اسناد کے ساتھ جابر ابن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن جناب رسول خدا نے کچھ کھایا نہیں۔ اپنی ازواج کے مکانوں میں آئے تو وہاں بھی کچھ نہ ملا۔ قصہ بہت طویل ہے پس آنحضرت نے جناب فاطمہ کے پاس طباق میں کھانا دیکھا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ یہ کہاں سے آیا۔ فاطمہ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ آنحضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ مجھے موت نہ آئی جب تک میں نے وہ نہ دیکھ لیا جو ذکریا نے مریم کے لیے دیکھا تھا ؎۸۲

جناب فاطمہ نے اپنی ردا زید یہودی کے پاس گرویں رکھی اور اس سے کچھ جو قرض لیے۔ جب زید اپنے گھر میں داخل ہوا تو سارا گھر نور سے بھرا ہوا پایا۔ اپنی عورت سے پوچھا کہ یہ نور کیسا ہے اس نے جواب دیا کہ ہمارے گھر میں حضرت

؎۸۰ مناقب ابن شہر آشوب الجزو الرابع ص ۱۲۳

؎۸۱ ایضاً ؎۸۲ ایضاً ص ۱۲۱

فاطمہ کی چادر ہے۔ بس وہ اس کی عورت اور اس کے ہمسائے کل اسی آدمی فوراً ایمان لے آئے[۸۱]

آنحضرت نے ایک دن حضرت فاطمہ سے دریافت کیا کہ عورت کے لیئے بہترین شئے کیا ہے جناب فاطمہ نے فرمایا یہ کہ وہ کسی مرد کو نہ دیکھے اور کوئی مرد اس کو نہ دیکھے۔ آنحضرت نے یہ جواب سن کر جناب فاطمہ کو گلے سے لگالیا اور فرمایا کہ ماں باپ کے اوپر ہی اولاد ہوتی ہے۔ حضرت امام باقر سے مروی ہے کہ آنحضرت کی رحلت کے بعد کسی نے جناب فاطمہ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا[۸۲]

ملائکہ اور خدمت دخترِ رسول

ہم نے چند روایات نقل کی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ گاہ بگاہ حضرت فاطمہ کی خدمت کے لیئے جب وہ عبادت الٰہی میں مشغول ہوتی تھیں فرشتے آیا کرتے تھے۔ یہی نہیں کہ ہمارا ایمان و عقیدہ ہے کہ ایسا ہوا کرتا تھا بلکہ یقین کامل ہے کہ ایسا ہوتا تھا اور اگر میرا یہ کہنا حد ادب و احتیاط سے باہر نہ سمجھا جائے تو میں کہونگا کہ ایسا ہونا ہی چاہیئے تھا۔ عبادت دو قسم کی ہوتی ہے۔ مومن کامل کا اپنے بچوں کو پرورش کرنا اور اپنے گھر کا کام کرنا عبادت الٰہی میں داخل ہے۔ یہ ایک قسم کی عبادت ہوئی دوسری ظاہری عبادت کو سب جانتے ہیں۔ نماز، تسبیح و تہلیل۔ دونوں قسم کی عبادتیں اپنی اپنی جگہ خوب ہیں۔ عبادت ظاہری تو فرشتے کرتے ہی رہتے ہیں اگر حضرت فاطمہ کی اس عبادت ثانیہ میں بھی بحکم خداوندی انھوں نے شرکت کرلی تو عبادت تو ان کی اسی طرح جاری رہی بلکہ ان کو فخر اس بات کا اور ہوگیا کہ انھوں نے دونوں قسم کی عبادتوں کے مزے چکھ لیئے۔ دوسرے ملائکہ سے ان کو یہ امتیاز حاصل ہوگیا۔ اور اگر وہ اس پر فخر و مباہات کریں تو بیجا نہ ہوگا۔ ان بزرگواروں نے اپنا نفس خدا کے ہاتھ فروخت کردیا تھا۔ اگر خدا نہ بھی فرشتے بھیجتا تو یہ اسی طرح اپنے

---

[۸۱] مناقب ابن شہر آشوب الجزء الرابع صر ۱۳

[۸۲] ایضا ایضا جو ۱۲

فرائض انجام دیتے۔ فرشتوں کو بھیجکر خدا نے ان کی عزت و عظمت کا ذرا سا نمونہ دکھایا تاکہ امت کو ان کی معرفت حاصل کرنے میں مدد ملے اور حجت بھی پوری ہو جائے۔ کہ ہمنے انکی عظمت و منزلت جو ہمارے نزدیک ہے تمہاری جسمانی آنکھوں سے دکھا دی پھر بھی تم نے ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جو کیا۔ روزانہ ہر وقت تھوڑی فرشتے آیا کرتے تھے۔ روزانہ تو وہ ہی حالت تھی کہ چکی پیسے پیستے ہاتھ میں چھالے پڑگئے اور پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے سینے پر داغ ہو گئے۔

ممکن ہے کہ وہ لوگ جن کو اس زمانہ کی ہوا لگ گئی ہے اعتراض کریں کہ اول تو فرشتوں کا وجود ہی ثابت نہیں۔ پھر اس طرح ان کا آدمیوں میں آکر ان کے بچوں کو جھولا جھلانا یا ان کی چکی پیسنا ہمارے تو قیاس سے باہر ہے۔ یہ تو محض خوش اعتقادی ہے جس کی پابندی عقل سلیم نہیں کر سکتی۔ ہم اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں۔ اس اعتراض کے دو حصے ہیں (۱) فرشتوں کی ہستی (۲) فرشتوں کا آدمیوں میں آکر ان کے کام کرنا۔

فرشتوں کی ہستی

فرشتوں کی موجودگی سے کسی مسلمان کو انکار نہ ہونا چاہئے۔ فرشتوں پر ایمان لانا ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے۔ قرآن شریف میں اس کی تاکید بلیغ ہے۔ اور فرشتوں کا ذکر قرآن شریف میں اس کثرت سے آیا ہے کہ اس شخص کی ہمت تو فرشتوں کی ہستی سے انکار کرنیکی ہو نہیں سکتی جو اپنے تئیں مسلمان کہلوانا چاہتا ہے۔ یہی حالت مذہب عیسوئت کی ہے۔ وہ بھی فرشتوں کی موجودگی کے اسی طرح قائل ہیں جس طرح کہ مسلمان قائل ہیں۔ یہی تعلیم انجیل کی ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ فرشتوں کی موجودگی دنیا کی ہر ایک قوم ہر ایک ملت از ابتدائے عالم تا ایندم مانتی چلی آئی ہے۔ اسلام و عیسائیت اس امر میں متفق ہیں۔ انجیل و قرآن شریف ہم زبان ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے دیگر مذاہب بھی ان کے قائل ہیں۔ یونان کے اولمپک دیوتا اور ہندوستان کے آکاس کے ہوائی باشندگان جو مینہ برساتے ہیں، بجلیاں گراتے ہیں، بادلوں کو دوڑاتے

ہیں، دھوپ کو نکالتے ہیں۔ چاندنی کو پھیلاتے ہیں سب فرشتوں کے تخیل کی صورتیں ہیں۔ ایران کا قدیم مذہب جس کو تاریخ نے ہم تک پہنچایا ہے زرتشت کا نکالا ہوا ہے اس کے ماننے والے اب صرف کراچی و بمبئی کے ارد گرد پائے جاتے ہیں اور پارسی مشہور ہیں۔ اس پرانے مذہب کو زمانہ حال کی کتر بیونت کا لباس بہترین شکل میں مانک جی نصروانجی دھلانے پہنایا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب HISTORY OF ZOROASTRIANISM میں اس مذہب کے جملہ ارتقائی منازل نہایت خوبی سے بیان کئے ہیں۔ میں نے ان سے کئی دفعہ ملاقات کی۔ لیکن افسوس ہے کہ بہت اونچا سنتے ہیں۔ صرف ان کی بیوی ہی کسی کی گفتگو کو انھیں سمجھا سکتے ہیں۔ ایسی ملاقات میں کھل کر بحث کسی مضمون پر کیا ہو سکتی تھی۔ لہذا میرے دل کی حسرت دل ہی میں رہ گئی۔ ورنہ ان مقامات پر بحث کرتا جہاں ان کا قدم لڑکھڑایا ہے بہر صورت نہایت لائق آدمی ہیں۔ ہر مذہب سے اچھی واقفیت رکھتے ہیں۔ اور نہایت نیک ہیں۔ ان کی کتاب سے صاف عیاں ہے کہ زرتشتی مذہب میں فرشتوں کا اعتقاد نہایت پختہ ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے باب ہفتم کا عنوان ہی یہ ہے۔

MAZDA'S MINISTERING ANGELS

یعنی مزدا کے کارکن فرشتے۔ اس مذہب میں جس طرح بھی یہ خدا کا تخیل کر سکتے ہیں اس کو مزدا کہتے ہیں۔ گویا مزدا پارسیوں یا زرتشتیوں کا خدا ہے۔ اس تمام بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح خدا کا تخیل دنیا کے ہر ایک مذہب میں ہے اسی طرح فرشتوں کا ہے اور کسی تخیل کا تمام دنیا پر حاوی ہو جانا اس تخیل کے ایک اٹل اور لافانی حقیقت ہونے کا ثبوت ہے گویا جہاں تک مذاہب کا تعلق ہے فرشتوں کی ہستی مسلم ہے اور ایک اٹل اور لافانی حقیقت ہے۔

لیکن اب ایک ایسا فرقہ بھی پیدا ہوتا جاتا ہے کہ جو کسی مذہب کو نہیں مانتا، خدا کو نہیں مانتا تو فرشتوں کو کیا مانے گا۔ اور اب اس فرقہ کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ مذہب اور سائنس ایک دوسرے کے مخالف

ہیں - مذہب خلاف عقل ہے اور سائنس عین مطابق عقل ہے - جو خلاف عقل ہو وہ قبول کرنا حماقت ہے - ہم وہ بات مانیں گے جو سائنس مانتا ہے - مذہب اور سائنس کی یہ جنگ وجدل نہایت دلچسپ ہے - ہم یہاں اس تخیل کی مختصر تاریخ لکھتے ہیں -

یہ خیالات اگرچہ مذہب عیسائیت کے خلاف ہیں لیکن ان لوگوں کا او. ان کے اس خیال کا باعث مذہب عیسائیت ہی ہے - وہ ہم بتاتے ہیں کس طرح - جب یورپ میں سائنس نے ابھرنا شروع کیا تو اس زمانہ میں جو مذہب یورپ میں تھا یعنی مذہب عیسائیت اس میں اتنی خلاف عقل و تہذیب باتیں داخل ہوگئی تھیں کہ اہل سائنس کا یہ نتیجہ نکالنا کہ مذہب خلاف عقل ہوتا ہے کوئی تعجب انگیز بات نہ تھی - مثلاً جادوگرنیوں کا قتل عام ہر جگہ ہر وقت تقریباً ہر عیسائی کے ہاتھوں پر معجزوں کا قائم ہو جانا، تصویروں کی پرستش کرنا اور ان کے سامنے اپنی حاجتیں بیان کرنا - تین میں ایک اور ایک میں تین کا معمہ وغیرہ وغیرہ اور پھر ان غلط عقائد کے نہ ماننے والوں کو اس قدر سنگین و بیرحمانہ اور دل ہلانے والی سزائیں دی گئیں کہ وہ ایک معجزہ ہوتا - اگر اس مذہب کے خلاف عام ناراضگی کا اظہار اس سے قطعی انکار کی صورت میں ظاہر نہ ہوتا - بائبل کے عہد عتیق میں جہاں بنو اسرائیل کے لیئے خداوند تعالیٰ نے قوانین مقرر کئے ہیں -

(Leviticus) اور حضرت موسیٰ کو ان کے اجرار کا حکم دیا ہے - وہاں کئی جگہ یہ بھی حکم ہے کہ جادوگرنیوں کو جینے کا حق نہیں ہے - وہ جہاں بھی ملیں انھیں مارو - پندرہ سو سال تک یورپ کے پادریوں نے اس حکم پر نہایت سختی سے عمل کرایا - یہ بھی انھوں نے نہ دیکھا کہ جادوگرنی (Witch) کس کو کہتے ہیں اور اس کا کیا قصور ہے - بائبل میں بھی اس کی تشریح نہیں ہے - نتیجہ یہ ہوا جو جادوگرنی کی تعریف کسی نے اپنے تخیل سے بنالی وہ ہی کارگر ہوئی - پادریوں نے یہ بھی نہ بتایا کہ ان کی شناخت کیا ہے اور ان کا قصور کیا ہے - ہر ایک نے جو سمجھا وہ سمجھ لیا اور پھر پادریوں نے ہاں میں ہاں ملادی اور وہ ہی ان کا جرم سمجھا جانے لگا - عام خیال تھا کہ ارضی وسماوی جتنی آفتیں آتی ہیں وہ جادوگرنیوں کی بلائی ہوئی ہوتی ہیں

مثلاً بیماریاں پھیلانا۔ جہازوں کو غرق کرانا۔ طوفانِ باد و باراں۔ ژالہ باری۔ یہ جب اور جہاں بھی ہوتے تھے سب جادوگرنیوں کے سر تھوپے جاتے تھے۔ پادریوں نے لوگوں کو بھڑکانے کے لئے اس میں اور جوش پیدا کر دیا تھا اس کا ثبوت تو ان کے پاس کیا تھا کہ یہ امور جادوگرنیوں کے پیدا کردہ ہیں۔ صرف اپنے غلط اعتقاد کی بنا پر یہ قتلِ عام شروع کر دیا تھا۔ ہر ایک سیاسی جرم عدالت کے ذریعہ سے کرانا یہ تو یورپ کی شروع سے عادت ہے۔ عدالتیں مقرر ہوئیں اور اس میں ثبوت بہم پہنچائے جانے لگے۔ ثبوت تو کیا پیش کر سکتے تھے۔ کوشش یہ کرتے کہ کسی طرح ملزم اور ملزمہ خود ہی اقبالِ جرم کر لے۔ اقبالِ جرم یہ ہوتا تھا کہ واقعی میں شیطان سے ملی ہوئی ہوں۔ شیطان میرے پاس آتا ہے اور اس کے ذریعہ سے یہ جرائم میں کرتی ہوں۔ اس اقبال کو حاصل کرنے کے لئے ایک مزید عذاب دیا جاتا تھا جو کسی گنتی میں نہ تھا۔ اور جس کا مقصد محض یہ اقبال حاصل کرنا ہوتا تھا۔ اس غرض کے حصول کے لئے ایک لوہے کی قفصئی ملزمہ کے منہ کے اندر ٹھسائی جاتی تھی۔ اس قفصئی کے چار نوکدار سرے ہوتے تھے جو اندر جا کر اس کو تکلیف دیتے تھے۔ اس قفصئی کو ایک لوہے کی زنجیر میں لگاتے تھے۔ اور اس کا سرا پیچھے دیوار سے اس طرح باندھ دیا جاتا تھا کہ ملزمہ لیٹ کر سو نہیں سکتی تھی۔ اس طرح کئی کئی دن گزر جاتے تھے۔ ایک دفعہ پورے گیارہ دن اس طرح ملزمہ کو بندھے ہوئے ہو گئے۔ اس کے علاوہ بڑی بڑی لوہے کی کیلیں اس کے جسم میں چبھوئی جاتی تھیں۔ مزید براں یہ کہ ملزمہ کو متواتر کئی دن تک پانی نہیں دیتے تھے۔ آخرکار اس اذیت سے تنگ آکر اور موت کو اس سے بہتر سمجھ کر بیچاری اقبال کر لیتی تھی کہ واقعی میں جادوگرنی ہوں۔ ایسے بھی گواہ پیدا ہو جاتے تھے کہ جو یہ بیان کرنے کے لئے تیار تھے کہ ہم نے ملزمہ کو ہوا میں اڑتے دیکھا جنگل میں تنہا جا کر شیطانوں سے باتیں کرتی سنی گئی تھی۔ عمل پڑھتے ہوئے ہم نے سنا تھا۔ عام طور سے یہ وہ بڑھیا غریب عورتیں ہوتی تھیں جن کا حال غربت کی وجہ سے خراب ہوتا تھا۔ بال

بکھرے ہوئے کپڑے پھٹے ہوئے۔ آنکھیں کمزوری و بھوک کے مارے اندر دھسی ہوئی۔ دنیا سے بیزار۔ اکثروں کے دماغ ماؤف ہوتے تھے۔ بک بک کرتے پھرنا۔ جنگلوں میں لکڑیاں چننے جانا۔ بارش یا ژالہ باری ہو تو وہیں جھاڑیوں میں بیٹھ جانا۔ یہ تھیں وہ علامتیں جن سے یہ جادوگرنیاں پہچانی جاتی تھیں۔ بعض دفعہ ہمسایوں کی دشمنی اور آپس کا حسد و رشک ہی الزام کے باعث ہوا کرتے تھے۔

موت سے ورے تو ان کے لیئے کوئی سزا ہی نہ تھی۔ لیکن موت بھی سیدھی سادی موت نہیں۔ بلکہ ہر قسم کی اذیت کے بعد موت بھی ایک رحمت معلوم ہونے لگتی تھی۔ پندرہ سو سال تک عیسائی پادریوں نے اس کار ثواب کو جاری رکھا یورپ کا کوئی ملک نہ تھا جس میں جادوگرنیوں کے قتل کا قانون نہ ہو۔ جتنا بیرحمی کے ساتھ انھیں قتل کیا جاتا تھا اتنا ہی زیادہ ثواب ملنے کا امکان تھا۔ لہذا ترکیبیں سوچی جاتی تھیں کہ کس طرح زیادہ سے زیادہ اذیت پہنچائی جا سکتی ہے۔ زندہ جلانا تو معمولی اور نہایت رحم دلانہ طریقۂ قتل سمجھا جاتا تھا۔ آگ میں ڈالنے سے پہلے ملزمہ کی بوٹی بوٹی ہڈی سے ایک نوک دار چمٹا نما لوہے کے آلہ سے جدا کی جاتی تھی۔ جادوگرنیوں کو سزا دینا بالکل پادریوں کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ یہ ہی مدعی ہوا کرتے تھے۔ یہی گواہ۔ اور یہی جج۔ اور پھر سزا پر نگرانی کرنیوالے بھی یہی ہوتے تھے۔ تین قسم کے آلے اذیت دینے کے لیئے بنائے جاتے تھے۔ ایک تو ایک قسم کا پیچ ہوتا تھا جو جسم کے اندر داخل کر کے پھرایا جاتا تھا۔ دوسرا ایک لوہے کا فریم ہوتا تھا جس میں ملزمہ کا پیر ڈال کر توڑا جاتا تھا۔ تیسرا بھی لوہے کا فریم پیر کے لیئے ہوتا تھا جس میں ملزمہ کا پیر ڈالکر نہایت بیرحمی کے ساتھ چور چور کیا جاتا اور اس کو اکثر آگ پر رکھدیا جاتا تھا۔ گھنٹوں ملزمان کو اس طرح رکھا جاتا تھا۔ آگ کے جلتے جلتے شعلے ملزمہ کے بدن پر لگائے جاتے تھے۔ اس طرح بعض دفعہ ۱۱ دن بلکہ چودہ چودہ دن ملزم رہتے تھے۔ اور روزانہ ان کو ایک اذیت دیجاتی تھی۔ بعض کو اوپر سے کوڑے بھی مارے جاتے تھے۔ اس سارے ظلم کا اہتمام

پادریوں کے ہاتھ میں تھا۔ پاپائے اعظم بار بار احکام صادر کرتے تھے کہ جادوگرنیوں کو زندہ چھوڑنا خداوند تعالیٰ کی توہین ہے۔ ۱۴۸۴ء میں پوپ INNOCENT VIII نے ۱۵۰۴ء میں پوپ JULIUS II نے اور ۱۵۲۳ء میں ADRIAN VI نے ایسے نہایت سخت احکامات جاری کئے جن کی وجہ سے ان بیچاروں کے قتل میں اور اذیت میں بہت زیادتی ہوگئی۔

جب سائنس نے ترقی کی اور لوگوں کو بتایا کہ ہر بیماری اور اس کے دفع کے کچھ نہ کچھ اسباب ہوتے ہیں۔ ان اسباب کو تفصیل سے بیان کیا۔ عناصر کی طاقتوں اور ان کے فعل سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ طوفان باد و باراں و ژالہ باری کے قدرتی اسباب بتا کر لوگوں کو قائل کیا کہ یہ بیچاری بڑھیائیں ان آفتوں اور بیماریوں کی موجد اور باعث نہیں ہو سکتی تھیں۔ تو لوگوں کی آنکھیں کھلنے لگیں اور پھر انھوں نے مڑ کر گزری ہوئی پندرہ صدیوں پر نظر ڈالی اور اس مذہب کی وجہ سے کروڑہا بے گناہ انسانوں کو اس اذیت و بہیمیت کے ساتھ قتل ہوئے دیکھا تو قدرتاً ان کا پہلا خیال تو یہ ہوا کہ مذہب ایک لایعنی چیز عقل کا دشمن ہے۔ پھر مذہب سے انکار اس کا لازمی نتیجہ تھا۔

صرف جادوگروں کا یہ ظالمانہ و بیدردانہ قتل ہی مذہب سے نفرت و انکار کا موجب نہ تھا۔ بلکہ اور بھی باتیں تھیں۔ ان پادریوں نے اپنی جماعت کے رسوخ و اثر کو بڑھانے کے لئے معجزوں کا دائرہ اتنا وسیع کر دیا کہ خواہ مخواہ تمسخر کا باعث بن گیا۔ اور ان کے پیروؤں کی عقل معطل ہوگئی۔ حضرت عیسٰےؑ کے معجزے دو تین ہی تھے اور شاذ و نادر زیر عمل آتے تھے۔ وہ واقعی خداوند تعالیٰ کی قدرت اور حضرت عیسٰیؑ کی عظمت و نبوت کی دلیل تھے۔ اور ان کے ساتھ ختم ہوگئے۔ لیکن ان پادریوں نے ان کی کثرت ہی کر دی۔ ہر ایک مردہ پادری کی جوتی کے تسمے یا چادر کے پھٹے ہوئے ٹکڑے سے معجزوں کی سوتیں جاری ہوگئیں۔ اور بھی بیفائدہ معجزے تو خاص خاص پیغمبروں کو دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ لوگ اس کو پیغمبر سمجھیں۔

حضرت عیسےٰ کے بعد نہ تو کوئی امام تھا اور نہ کوئی پیغمبر۔ پھر کس کی تصدیق ان معجزوں سے مد نظر تھی۔ معجزوں کی اس بہتات نے اہلِ سائنس کو موقع دیا۔ انھوں نے ثابت کیا کہ فلاں مریض جو فلاں مرض سے شفایاب ہوا اُس کی یہ قدرتی وجوہات تھیں۔ جوتی کے تسمہ کو اُس کی شفا سے کوئی تعلق نہ تھا۔ پادریوں نے اہلِ سائنس کو بے دین اور عیسائیت کا دشمن قرار دینے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سائنس کامیاب ہوگئی اور لوگوں کو یقین ہوگیا کہ مذہب کو عقل سے کوسوں کا بھی واسطہ نہیں۔ اور مشہور ہوگیا کہ سائنس اور مذہب میں ازلی دشمنی ہے ۵۳ ؎

یہ وجوہات چند در چند جن کا ذکر ہم نے تفصیل سے البلاغ المبین میں کیا ہے مسلمانوں کا بے وقت عرب سے نکلکر فتوحات ملکی کی طرف متوجہ ہونا مذہب اسلام کی کمزوری اور آخر کار مسلمانوں کی سیاسی موت کا باعث ہوا۔ اس مغلوبیت کا پہلا نتیجہ یہ تھا کہ انھوں نے اپنے فاتحین کو اپنا استاد بھی مان لیا۔ اور جو جو خرابیاں ان کے استادوں میں تھیں ان کو فخر کے ساتھ لینے میں جذب کرلیا۔ مذہب سے مغائرت ان خرابیوں میں سے ایک خرابی تھی۔ حالانکہ مسلمانوں کا مذہب عین سائنس کے مطابق ہے اور سائنس اسلام کا دشمن نہیں بلکہ معاون ہے۔ لیکن مسلمان بھی سمجھنے لگے کہ ہمارا مذہب عقل کے خلاف ہے۔ اور سائنس کا اگر مقابلہ ہمارے مذہب سے ہوا تو ہم ہار جائیں گے یہی وجہ ہے کہ جنت، حور، دوزخ کا جب یہ ذکر کرتے ہیں تو شرماتے ہوئے اور جو ان میں سے دراز بین ہیں وہ ان تینوں چیزوں کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ جو انکار کے مرادف ہوتی ہیں۔ علامہ یوسف علی کا انگریزی ترجمہ قرآن ان کی ان تاویلوں کا آئینہ ہے۔ اور جس حیرت انگیز سرعت کے ساتھ مسلمانوں میں یہ ترجمہ مقبول ہوا ہے وہ ثبوت ہے اس امر کا کہ قوم میں یہ مرض عالمگیر ہوگیا ہے جو بات ان کے دل میں تھی وہ انھوں نے

---

53 History of the Rise and Influence of the Spirit of Rationalism by Lecky vol. I pp 1 to 187

اس ترجمہ قرآن میں دیکھی اور اس کے گرویدہ ہو گئے۔ ہم نے اپنی دیگر تصنیفات میں اچھی طرح ثابت کر دیا ہے کہ یوم حشر ماننا بالکل بجا ہے۔ جنت۔ دوزخ وحوریں ہیں اور اسی طرح ہیں جس طرح کہ ان کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ یہاں اس بحث کی ضرورت نہیں۔

اپنی اس مغلوبیت سے متاثر ہو کر مسلمان بھی یہی سمجھنے لگے ہیں کہ اسلام و سائنس کی آپس میں دشمنی ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ ان ہی دو مضمونوں کو لے لو۔ جادو اور معجزے اسلام بھی جادو کا قائل ہے اور ساحروں کے اثر سے واقف ہے۔ لیکن اس حد تک جس حد تک یہ ایک امر واقعہ ہے۔ قرآن شریف میں جادوگر کی صرف دو طاقتوں کا ذکر ہے میاں بیوی میں تفرقہ پیدا کرنا اور نظر بندی کرنی۔ سو میاں بیوی میں تفرقہ تو جادوگروں کے علاوہ اور لوگ بھی ڈال سکتے ہیں۔ نظر بندی ایک ایسی شعبدہ بازی ہے جس کو اسلام میں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ بہر صورت ان کو کسی قسم کی سزا دینے کا ذکر نہیں۔ ان کی موجودگی کسی صورت میں خداوند تعالےٰ کی توہین نہیں ہے جس طرح خدا کے اور گنہگار زندگی بسر کرتے ہیں، یہ بھی کر رہے ہیں۔ اسلام نے ان کو نہایت حقارت کے ساتھ نظر انداز کرنا ہی مناسب سمجھا۔ ان سے منہ لگنا اپنی شان کے خلاف سمجھا۔ قرآن شریف میں صاف ذکر ہے کہ طوفان باد و باراں، ژالہ باری، بیماری صحت موت سب خدا کی طرف سے ہے۔ اور مصائب سے بچنے کے لیے ایک ہی طریقہ ہے کہ خدا سے توبہ و استغفار اپنے گناہوں کی کرو۔ کسی میں کچھ طاقت نہیں کہ بغیر اذنِ خدا کوئی ضرر کسی کو پہنچا سکے۔ جادوگروں کے لیے صاف طور سے فرما دیا
وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (۲: ۱۰۲) یعنی وہ حکم خدا کے بغیر کسی کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

پادریوں نے اہلِ سائنس کو اپنا دشمن سمجھا اور لوگوں کو علم حاصل کرنے سے منع کیا۔ برعکس اس کے اسلام کا تقاضا ہے کہ جس طرح ہو سکے علم حاصل کرو۔ اگر علم تم کو چین جیسے بعید دور کا فرنگ میں ملے تب بھی وہاں جاؤ اور اسے سیکھو۔ جب آنحضرتؐ نے یہ فرمایا تھا اس وقت چین بالکل کافر تھا۔ گویا کافروں تک سے علم

سیکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ جتنا علم بڑھیگا اتنی ہی اسلام کی حقانیت ثابت ہوگی۔ علم الابد۔ ان سے خداوند تعالیٰ کی حکمت اور سائنس کے اعجوبوں سے خداوند تعالیٰ کی قدرت کا پتہ ملتا ہے۔ معجزوں کے متعلق اسلام نے کہا کہ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا خداوند تعالیٰ کی سنت (یعنی قوانین) میں تم کہیں تبدیلی یا اختلاف نہ پاؤگے واقعات اپنے اسباب کے مطابق ظاہر ہوا کرینگے۔ بغیر سبب کے کوئی واقعہ نہ ہوگا۔ یہ ضرور ہے کہ اس سنت الٰہیہ میں سے ایک یہ بھی سنت ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے پیغمبر اور رسول کو کچھ نشانیاں یا معجزے دیکر بھیجتا ہے تاکہ یہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم فلاں پیغمبر کو نہ پہچان سکے۔ موسیٰ کو عصا اور ید بیضا دیا گیا۔ عیسیٰ کو بھی کئی نشانیاں دی گئیں۔ ان کی ولادت ہی بڑی نشانی تھی۔ اسی کے ثبوت میں ان کا مہد میں بولنا ایک معجزہ تھا۔ اندھے اور کوڑھی کو شفا دینا یہ بھی معجزہ تھا۔ لیکن یہ معجزے معدودے چند ہوتے ہیں اور ان کی غرض و غایت ایک ہی ہوتی ہے یعنی تصدیق رسالت یا امامت یہ نہیں کہ ہر ایک کے ہاتھ میں معجزے دیدیئے اور وہ شعبدہ بازی کر رہا ہے۔ معجزوں کی نوعیت زمانہ کی ضرورتوں کے ساتھ بدلتی رہی۔ جناب رسول خدا ختم المرسلین تھے سائنس و عقل و غور و فکر کے زمانہ میں مبعوث ہوئے تھے۔ اور زیادہ سائنس و عقل کا زمانہ آنیوالا تھا۔ لہذا ان کو جو معجزے دیئے گئے ان کی نوعیت اور تھی اسلام نے کہا کہ محمدؐ کا معجزہ ان کا قرآن اور خود ان کی اہلبیت کی ذات ہے۔ یہ بہترین معجزے ہیں۔ ان پر غور کرو اور خوب غور کرو۔ اگر ان معجزوں سے خداوند تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی طرف تمہاری رہنمائی نہیں ہوتی اور تمہارے نزدیک ان سے تصدیق رسالت محمدیہ نہیں ہوتی تو پھر کوئی معجزے تمہیں قائل نہ کر سکیں گے جو ایمان لائیں گے ان کو ہی دیکھ کر ایمان لائیں گے۔ اور جو باوجود ان کی موجودگی کے ایمان نہ لائیں گے تو بس ان کے لیے کوئی امید نہیں خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ دیکھئے کیا بہترین اور سائنٹفک طریقہ ہے۔ اسلام کی طرف بلایا جا رہا ہے۔ خود غور کرو۔ اچھی طرح امتحان کرو۔

دیکھو اس کا دعویٰ درست ہے یا نہیں۔ تم عقل رکھتے ہو۔ اپنی عقل سے کام لو۔ معجزوں پر انحصار نہ کرو۔ اسلام نہیں کہتا کہ خدا کی کسی مخلوق سے خدا کی توہین ہوتی ہے۔ وہ ذات توہین سے بالاتر ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا کی حقیر سے حقیر اور طاقتور سے طاقتور شے سے خدا کی قدرت و حکمت و وحدانیت نمایاں ہوتی ہے ہر ایک شے جو دنیا میں پائی جاتی ہے وہ کسی مطلب اور غرض کے لئے ہے۔ ہمیں یقین کامل ہے کہ اگر سائنس کو اپنے اٹھان کے زمانہ میں اسلام سے پالا پڑتا اور اس زمانہ میں یورپ میں عیسائیت کے بجائے اصلی اسلام ہوتا تو ایک دوسرے کا نہایت فراخدلی سے خیر مقدم کرتے۔ سائنس کو یہ کہنے کا موقع نہ ملتا کہ مذہب کو عقل سے سروکار نہیں اور مذہب کو یہ نہ کہنا پڑتا کہ سائنس دہریت اور لامذہبیت کی تحریک ہے بدیہی امر سے انکار بیفائدہ ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت دل سے اس بات کی قائل ہے کہ اسلام کے بہت سے اصول عقل و تہذیب کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ اصلی بات ماننے کی وہی ہے جو سائنس کے اصول سے ثابت ہو۔ باقی بیفائدہ کی عقیدتمندی ہے۔ اس ہی ذہنیت کے ماتحت جنت، دوزخ اور حوروں کی تاویل کرنے کی ضرورت انہیں ہوئی۔ اور اس ہی اثر کی وجہ سے انہیں فرشتوں کی ہستی کو ماننے سے تامل ہے۔ ہم ابھی ثابت کرتے ہیں کہ فرشتوں کی ہستی اصول سائنس کے خلاف نہیں۔ ذرا ایک امر کی طرف توجہ دلاتے چلیں، اخباروں میں، تقریروں میں، لکچروں میں ہمارے لیڈر کہتے پھرتے ہیں کہ انگریزوں کو بڑے بڑے عہدوں سے نکالو۔ لیکن ان کے دماغوں اور دلوں پر وہی انگریزیت چھائی ہوئی ہے۔ ان کے لباس، طرز رہائش، بول چال، تخیلات سب سے انگریزیت ٹپکی پڑتی ہے۔ انگریزوں کو نکالنا اور انگریزیت کی پرستش کرنا یہ کیا بات ہوئی۔ لیکن غور کرو۔ اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ دونوں خواہشیں ایک ہی اصول پر مبنی ہیں۔ انگریزوں کو نکالو تاکہ ہمیں اور ہمارے رشتہ داروں کو عہدے ملیں۔ انگریزیت کو برقرار رکھو۔ کیونکہ اس کی زندگی نہایت آرام و آسائش کی

زندگی ہے۔ اگر اس کو چھوڑا تو اسلامی زندگی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ وہ تو بڑی خشک زندگی ہوتی ہے۔ نہ سینما میں جاؤ۔ نہ لہو و لعب میں حصہ لو۔ پانچ وقت کی نماز پڑھو۔ فرصت ملے تو تہجد بھی پڑھو۔ سال میں پورے تیس دن بھوکے رہو زندگی ہوئی کہ قید با مشقت۔ دیکھا آپ نے وہی ایک اصول نفس پروری ہے
سائنس کے بدنام کرنے والے کہتے ہیں کہ سائنس ہمیں اُس چیز کے ماننے سے منع کرتا ہے جو انسان کے کسی حس سے محسوس نہ ہو سکے۔ اس وجہ سے ہم فرشتوں کی ہستی سے انکار کرتے ہیں۔ ہمارا تو خیال نہیں کہ سائنس یہ کہتا ہے۔ اگر کہتا ہے تو غلطی کرتا ہے۔ خود سائنس نے جو ترقیاں اب تک کی ہیں اُن سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اس وقت فضا میں کتنی آوازیں ہوتی ہیں جو میں نہیں سُن سکتا کتنی تصویریں ہیں جو میں نہیں دیکھ سکتا۔ اس فضا میں جو میرے کانوں اور آنکھوں کا احاطہ کیئے ہوئے ہے۔ ابھی ریڈیو لا کر رکھدو کہتے ہیں کہ Television کے مطابق بولنے والوں کی تصویریں بھی نظر آئیں گی۔ ریڈیو نکالا اور لگایا۔ پھر وہ ساری آوازیں محسوس ہونے لگیں۔ تصویریں نظر آنے لگیں۔ سائنس کے اس اصول کے مطابق تو ان آوازوں اور تصویروں سے انکار کر دیتے۔ لیکن ریڈیو نے بچا لیا اور جب ریڈیو نہیں تھا تو انکار ہی کرتے تھے۔ کہ جب تک کوئی شے کسی حس سے نہ معلوم ہو سکے اس سے انکار کرنا چاہیئے۔ اگر انکار کرتے ہو تو انکار کرنے سے پہلے دو امور ضرور ثابت کرنے پڑینگے۔ اوّل تو یہ کہ ہمارے قوائے حسیہ اتنے کامل ہو چکے ہیں کہ کوئی چیز اگر وہ موجود ہے ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ دوئم جو چیزیں ہمیں معلوم ہو چکی ہیں۔ ان کی موجودگی سے اس متنازعہ شے کی موجودگی کی نفی لازم آتی ہے۔ اس ہی کو یا لفاظ دیگر اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایسے صحیح اور معلوم واقعات کا اجتماع ہو چکا ہے کہ جن کی وجہ سے شے متنازعہ کی غیر موجودگی لازماً ثابت ہوتی ہے۔ یہ ہے سائنٹفک طریقہ کسی شے کی موجودگی سے انکار کرنیکا۔ اس طریقہ پر چلنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم نہ تو خدا کی اور نہ فرشتوں کی

موجودگی سے انکار کر سکتے ہیں۔ لہذا آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ تخیل خدا کا اور فرشتوں کا جو ابتدائے عالم سے بنی نوع انسان کے ساتھ ساتھ چلا آتا ہے اور اب فطرت ثانیہ ہو گیا ہے محض اس وجہ سے غلط ہے کہ آپ کے موجودہ نامکمل اور ناقص قوائے جسم ان کو جسمانی طریقہ سے محسوس نہیں کر سکتے۔ آپ اوپر فضا میں ہوائی جہاز میں بیٹھ کر چلے جائیں وہاں فضا میں اڑنے والے پرندے مثلاً عقاب، چیلیں، شاہین، شکرے وہ چیزیں دیکھ سکیں گے جو آپ کی ننگی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اگر محض اس وجہ سے آپ اس شے کی موجودگی سے انکار کریں گے تو جہالت ہو گی۔ ہاں دوربین لگا کر سامنے ذرا کچھ دور کی چیزیں نظر آتی ہیں۔ لیکن اس میں ہمیشہ ترقی کا امکان ہے۔ تیز سے تیز تر دوربین بن سکتی ہے۔ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو آپ خوردبین سے بھی نہیں دیکھ سکتے۔ Atomic Energy کی ماہیت کا مطالعہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے۔ آپ Electrone یا Electric Current کو کس خوردبین سے دیکھ سکتے ہیں۔ اس کو آپ جبھی محسوس کرتے ہیں۔ کہ جب وہ آپ کو Shock پہنچائے۔ اور اگر وہ علیحدہ خاموش رہے تو پھر کیا۔ اس کی موجودگی سے تو انکار نہیں ہو سکتا۔ ہم اس فضا میں ہیں کہ جہاں ہم ہوا کو نہیں دیکھ سکتے جس طرح مچھلیاں پانی کو نہیں دیکھ سکتیں۔ یہ خدا کی حکمت بالغہ ہے۔ اگر ہم ہوا کو اور مچھلیاں پانی کو دیکھ سکتیں تو ہمارے نظر کے سامنے ایک حجاب حائل ہو جاتا اور پانی مچھلیوں کی نظر کے سامنے ایک حجاب ہو جاتا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ نہ ہم ہوا میں چل سکتے۔ اور نہ مچھلیاں پانی میں۔ جب آگے کچھ نظر ہی نہ آئے تو کہاں چلیں جس حکمت بالغہ نے ہماری نظروں کی طاقت کو ہمارے ماحول کے مطابق بنایا ہے اس ہی حکمت نے ہماری آنکھوں کی وضع اس قسم کی رکھی کہ ہم فرشتوں کو نہ دیکھ سکیں۔ اگر ہم فرشتوں کی حضوری کو ہر جگہ محسوس کرتے تو پھر ہم کوئی کام بھی آزادی سے نہ کر سکتے اور سارا انتظام درہم برہم ہو جاتا۔

اب صورت حالت یہ ہے کہ سائنس کے کسی اصول کے مطابق ہم فرشتوں

اور خدا کی موجودگی سے انکار نہیں کرسکتے۔ برعکس اس کے بنی نوع انسان کا متفقہ فیصلہ از ابتدائے عالم تا ایں دم یہ ہے کہ دونوں موجود ہیں۔ لہذا کسی اہلِ سائنس کے لیئے خدا و فرشتوں کے وجود کے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

فرشتوں کا آدمیوں کے معاملات میں مدد کرنا

انجیل و قرآن شریف کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتگانِ الٰہی اس کے حکم کے منتظر رہتے ہیں اور اس کے حکم کی بے چون وچرا تعمیل کرنا ان کا فرضِ اولین ہے۔ بدر کی لڑائی کے حالات قرآن شریف میں پڑھو۔ فرشتوں نے مسلمانوں کی مدد کی تھی اگرچہ مسلمان ان کو نہ دیکھ سکے۔ فرشتوں کا انسانوں کی مدد کے لیئے متعین ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ ہوالقاہر فوق عبادہ و یرسل علیکم حفظۃ۔ (الانعام آیت ۶۱ یعنی ۶ : ۶۱) ہر ایک آدمی کی حفاظت کے لیئے فرشتے مقرر ہیں۔ کراماً کاتبین کا نام تو سنا ہوگا۔ ہمارے اقوال و افعال کے دیکھنے والے فرشتے ہیں۔ یہ تو ہر ایک آدمیوں کے لیئے ہے۔ اگر کوئی انسان معمولی آدمیوں میں سے برتر ہوا۔ خدا کی محبت میں سرشار، خدا کی عبادت میں مشغول رہنے کی وجہ سے گھر کے کام کاج یا اولاد کے بہلانیکا وقت نہ ملا۔ اور خدا کے حکم سے فرشتوں نے کبھی کبھی مدد کر کے وہ کام کردیا یا جھولا جھلا دیا تو کونسی غیر معمولی بات ہوئی۔ جھولا ہلا دینا یا چکی چلا دینا تو پھر آسان ہے بہ نسبت ایک مسلح قوم سے لڑنے کے۔ چونکہ آلِ محمد کے ذریعہ سے اُمتِ محمد کا امتحان لینا مشیتِ ایزدی میں قرار پا چکا تھا۔ لہذا اُمتِ محمدؐ کو آلِ محمد کے رتبہ سے آگاہ کرنا بھی ضروری تھا تاکہ اُن کے رتبہ سے لاعلمی کی حجت نہ باقی رہے۔

باب ہشتم

مناقب اہلبیت علیہم السلام

(آیۂ تطہیر، حدیث کساء و آیۂ مباہلہ)

یہاں تو اس طویل بحث کی ضرورت نہیں۔ ہم نے البلاغ المبین میں بہت اچھی طرح ثابت کر دیا ہے اہلبیت محمد یا آل محمد میں ازواج محمد شامل نہیں ہیں۔ اہل بیت محمد میں حضرت محمد، علی و فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام اور آل محمد میں فقط علی، فاطمہ حسن اور حسین علیہم السلام شامل ہیں۔ موجودہ بحث کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ یہ متفقہ امت ہے کہ اہلبیت رسالت میں حضرت علی اور حضرت فاطمہ شامل ہیں۔ یہ تنازعہ بھی نہ پیدا ہوتا۔ لیکن اہل بیت محمد کے اتنے فضائل بڑے حدیث و قرآن مسلمہ طور سے ثابت ہیں کہ ہر ایک کے منہ میں پانی بھر آتا ہے کہ کیا اچھا ہوتا کہ ہمارا پیر و مرشد بھی ان میں کا ایک ہوتا۔ اور یہ احادیث اس پر حاوی ہوتیں۔ کوئی اور تو کیونکر آسکتا تھا۔ لے دے کے ازواج رسول کے لئے کچھ گنجائش نکل سکتی تھی۔ وہ بھی حضرت ام سلمہ نے اپنے تئیں آگے کر کے جناب رسول خدا کے منہ سے کہلوا دیا کہ اہل بیت محمد میں ازواج شامل نہیں ہیں۔

آیۂ تطہیر و حدیث کساء۔ سورہ ۳۳ آیت ۳۳ اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (سورہ ۳۳ آیت ۳۳) یعنی پیغمبر کے اہلبیت خداوند تعالٰے یہ چاہتا ہے کہ تم کو ہر طرح کی برائی و نجاست سے دور رکھے۔ اور جیسا پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھے۔

جمع بین الصحاح الستہ میں رزین بن معاویہ اندلسی نے بخاری، مسلم،

موطا، امام مالک و سنن ابی داؤد سجستانی، صحیح کبیر نسائی سے حدیث کساء کو نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں (ترجمہ لفظی)

"حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ آیۂ تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی تھی میں دروازۂ خانہ کے نزدیک بیٹھی ہوئی تھی۔ بس میں نے عرض کی کہ اے رسولخدا کیا میں اہل بیت میں نہیں ہوں۔ جناب رسولخدا نے جواب دیا کہ تیری عاقبت بخیر ہے۔ لیکن تو تو ازواج رسول میں ہے۔ اس وقت اس گھر میں جناب رسولخدا و علی و فاطمہ حسن و حسین تھے۔ آنحضرت نے ان کو اپنی چادر (عبا کساء) کے نیچے لے لیا اور کہا کہ خداوندا یہ میرے اہلبیت ہیں۔ ان کو رجس سے دور رکھ اور ان کو اتنا پاک رکھ کہ جتنا پاک رکھنے کا حق ہے۔"

صحیح مسلم میں روایت کساء اس طرح مروی ہے (لفظی ترجمہ)

"حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ ایکدن صبح جناب رسولخدا اپنے گھر سے باہر نکل رہے تھے۔ ردائے خیبری سیاہ بالوں والی آپکے دوش مبارک پر تھی کہ اتنے میں امام حسن تشریف لائے۔ جناب رسولخدا نے انھیں اپنی رداء کے اندر داخل کر لیا پھر امام حسین آئے انھیں اوسیطرح اپنی کساء کے اندر داخل کر لیا پھر حضرت فاطمہ آئیں انھیں اسیطرح اپنی کساء کے اندر داخل کر لیا پھر علی آئے انھیں بھی اس ردا میں داخل کر لیا پھر اسکے بعد آنحضرت نے آیۂ تطہیر تلاوت فرمائی۔"[۲۴]

علامہ حاکم نے مستدرک علی الصحیحین میں اس روایت کو کئی طرق سے بیان کیا ہے۔ یہاں ہم اس کا لفظی ترجمہ اردو میں لکھتے ہیں (اسماء رواۃ ہم نے چھوڑ دیئے ہیں۔)

حضرت ام سلمہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ آیۂ تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی تھی۔ اسی وقت جناب رسولخدا نے علی و فاطمہ و حسن و حسین کو بلوایا اور فرمایا کہ یہ میرے اہلبیت ہیں۔ یہ حدیث بخاری کی شرائط کے بموجب صحیح ہے۔

واثلہ بن سقع کہتے ہیں کہ میں حضرت علی کے پاس ان کے گھر آیا۔ لیکن

---

۲۴ صحیح مسلم مطبوعہ مصر۔ کتاب فضائل الصحابہ باب فضائل اہلبیت۔ الجزء السابع ص ۱۳۰

لیکن وہ گھر پر موجود نہ تھے۔ جناب فاطمہ نے فرمایا کہ وہ تو جناب رسولخدا کی طرف گئے ہیں۔ کیونکہ جناب رسولخدا نے انھیں بلایا تھا۔ اتنے میں حضرت علی جناب رسولخدا کے ہمراہ تشریف لائے۔ اور وہ دونوں گھر میں داخل ہوئے پس جناب رسولخدا نے حسن حسین کو بلا کر اپنے دونوں طرف بٹھالیا۔ پھر ان سب کے اوپر ایک ردا ڈالی۔ آیۂ تطہیر تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ میرے اہلبیت ہیں۔ یہ حدیث شیخین کی شرائط کے بموجب صحیح ہے۔

سعد بن وقاص سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ جناب رسولخدا کے اوپر وحی کے آثار ظاہر ہوئے۔ پس آپ نے علی و فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹوں کو اپنی ردا کے اندر داخل کر کے فرمایا کہ اےخدا یہ میرے اہلبیت ہیں اور میری آل ہیں۔

عبداللہ ابن جعفر بن ابی طالب سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب جناب رسولخدا نے وحی کے نازل ہونے کے آثار محسوس فرمائے تو فرمایا کہ میرے پاس بلاؤ ام المومنین صفیہ نے دریافت کیا کہ کس کو بلائیں۔ رسولخدا نے فرمایا کہ میرے اہلبیت علی و فاطمہ حسن و حسین کو بلاؤ۔ پس وہ چاروں صاحبان تشریف لائے تو جناب رسولخدا نے ان کے اوپر ایک چادر ڈالی اور پھر آسمان کی طرف ہاتھ بلند کر کے فرمایا کہ خداوندا یہ میری آل ہیں۔ صلوٰۃ بھیج محمد اور آل محمد پر۔ اس وقت خداوند تعالے نے آیۂ تطہیر نازل فرمائی۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شرائط شیخین کے مطابق صحیح ہے۔ جناب رسولخدا نے اہل بیت پر اسی طرح صلوٰۃ بھیجنے کو فرمایا ہے جس طرح آل پر[85]

علامہ ابن تیمیہ حدیث کساء کے متعلق لکھتے ہیں:۔ اما حدیث الکساء فھو صحیح رواہ احمد والترمذی من حدیث ام سلمۃ و رواہ مسلم فی صحیحہ من حدیث عائشۃ[86]
یعنی حدیث کساء صحیح ہے۔ اس کو احمد حنبل و ترمذی نے ام سلمہ سے اور مسلم نے اپنی صحیح میں عائشہ سے روایت کیا۔

---

[85] الحاکم: مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث ص ۱۴۷
[86] منہاج السنۃ الجزء الثالث ص ۴

کیا ہے۔ حدیث کساء کے صحت کے ثبوت کے لئے مندرجہ ذیل حوالجات ملاحظہ ہوں گے

صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ الجزء السابع ص ۱۳۰ منہاج السنہ ابن تیمیہ الجزء الثالث ص ۴

امام احمد حنبل مسند الجزء الاول ص ۳۳۱، الجزء الثالث ص ۲۸۵، ص ۲۵۹، ۱۵۱

الجزء الرابع ص ۵، ۱۰۷، الجزء السادس ص ۲۹۲، ۲۹۶، ۲۹۸، ۳۰۴، ۳۲۲

جلال الدین السیوطی۔ کتاب الدر المنثور الجزء الخامس ص ۱۹۸، ۱۹۹

ابن عبد البر۔ کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب الجزء الثانی ترجمہ علی ابو داؤد الطیاسی:

مسند الجزء الثامن ص ۲۷۴ حدیث ۲۰۵۵

امام مالک: موطا

امام بغوی: مصابیح السنہ الجزء الثانی ص ۲۷۸

شیخ عبد الحق محدث دہلوی: اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص ۳۷۸، ۳۷۹

صحیح ترمذی ک ۴۴ ح ۷، ک ۴۶ ب ۳۱ ، ۶۰

الحاکم المستدرک الجزء الثالث ص ۱۴۶

سلیمان ابن ابراہیم بلخی ینابیع المودۃ الباب الثالث والثلاثون فی تفسیر آیہ تطہیر ص ۱۰۷ تا ۱۰۹

اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص ۳۲۴

مباہلہ کا واقعہ ہم شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی مدارج النبوۃ سے لکھتے ہیں۔ مندرجہ ذیل عبارت فارسی سے اردو میں اس کا لفظی ترجمہ ہے۔

"جناب رسولخدا نے ایک مکتوب نصاریٰ نجران کے پاس بھجوایا اور ان کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ اہل نجران نے بعد مشورت ۱۴ آدمیوں کو اپنے میں سے منتخب کر کے آنحضرت کی خدمت میں مدینہ بھیجا ۔۔۔۔ جب یہ وفد آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آنحضرت نے ان کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ انھوں نے پوچھا کہ آپ عیسیٰ کی شان میں کیا کہتے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اس کا جواب میں تم کو آج نہیں دیتا۔ تم اس شہر میں ٹھہرو تاکہ اس سوال کا جواب مجھ سے سنو گویا آپ منتظر وحی تھے۔ پس دوسرے روز آیات نازل ہوئیں۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ
ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ
الْمُمْتَرِينَ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ
الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا
وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل
لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۔

جناب رسولخدا نے نصرانیوں کو بلایا اور یہ آیات پڑھ کر سنائیں۔ لیکن انھوں نے اس کو نہ مانا اور اپنے اعتقاد پر قائم رہے۔ اس پر جناب رسولخدا نے فرمایا کہ چونکہ تم کو اعتبار و یقین نہیں ہے۔ لہذا آؤ اور مباہلہ کریں۔ یعنی ایک دوسرے کے متعلق خدا سے دعا کریں کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں مہلت دیجئے۔ ہم غور کرلیں اور کل آئیں۔ دوسرے روز صبح جناب رسولخدا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضرت بھی مباہلہ کے لئے تیار تھے۔ اس طرح کہ حسین کو بغل میں لے لیا حسن کی انگلی پکڑلی۔ حضرت فاطمہ زہرا آنحضرت کے پیچھے اور حضرت علی ان کے پیچھے تھے۔ آنحضرت نے ان سے کہا کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ سبحان اللہ کیا وقت اور کیا حالت ہے۔ کیسے گواہ ہیں اور کیسا مشہود۔ جماعت نصاریٰ نے جب ان پنجتن پاک کو دیکھا اور دعا اور آمین کی بات سنی تو ڈر گئے۔ ابوالحارث بن علقمہ کہ ان سب میں زیادہ عالم و عقلمند تھا بولا کہ میں جماعت میں چند ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ چاہیں تو خدا ان کی خاطر پہاڑ کو اس کی جگہ سے سرکا دے۔ ہرگز مباہلہ نہ کرنا ورنہ ہلاک ہوگے۔ اور کوئی نصرانی روئے زمین پر باقی نہ رہیگا۔ اور آنحضرت نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر وہ مباہلہ کرتے تو مسخ ہو جاتے بصورت بندر و سور۔ اور اس وادی سے ان پر آتش برستی۔ تمام اہل نجران ہلاک ہوتے۔ ان کے درختوں پر کے پرندے

مرجاتے اور ایک نصرانی باقی نہ رہتا۔ پس ان لوگوں نے کہا کہ ہم مباہلہ نہیں کرتے آپ نے فرمایا مسلمان ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا یہ بھی ہمیں گوارا نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پھر لڑائی کے لیئے تیار ہو جاؤ۔ انھوں نے کہا کہ ہم میں آپ سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ لیکن ہم صلح کرتے ہیں اس پر کہ ہر سال چالیس درہم کے قیمتی دو ہزار جھلے (پوشاک) دینگے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے تیس گھوڑے، تیس شتر تیس زرہ تیس نیزہ دینگے۔ پس ان سب پر مصالحت ہو گئی ۸۸

علامہ جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری اپنی تفسیر کشاف میں آیہ مباہلہ کی تفسیر میں یہ واقعات بالکل اسی طرح لکھنے کے بعد حضرت عائشہ سے اس طرح روایت کرتے ہیں۔

جناب عائشہ فرماتی ہیں کہ جناب رسولخدا مباہلہ کے لیئے اس طرح نکلے کہ آپ کالی ردا اوڑھے ہوئے تھے حسن آئے انھیں اپنی ردا کے اندر کر لیا۔ حسین آئے اپنی ردا کے اندر کر لیا۔ پھر فاطمہ پھر علی آئے اور ان کو بھی آنحضرت نے اپنی ردا کے اندر داخل کر لیا۔ پھر آیہ تطہیر تلاوت فرمائی کہ یہ اہلبیت ہیں جن سے رجس دور رکھا گیا ہے اور جن کو پاک و صاف کیا گیا ہے۔......

اس میں آل عبا کے لیئے نہایت قوی دلیل ان کی فضیلت کی ہے ۸۹

ہر ایک تاریخ و حدیث کی کتاب میں اس واقعہ کو اسی طرح تحریر کیا ہے اور مباہلہ کیلئے محض ان ہی پنجتن پاک کا نکلنا اور تیار رہنا بیان کیا ہے۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں ۹۰

---

۸۸ شیخ عبدالحق محدث دہلوی! مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۴۹۸ تا ۵۰۰ مطبوعہ نولکشور ۱۹۰۴ء تاریخ حبیب السیر جلد اول جزو سوم ص ۴۷، ۴۸ — روضۃ الاحباب ص ۵۲۲

۸۹ تفسیر کشاف، الجزء الاول ص ۳۰۷ تفسیر آیہ مباہلہ

۹۰ صحیح مسلم الجزء السابع کتاب فضائل الصحابہ باب من فضائل علی ص ۱۲۰، ۱۲۱ ابن حجر مکی صواعق محرقہ باب التاسع فصل الثانی حدیث ثالث ص ۷۲ و باب الحادی عشر فصل الاول آیۃ تاسعہ ص ۹۳

ابن کثیر شامی: البدایہ والنہایہ فی التاریخ الجزء السابع ص ۳۳۹ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۹ پر دیکھو)

غور و فکر واقعہ مباہلہ سے بہت اہم اور دور رس نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ ناظرین غور و فکر کریں۔ ہم ان کی توجہ مندرجہ ذیل امور کی طرف دلاتے ہیں۔

۱۔ قرآن شریف کا دعویٰ ہے اور یہی اس کا معجزہ ہے کہ آئندہ آنیوالے واقعات و مسائل کا جواب اور مشکلات کا حل اس میں موجود ہے۔ خداوند تعالےٰ کے علم میں تھا کہ ایک موقع پر آگے چلکر اس کے رسول اور اُمت میں تنازعہ پیدا ہو جائے گا۔ رسول تو یہ کہیگا کہ میں تمہارے درمیان دو بزرگ چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ قرآن شریف اور میری عترت۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے قیامت تک جدا نہ ہونگے۔ تم کو چاہیئے کہ ان دونوں کی اطاعت اور پیروی کرو۔ اور اگر تم نے ان دونوں سے تمسک رکھا تو قیامت تک گمراہ نہ ہوگے۔ لیکن امت کی اکثریت کہے گی کہ نہیں حسبنا کتاب اللہ۔ ہمیں تو صرف کتاب اللہ کافی ہے۔ عترت کی ضرورت نہیں۔ خداوند تعالےٰ نے عترت رسول کی عظمت اور ضرورت کو کس عمدگی سے ظاہر کر دیا۔ کاش وہ قرآن شریف کا غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کرتے تو بھی اس ہی نتیجہ پر پہنچتے کہ اس کے صحیح معنی سمجھنے کے لیئے ایک صاحب علم مرکز یعنی عترت کی ہدایت کی ضرورت ہے۔ ورنہ ہر شخص اپنی عقل سے معنی کرے گا تو تفرقہ پڑ جائے گا چنانچہ تفرقہ پڑ ہی گیا۔ بہر صورت اس واقعہ مباہلہ سے خداوند تعالےٰ نے اس مسئلہ کو

الحاکم :- المستدرک الجزء الثالث کتاب معرفۃ الصحابہ ص ۱۵۰

جلال الدین سیوطی : تفسیر در المنثور الجزء الثانی ص ۳۹

فخر الدین رازی :- تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۷۰۰

تفسیر بیضاوی مطبوعہ نولکشور تفسیر آیہ مباہلہ

علی بن برہان الدین :- سیرۃ الحلبیہ الجزء الثالث ص ۲۴۰

ابن تیمیہ۔ منہاج الدین الجزء الثالث ص ۱

مسند احمد حنبل الجزء الاول ص ۱۸۵

نسیم الریاض شرح شفائی قاضی عیاض جلد ثالث ص ۳، ۴۵۶

شرح زرقانی علی مواہب اللدنیہ الجزء الرابع ص ۳۴

علامہ بغوی : مصابیح السنۃ الجزء الثانی ص ۲۷۸

حل کر دیا۔ عملی طور سے امت کو دکھا دیا کہ قرآن صامت کافی نہیں ہے اور وہ ہدایت تامہ کے لیے عترت رسول کا محتاج ہے۔

۲۔ نساءنا کا مقصود محض حضرت فاطمہؑ ہوئیں۔ کسی اور عورت کو ہمراہ نہ لیا ورنہ بہت آسان تھا کہ اپنی ازواج میں سے کسی کو لے جاتے۔ کیا وجہ؟ اس کی تین وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ آیۂ تطہیر ان ہی بزرگوں کی شان میں نازل ہوئی تھی۔ ازواج اس میں شامل نہ تھیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ معاملہ نازک تھا۔ کاذب پر قہر خدا نازل ہوتا تھا۔ ایسے ہی لوگ ساتھ جا سکتے تھے۔ جنھوں نے عمر بھر میں کبھی کذب سے واسطہ نہ رکھا ہو۔ کذب کی کسی شکل سے ملوث نہ ہوئے ہوں۔ سیاسی یا ذاتی اغراض و مقاصد کے لیے بھی کبھی جھوٹ نہ بولا ہو۔ کیونکہ آخر فقرہ دعا کا تو یہی تھا کہ جو جھوٹا ہے اس پر خدا کی لعنت۔ اندریں صورت صادق کامل کی ضرورت تھی۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر وہ صاحب تطہیر نہ ہوتا۔ اور ایمان بھی اس کا کامل نہ ہوتا تو وہ خود آمین کہتے ہوئے ڈرتا۔ اور اگر موقع کی اہمیت دیکھ کر آدھے دل سے آمین کہہ بھی دیتا تو اس آمین میں وہ اثر نہ ہوتا۔ جو محض ایمان کامل سے پیدا ہوتا ہے۔ جب تک یقین کے ساتھ آمین نہ کہی جاتی اس کا اثر نہ ہوتا۔ دعا کے اثر کے لیے یقین کی سخت ضرورت ہے ایمان بھی کامل ہونا چاہیے تھا۔ اس جماعت کا ایک ایک فرد ایمان کامل رکھنے والا ہونا چاہیے تھا۔ ورنہ امتحان میں فیل ہو جاتے۔ ممکن ہے کہ جن میں طہارت کامل نہ تھی ان کا یقین کامل نہ ہوتا۔ اگر ذرا بھی خیال آتا کہ شاید نصاریٰ ہی سچ کہتے ہوں۔ آدم کے تو ماں باپ دونوں نہ تھے۔ عیسیٰ کی ماں تو تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ رسولخدا کو مغالطہ ہوا ہو۔ اور نصاریٰ ہی سچ کہتے ہوں تو ہم مارے جائیں گے۔ دوسرے لوگوں نے ایسی نکتہ چینیاں لیسا اوقات کی ہیں لہذا ضرورت ہوئی کہ وہ لوگ ساتھ ہوں۔ جو رسولخدا کو ہر حالت میں ہر صورت میں سچا جانتے ہیں۔

۳۔ جو لوگ اس میں شامل تھے ان کی فضیلت سارے عالم پر مسلمہ طور سے ثابت ہے۔
ہم اس وقت جناب فاطمہ علیہا السلام کی سوانح حیات اور ان کے فضائل پر غور کر رہے ہیں۔
جناب عائشہ کہتی ہیں کہ تمام مخلوق میں سب سے زیادہ سچی حضرت فاطمہ تھیں۔ باستثنا رواۃ خود واقعاتِ مباہلہ بتا رہے ہیں کہ وہ صدیقہ کاملہ تھیں۔ اگر ان کے صدق میں ذرا سا شائبہ بھی شک کا ہوتا تو اس نازک ترین اور نبوت کے اہم ترین واقعہ میں ان کی شمولیت ناممکن تھی۔ لیکن جب یہی صدیقہ کاملہ اپنا فدک کا حق لینے دربار خلافت میں تشریف لے گئیں تو کہا گیا کہ فقط تمہارے قول کا ہمیں اعتبار نہیں۔ گواہان لاؤ۔ جب گواہان پیش کیے وہ گواہان جو اس واقعۂ مباہلہ میں شریک تھے۔ تو کہا گیا کہ لڑکوں کی شہادت ماں کے حق میں قابل قبول نہیں۔

۴۔ وہ لوگ جو اعتراض کرتے ہیں کہ کار نبوت میں شریک ہونیکے کیا معنی وہ اس واقعہ سے اس شرکت کی تشریح و معانی سمجھنے کی کوشش کریں۔

۵۔ کار نبوت و خلافت میں لوگوں کی رایوں کو اور ان کے انتخاب کو دخل نہیں ہے ورنہ یہاں کثرتِ رائے سے فیصلہ کیا جاتا۔

۶۔ ممبران مباہلہ تمام امت میں افضل ترین افراد تھے۔

۷۔ بزرگی پایاں ست نہ سال۔

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝

سورہ ۷۶: ۷، ۸، ۹

ترجمہ: وہ منتوں کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں کہ جس کی سختی ہر طرف پھیلی ہوگی۔ اور اس کی محبت میں محتاج یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم تو تم کو بس خالص خدا کے لیے کھلاتے ہیں۔ ہم نہ تم سے بدلے کے خواستگار ہیں۔ اور نہ شکر گزاری کے۔

ایسی آیتیں جن میں مومنین کو اعمالِ صالح کی ترغیب دی گئی ۔ یا افعال بد سے پرہیز کرنے کو کہا گیا ہے، دو قسم کی ہیں ۔ ایک تو وہ جو عام ہیں ۔ مثلاً سورہ بقر کی پہلی ہی آیت کو لو ۔ اس میں متقین کی عام تعریف کی گئی ہے ۔ دوسری قسم کی وہ آیات ہیں جو خاص واقعہ اور اس واقعہ کے خاص آدمیوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں مدعا ان کا بھی تحریص و تلقین ، ترغیب ہی ہوتا ہے ۔ لیکن وہ خاص واقعہ سے تعلق رکھتی ہیں ۔ مثلاً واقعہ افک کے متعلق جو آیات ہیں ۔ حالانکہ سب جانتے ہیں ۔ کہ ان کے ذریعہ سے حضرت عائشہ کو جھوٹی تہمت سے بری کیا ۔ لیکن حضرت عائشہ کا ان میں نام تک نہیں ہے ۔ صرف احادیث کے ذریعے سے ہم کو یہ واقفیت ہوئی ہے اسی طرح آیات مندرجہ بالا ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں ۔ ہم تفسیر کشاف سے حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت کا لفظی ترجمہ ذیل میں نقل کرتے ہیں ۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حسنین علیہما السلام بیمار ہو گئے اور جناب رسولِ خدا عیادت کو تشریف لائے ۔ ان کے ہمراہ اور لوگ بھی تھے ۔ انھوں نے حضرت علی سے کہا کہ بہتر ہوتا اگر تم اپنے فرزندوں کے لیئے نذر مانتے ۔ پس جناب امیر و جناب سیدہ اور فضہ ان کی لونڈی نے ان دونوں کی تندرستی کے لیئے تین تین روزے رکھنے کی منت مانی ۔ پس جب دونوں صاحب زادے صحت یاب ہو گئے تو سب نے مکر روزے رکھے ، لیکن اس وقت ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا ۔ جو افطار کیلیئے کام آتا ۔ لہذا جناب امیر نے شمعون یہودی سے جو کے تین پیمانے قرض لیئے اس میں سے ایک پیمانہ کو جناب سیدہ علیہا السلام نے پیسکر پانچ روٹیاں نفرلنہ کے مطابق تیار کیں ۔ جب افطار کے لیئے ان کے آگے رکھیں تو ایک سائل نے آکر آواز دی ۔ السلام علیکم اے اہلبیت محمد ۔ میں مسلمان مسکین میں سے ایک مسکین ہوں ۔ مجھے کچھ کھلاؤ ۔ خدا تم کو جنت کی نعمتوں سے سیر کرے ۔ سب نے اپنا کھانا اس کو بخشدیا ۔ اور پانی سے افطار کر کے سو رہے ۔ دوسرے دن پھر روزہ رکھا اور جب افطار کے لیئے

انھوں نے اپنے آگے کھانا رکھا تو ایک سائل نے آکر آواز دی کہ میں یتیم ہوں سب نے اپنا کھانا اس کو دیدیا اور پانی سے افطار کر کے سو رہے۔ اسی طرح تیسرے دن کی افطاری ایک قیدی کو بخشدی۔ صبح کو جناب امیر حسنین کا ہاتھ پکڑ کر جناب رسولخدا کے حضور میں لے گئے۔ وہ سب بھوک سے چوزہ مرغ کی طرح کانپ رہے تھے۔ آنحضرت نے ان کو دیکھ کر فرمایا یہ کیا حالت ہے جس سے مجھ کو بہت رنج ہوتا ہے۔ پھر آپ جناب امیر کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں جناب سیدہ علیہا السلام کو محراب عبادت میں کھڑا ہوا دیکھا۔ درانحالیکہ ان کی کمر ان کے پیٹ سے لگ گئی تھی۔ اور ضعف سے انکی آنکھوں میں حلقے پڑ گئے تھے۔ آنحضرت کو یہ دیکھکر بہت ملال ہوا۔ اتنے میں جناب جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے۔ اور یہ کہنے لگے کہ اے محمد یہ لو۔ خداوند تعالے تم کو تمہارے اہلبیت پر مبارکباد دیتا ہے۔ اب حضرت جبریل نے یہ سورۃ پڑھی[۱۹۱]

جناب فاطمہ علیہا السلام کے زہد و عبادت کا حال اس واقعہ سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل بیت رسول کون ہیں۔ خدا کن کو اہل بیت محمد کہ کر مبارکباد دیتا ہے۔ عوام الناس کن کو اہل بیت محمد سمجھ کر عطا و بخشش طلب کرنے کے لیئے جاتے ہیں۔

باب نہم

مناقب اہلبیت علیہم السلام

(آیہ صلوٰۃ، آیہ مودۃ)

آیہ صلوٰۃ: اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا

۱۹۱ زمخشری: تفسیر کشاف الجزء الثانی ص۵۱۱، ۵۱۲، عبید اللہ امرتسری ارجح المطالب باب دوم ص۷۲

عَلَيۡهِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ﴿ پارہ ۲۱ سورۃ الاحزاب ع ۵ ﴾

ترجمہ۔ بہ تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر، اے لوگو جو ایمان لائے ہو درود بھیجو اس پر اور سلام جیسا کہ درود و سلام بھیجنے کا طریقہ ہے۔

صحیح بخاری کی عبارت کا لفظی ترجمہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"کعب ابن عجزہ (و ابن عباس، و ابن مسعود، و عمار یاسر وغیرہم) سے مروی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی تو ہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ہم آپ پر صلوٰۃ و سلام کس طریقہ پر بھیجیں۔ آپ نے فرمایا کہ کہو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیۡتَ عَلٰی اِبۡرَاھِیۡمَ وَ عَلٰی آلِ اِبۡرَاھِیۡمَ اِنَّکَ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ ہ اَللّٰھُمَّ بَارِکۡ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکۡتَ عَلٰی اِبۡرَاھِیۡمَ وَ عَلٰی آلِ اِبۡرَاھِیۡمَ اِنَّکَ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ [92]

یہی مضمون صحیح مسلم و دیگر کتب احادیث میں ہے [93]

علمائے شیعہ و سنی کا اتفاق ہے کہ اگر تشہد نماز میں محمد اور آل محمد پر صلوٰۃ نہ بھیجی جاوے تو نماز جائز نہیں ہوتی اور نیز یہ کہ جناب رسولخدا نے فرمایا کہ وہ دعا بارگاہ الٰہی

---

[92] صحیح بخاری الجزء الثالث کتاب التفسیر ص ۱۱۹

[93] صحیح مسلم :۔ مطبوعہ مصر الجزء الثانی ص ۱۶

امام احمد حنبل۔ مسند الجزء الثالث ص ۴۷، ۸۸ الجزء الرابع ص ۱۱۸، ۱۱۹، ۲۴۱-۲۴۴ و ۲۴۳ و ۲۴۴۔ الجزء الخامس ص ۳۴۔

ابن حجر مکی صواعق محرقہ الباب الحادی عشر الفصل الاول ص ۸۷

علی متقی۔ کنز العمال الجزء الاول ص ۱۲۳، حدیث ۲۱۵۶، ص ۱۲۴، حدیث ۲۱۷۵، ۲۱۸۹، ص ۱۲۵، حدیث ۲۱۹۰ لغایت ۲۱۹۳

شمس الدین الجزری اسنی المطالب ص ۲۱

مستدرک الجزء الثالث ص ۱۴۸

تک نہیں پہنچتی جس میں محمد اور آل محمد پر درود نہ بھیجی گئی ہو[۹۴] چنانچہ امام شافعی کے مشہور اشعار جو علامہ ابن حجر مکی نے اپنی کتاب صواعق محرقہ میں نقل کئے ہیں اس امر پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ اشعار یہ ہیں[۹۵]

یا اہل بیت رسول اللہ حبکم	فرض من اللہ فی القرآن انزلہٗ
کفاکم من عظیم القدر انکم	من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ لہٗ[۹۶]

ترجمہ:۔ اے اہلبیت رسول اللہ۔ خداوند تعالےٰ نے اپنے قرآن میں جو اس نے اپنے پیغمبر پر نازل کیا تمہاری محبت کو امت اسلامیہ پر فرض قرار دیا۔ تمہاری عظمت قدر کے لیئے یہ کافی ہے۔

آیہ مودۃ القربیٰ

قُلْ لَّا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۚ وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۖ فَإِنْ يَشَإِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ (س ۴۲ : ۲۴)

ترجمہ:۔ تم اے نبی یہ کہدو کہ میں تو اس تبلیغ رسالت کا تم سے کچھ اجر سوائے اس کے طلب نہیں کرتا کہ میرے نزدیکی رشتہ داروں سے محبت کرو۔ اور جو اس بارے میں کوئی نیکی بھی کریگا اس کی خاطر ہم اسکی نیکی کو بہت بڑھا دینگے۔ بیشک اللہ بخشنے والا اور بہت بڑا قدر دان ہے۔ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھا ہے۔ پس اگر اللہ چاہے تو اے نبی تیرے دل پر مہر لگادے اور اللہ باطل کو مٹاتا ہے اور اپنے کلمات کے ذریعے سے حق کو ثابت کرتا ہے۔ بے شک وہ دلوں کی حالت سے پورا پورا آگاہ ہے۔

لفظ قربیٰ کی تشریح خود جناب رسولخدا نے فرما دی ہے جیسا ہم ابھی روایت کرتے ہیں یہ مسلمہ ہے کہ یہ چاروں حضرات علی و فاطمہ و حسنین علیہم السلام تو اس لفظ کے سب سے پہلے مصداق ہیں۔ اب تو اتنی ہی کوشش رہ گئی کہ حضرت علی کے بھائیوں اور بھتیجوں کو اس میں داخل کر کے ذرا ان کی فضیلت میں کمی کر دیجائے۔ لیکن وہ بھی ممکن نہ ہوا۔ جب آیہ تطہیر نازل ہوئی تب رسولخدا نے ان پر چادر ڈال کر بتلا دیا کہ ان کے اہلبیت اور آیہ تطہیر کے

۹۴؎ ابن حجر: صواعق محرقہ الباب الحادی عشر الفصل الاول صفحہ

۹۵؎ ایضاً

ایضاً

مقصود صرف یہ حضرات ہیں۔ آیۂ مباہلہ کے وقت اس تشریح کا اعادہ کیا گیا۔ آیہ صلوٰۃ کے نازل ہونے پر جناب رسولخدا نے صاف طور پر تبلا دیا کہ اس کے مصداق صرف، آنحضرت علی، فاطمہ حسن حسین ہیں۔ اب آیۂ مودت کے نزول کے وقت بھی یہ ہی تشریح کی۔ اس پر آنحضرت کے معترضین اور حضرت علی کے مخالفین کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ دیکھو جناب رسولخدا اپنے خاندان خصوصاً علی و فاطمہ کی محبت میں اس طرح سرشار ہیں کہ خدا پر بھی بہتان باندھنے لگے۔ اس آیہ میں ان معترضین کی اس نکتہ چینی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا۔ اور ان کو جواب بھی دیدیا گیا ہے کہ یہ اعتراض غلط ہے۔ بلکہ خداوند تعالےٰ اپنے کلمات کے ذریعے سے باطل کو مٹاتا ہے اور حق کو ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ کلمات بھی قرابت داران محمد ہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم اپنے قیاس سے یہ تفسیر ان آیات کی کر رہے ہیں ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں

و نقل الثعلبی و البغوی عن ابن عباس انہ لما نزل قولہ تعالیٰ قُلْ لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی قال قوم فی نفوسھم ما یرید الا ان یحثنا علی قرابتہ من بعدہ فاخبر جبرئیل النبی صلے اللہ علیہ وسلم انھم اتھموہ فانزل ام یقولون افتری علی اللہ کذبا الآیہ [۹۲]	ثعلبی و بغوی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ جب آیہ مودۃ القربیٰ نازل ہوئی تو ایک جماعت نے اپنے دل میں کہا کہ رسولخدا کا اس سے یہ منشا ہے کہ ان کے بعد ہم ان کے قرابت داروں کے ساتھ تمسک کریں۔ پس جبرئیل نے اس اعتراض کی اطلاع جناب رسولخدا کو دی کہ وہ آپ پر یہ تہمت رکھتے ہیں۔ اور یہ آیت نازل ہوئی۔ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا
عن ابن عباس قال لما نزلت ھذہ الآیہ قل لا اسئلکم الآیہ قالوا یا رسول من ھولاء الذی امرنا	ابن عباس کہتے ہیں کہ جب یہ آیہ مودۃ القربیٰ نازل ہوئی تو لوگوں نے پوچھا کہ اے رسولِ مقبول وہ کونسے آپ کے قرابتدار ہیں جنکی

[۹۲] ابن حجر مکی: صواعق محرقہ الباب الحادی عشر الفصل الاول ص ۱۰۲

اللہ تعالیٰ بمودتہم قال علی و فاطمہ وابناھما[۹۷] | جن کی محبت کا حکم خداوند تعالےٰ نے ہمکو دیا ہے آپنے فرمایا کہ علی و فاطمہ اور ان کے دونوں پسران

سید شیخ علی ہمدانی نے جو اہلسنت و جماعت کے بہت بڑے عالم ہیں اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام کتاب مودۃ القربیٰ ہے۔ اس کتاب کی تشریح و تفصیل قسطنطنیہ کے مفتی اعظم شیخ سلیمان قندوزی نے کی ہے اور اس کا نام ینابیع المودۃ رکھا ہے۔ یہ کتاب اسلامبول میں چھپ چکی ہے۔

باب دہم

فضائل اہلبیت علیہم السّلام

جناب رسولخدا نے فرمایا فلو ان رجلاً صفن بین الرکن والمقام فصلی صام ثم لقی اللہ وھو مبغض لاھل بیت محمد دخل النار۔ حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث بروئے شرائط شیخین یعنی بخاری و مسلم بالکل صحیح ہے۔ اگرچہ انھوں نے نقل نہیں کی[۹۸]

ترجمہ:۔ اگر ایک شخص رکن و مقام کے درمیان نماز پڑھے اور روزہ رکھا ہو لیکن وہ مبغض اہلِ بیت محمد ہو تو سیدھا دوزخ میں ڈالدیا جائے گا۔

---

۹۷ جلال الدین سیوطی احیاء المیت فی الاحادیث الواردۃ فی اہل البیت برحاشیہ کتاب اتحاف ص۱۱۱
ابن حجر مکی:۔ صواعق محرقہ الباب الحادی عشر الفصل الاول، ص۱۰۱
شیخ سلیمان:۔ ینابیع المودۃ
سید علی ہمدانی مودۃ القربیٰ — میرزا معتمد خاں نزل الابرار ص۵
شیخ عبداللہ کتاب الاتحاف ص۵ — روضۃ الندیہ ص۱۰۲
عبیداللہ امرتسری ارجح المطالب باب دوم ص۷۰
شیخ یوسف بن اسماعیل الشرف المؤبد لآل محمد ص۷۵
۹۸ مستدرک الجزء الثالث ص۱۴۹ ینابیع المودۃ ص۳۷۰

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ جناب رسولخدا نے علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کی طرف نظر کی اور فرمایا انا حرب لمن حاربکم و سلم لمن سالمکم یعنی میری لڑائی ہے اس سے جو تم سے لڑتا ہے اور میری صلح ہے اس سے جو تم سے صلح رکھتا ہے ۹۹ یہی روایت زید ابن ارقم سے بھی مروی ہے ۱۰۰

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، النجوم امان لاھل الارض من الغرق واھل بیتی امان لامتی من الاختلاف فاذا خالفتہا قبیلۃ من العرب اختلفوا فصاروا حزب ابلیس۔ ھٰذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ ۱۰۱

یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ فرمایا جناب رسولخدا نے کہ جس طرح نجوم زمین کے رہنے والوں کے لئے غرق سے امان ہیں اسی طرح میرے اہلبیت میری امت کے لئے اختلاف سے امان ہیں۔ جب امت انکی مخالفت کرے گی تو امت کے لوگ آپس میں اختلاف کرینگے اور بس اس وجہ سے وہ شیطان کے لشکر بنجائیں گے۔

وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ جناب رسولخدا نے اپنے بعد کے زمانے کے لئے امت کا کچھ انتظام نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ اپنے جانشین مقرر کرنیکی طرف بھی کچھ توجہ نہیں کی۔ اس حدیث کو بہت غور سے پڑھیں۔ ہر ایک مذہب و قوم کے لئے ایک مرکز کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس میں انتشار و اختلاف نہ پیدا ہو۔ بغیر مسلمہ مرکز کے قوم شتر بے مہار کی طرح ڈانوا ڈول پڑی پھرتی ہے، یہاں تک کہ آپس کے اختلاف پیدا ہو کر اس کو نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر مذہب میں کوئی مرکز نہیں ہے تو ہر ایک شخص اپنی رائے سے مذہب کے اصول کے مطابق کرے گا۔ اور اس طرح فرقوں کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ جناب رسولخدا نے

---

۹۹ مستدرک الجزء الثالث ص ۱۴۹ صواعق محرقہ الباب حادی عشر ص ۸۵، ۸۷ ینابیع المودۃ

۱۰۰ مستدرک الجزء الثالث ص ۱۴۹ ینابیع المودۃ ص ۱۹۴

۱۰۱ مستدرک الجزء الثالث ص ۱۴۹ ینابیع المودۃ شیخ سلیمان قندوزی، مفتی اعظم قسطنطنیہ الباب التاسع والخمسون ص ۲۹۸ نیز باب السادس والخمسون ص ۱۹۱ — الباب الثالث ص ۱۹، ۲۰ صواعق محرقہ ابن حجر مکی الباب الحادی عشر ص ۹۱

اس انتشار و اختلاف کے روکنے کے لیئے ایک مرکز قائم کر دیا اور حکم دیا کہ اس مرکز کی اطاعت کریں اور اس کے احکام کو مانیں اگر ایسا کریں گے تو وہ اختلاف و فتنہ سے بچے رہیں گے ورنہ مختلف فرقے شیطانوں کی جماعتیں بنجائیں گی۔ اور اس مرکز کے لیئے آپ نے اپنے اہلبیت کو بحکم خداوندی قرار دیا۔ لیکن لوگوں نے آپ کے اس حکم کی اطاعت نہ کی۔ آپ کی اختلاف والی پیشین گوئی پوری ہوئی اور اسلام میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے۔ آپ کے اہلبیت امت کو اختلاف سے بچانے والے تھے۔ لیکن امت نے ان کی نہ سنی۔ دیکھ لو آپس میں کتنا اختلاف ہے۔ اس ہی مطلب کی ایک دوسری حدیث ہے جس کو حدیث ثقلین کہتے ہیں

کانی دعیت فاجبت انی ترکت فیکم الثقلین احدھما اکبر من الاخر کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی فانظروا کیف تخلفونی فیھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی ابدا ۱۰۲	میری طلبی بارگاہِ احدیت میں ہوئی ہے اور میں نے لبیک کہدی ہے۔ میں تمہارے درمیان دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ان میں سے ایک دوسرے سے بڑی ہے۔ قرآن کریم و میرے اہلبیت یعنی میری عترت خیال رکھو کہ تم ان دونوں سے میرے بعد کیسا سلوک کرتے ہو وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے حتیٰ کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر قیامت کے

۱۰۲ صحیح مسلم الجزء السابع ص ۱۲۲، ۱۲۳

مسند احمد حنبل۔ الجزء الثالث ص ۱۴، ۱۷، ۲۶

الجزء الرابع ص ۳۶۷، ۳۷۱

الجزء الخامس ص ۱۸۲، ۱۸۹

سیرۃ الحلبیہ الجزء الثالث ص ۳۰۸

ابن تیمیہ:۔ منہاج السنۃ الجزء الرابع ص ۱۰۴، ۱۰۵

الحاکم: مستدرک علی الصحیحین۔ الجزء الثالث ص ۱۴۸

الخفاجی:۔ نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض الجزء الثالث ص ۴۵۵

اسلام کی اس تاریخ کے چہرہ پر جو سقیفہ بنی ساعدہ سے شروع ہوتی ہے اور اب تک جاری ہے جلی حروف میں یہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ اسلام میں جو حکومت آنحضرت کے بعد قائم ہوئی اسکی سیاست کا پہلا اور آخری اصول اہلبیتِ رسول سے عناد رکھنا تھا۔ دجو اسلام آنحضرت کی رحلت کے بعد امت کی اکثریت میں رائج کیا گیا اس کے دستور العمل کا پہلا عنوان عترتِ رسول سے انحراف کرنا اور ان کے غیر کی طرف رجوع کرنا تھا۔ اس طرزِ عمل کا جو نتیجہ ہوا اس نے حدیثِ ثقلین کی پیشین گوئی کی صداقت کو ثابت کر دیا۔ اسلامی قوم اس طرح وادیٔ ضلالت میں پڑی کہ اب تک اس سے نکلنے کی صورت نظر نہیں آتی۔ نہ عترتِ رسول کی طرف رجوع کرینگے نہ یہ ضلالت ضائع ہوگی۔ اس عناد و انحراف کی پوری تاریخ اور اس کی تفصیلات اگر کوئی معلوم کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیئے کہ ہماری "کتاب التفریق و التحریف فی الاسلام" کا بغور مطالعہ کرے۔

اس ہی حدیث کے سلسلۂ بیان میں آنحضرت نے یہ بھی فرمایا سالت ربی ذالك لھما فلا تقدموھما فتھلکوا ولا تقصروا عنھما فتھلکوا ولا تعلموھم فانھم اعلم عنکم ۱۰۳ یعنی تم ان دونوں (میرے عترت و قرآن) سے پیش قدمی نہ کرو ورنہ ہلاک ہوگے۔ اور نہ انکی پیروی میں کوتاہی کرو ورنہ ہلاک ہوگے۔ اور میری عترت اہلبیت کو تم سکھانے کی کوشش نہ کرو۔ کیونکہ وہ تم سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔

ناظرین ان احادیث کے مضمون کو اچھی طرح ذہن میں محفوظ رکھیں۔ کیونکہ آگے چلکر فدک کے مقدمہ میں جب حکومت نے حضرت فاطمہ و حضرت علی کو جھوٹا سمجھا اور

---

۱۰۳ نور الدین علی بن عبداللہ السمہودی: جواہر العقدین۔

ابن حجر مکی: صواعق محرقہ الباب الحادی عشر الفصل الاول ص ۸۹

احمد بن الفضل باکثیر: وسیلۃ المآل فی عد مناقب الآل

محمود بن محمد الشیخانی القادری: صراط سوی فی مناقب آل النبی

اور والا وارث حدیث ان کو سکھانے کی کوشش کی۔ ہمیں ان احادیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

آنحضرت نے یہ بھی فرمایا انا حرب لمن حاربھم وسلم لمن سالمھم[۱۰۴] میری لڑائی ہے اس سے جو میرے عترت سے لڑتا ہے اور میری صلح ہے اس سے جو میری عترت سے صلح کرتا ہے۔

فرمایا جناب رسولخدا نے کہ مجھ سے محبت کرو خدا کی محبت کی وجہ سے اور میری عترت اہلبیت سے محبت کرو میری محبت کی وجہ سے[۱۰۵]

فرمایا جناب رسولخدا نے کہ اس قادر مطلق کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ جو شخص بھی ہم اہلبیت سے بغض کرے گا خدا اُسے دوزخ میں داخل کریگا[۱۰۶]

باب خانۂ کعبہ کو پکڑ کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہے جو نہیں جانتا وہ معلوم کرے کہ میں ابوذر ہوں۔ میں نے جناب رسولخدا کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ میرے اہلبیت کی مثال کشتیٔ نوح کی ہے کہ جو اس پر سوار ہوگیا اُس نے نجات پائی اور جس نے اس سے اعراض کیا وہ غرق ہوا۔ یعنی جس نے ان سے تمسک کیا اس نے نجات پائی اور جس نے ان سے انحراف کیا وہ غرق ہوا[۱۰۷]

باب یازدھم

حجۃ الوداع

اسلام میں حج اس وقت فرض ہوا ہے کہ جب آنحضرت مکہ معظمہ سے ہجرت

---

[۱۰۴] ابن حجر مکی صواعق محرقہ الباب الحادی عشر ص ۸۵، ۸۷ ۔ الحاکم مستدرک الجزء الثالث ص ۱۴۹ [۱۰۵] حاکم المستدرک الجزء الثالث ص ۱۵۰ [۱۰۶] ایضاً

[۱۰۷] المستدرک الجزء الثالث ۱۵۰ - ۱۵۱

کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لاچکے تھے۔ ہجرت کے بعد نہ تو آنحضرت نے اور نہ علی مرتضٰی و فاطمہ زہرا نے کوئی حج کیا تھا۔ لہذا جناب رسولخدا نے ارادہ حج فرمایا اور تمام اطراف و اکناف عرب میں اس آخری حج کی منادی کرا دی گئی۔ ہزاروں آدمی مدینہ و اطراف مدینہ سے آنحضرت کے ہمراہ حج پر جانے کے لیئے تیار ہو گئے۔ آنحضرت جمعرات اور بقولے ہفتہ ۲۵ ذی قعدہ ۱۰ھ کو مدینہ منورہ سے حج کے لیئے نکلے۔ اس وقت آنحضرت کے ہمرکاب ۹۰ ہزار آدمی تھے۔ لیکن راستے میں بہت سے لوگ شامل ہوتے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ جب آپ مکہ معظمہ پہنچے ہیں تو آپ کے ہمراہ ایک لاکھ بیس ہزار آدمی تھے[۱۰۸] حضرت فاطمہ اور ازواج رسول بھی آنحضرت کے ہمراہ تھیں۔ حضرت علی اس وقت یمن میں تھے آنحضرت نے علی کو لکھا کہ حج کے لیئے آکر شریک ہو۔ راستہ میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ حضرت عائشہ کا اسباب ہلکا تھا اور ان کا اونٹ جس پہ اسباب تھا تیز رفتار تھا۔ حضرت صفیہ کا اسباب بھاری تھا اور ان کا اونٹ سست رفتار تھا۔ لہذا اکثر وہ قافلے کے پیچھے رہ جاتا تھا۔ یہ ملاحظہ فرما کر آنحضرت نے حکم دیا کہ حضرت صفیہ کے اسباب کو حضرت عائشہ والے اونٹ پر لاد دیا جائے اور حضرت عائشہ کے اسباب کو حضرت صفیہ والے اونٹ پر رکھ دیا جائے۔ اور آنحضرت نے حضرت عائشہ سے کہا کہ اے ام عبداللہ تیرا اسباب ہلکا تھا اور اونٹ تیز رفتار اور صفیہ کا اسباب بھاری ہے اور اونٹ سست رفتار۔ پس ہم نے تیرے اسباب کو صفیہ کے اونٹ پر رکھ دیا ہے۔ اور صفیہ کے اسباب کو تیرے اونٹ پر رکھ دیا ہے۔ اس پر حضرت عائشہ کو بہت غصہ آگیا۔ اور فرمایا "اور آپ کا یہ گمان ہے کہ آپ خدا کے رسول ہیں" آنحضرت نے فرمایا کہ کیا تم کو اس میں شک ہے کہ میں رسول اللہ ہوں اے ام عبداللہ اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ انصاف نہیں کرتے۔[۱۰۹] جب آنحضرت مکہ کے قریب پہنچے تو حضرت علی بھی آگئے۔ اور آنحضرت کے ساتھ حج میں شریک ہو گئے۔

---

[۱۰۸] اعیان الشیعہ محسن عاملی الجزء الثانی ص ۱۰۱ ۳

[۱۰۹] سیرۃ حلبیہ الجزء الثالث ص ۲۹۲، ۲۹۳

اس سفر سے واپسی پر ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ کو بمقام غدیر خم آیت یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الآیہ نازل ہوئی۔ آپ فوراً وہیں ٹھہر گئے۔ زمین صاف کرائی۔ پالان ہائے شتر کا منبر بنایا۔ اور مشہور اعلان من کنت مولاہ فہذا علی مولاہ الخ فرمایا۔ اس کا تذکرہ مفصل ہم البلاغ المبین حصہ اول میں کر چکے ہیں۔

باب دوازدہم

رحلت رسول

هل النبی ولم تخلد لامته | لو خلد الله خلقا قبله خلدا
للموت فینا سهام غیر خاطیة | من فاته الیوم سهم لم یفته غدا

علی ع

اذا مات یوم میت قل ذکره | وذکر النبی مذ مات والله ازید
فلو کانت الدنیا یدوم بقائها | لکان رسول الله فیها مخلدا

ناظمہ

شاہ عبد الحق محدث دہلوی مدارج النبوت میں تحریر فرماتے ہیں کہ روز دوشنبہ بست و ششم ماہ صفر ۱۱ھ جناب رسولخدا نے تجہیز جیش اسامہ کا حکم دیا۔ روز چہار شنبہ بتاریخ بست و ہشتم ماہ صفر آپ کو مرض آخر لاحق ہوا۔ لیکن علامہ شبلی کی تحقیق ہے کہ ۱۸ یا ۱۹ صفر ۱۱ھ کو یہ مرض شروع ہوا اور ان کے بموجب ۱۲ روز رحلت یکم ماہ ربیع الاول ۱۱ھ ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ آپ تیرہ دن بیمار رہے۔ مرویات اہلبیت علیہم السلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت نے ۲۸ ماہ صفر ۱۱ھ کو رحلت فرمائی۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ آپ کا مرض ۱۵ ماہ صفر ۱۱ھ کو شروع ہوا۔ مولوی اولاد حیدر صاحب بلگرامی صاحب اسوۃ الرسول نے یکم ربیع الاول ۱۱ھ کو تاریخ رحلت ماننے سے

انکا کہنا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ تاریخ دفن ہے۔ انھوں نے ۲۸ صفر سنہ ۱۱ھ کو تاریخ رحلت قرار دیا ہے لیکن یہ مانتے ہیں کہ وہ دن دوشنبہ کا تھا جس دن رحلت فرمائی۔ ابن سعد نے دو ربیع الاول سنہ ۱۱ھ روز دوشنبہ قرار دیا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو ۲۸ صفر کو دوشنبہ کا دن نہیں ہو سکتا لیکن جو لوگ ۲۸ صفر کو رحلت کا دن قرار دیتے ہیں وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ دن دوشنبہ کا تھا غرضکہ یہ تو تقریباً متفقہ اُمت ہے کہ دن دوشنبہ کا تھا۔ تاریخ میں اختلاف ہے۔ بہرصورت جو بھی تاریخ ہو وہ دن عترت اہلبیتِ رسول کے لیے سخت ترین مصیبت کا دن تھا۔ کہ اسی دن سے ان پر مصائب و آلام و ظلم و جور کا وہ سلسلہ شروع ہوا جو اب تک بھی ختم نہیں ہوا۔ ان کی زندگیاں ختم ہو گئیں۔ لیکن مرنے کے بعد بھی ظلموں کا سلسلہ جاری ہے۔ رحلت والے دن آنحضرت نے حضرت علی کو خاص طور سے بلایا۔ وہ کسی کام کے لئے باہر چلے گئے تھے۔ حضرت علی آئے۔ آنحضرت نے اشارہ کیا۔ حضرت علی جھک گئے اور آنحضرت دیر تک حضرت علی سے باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد حضرت علی آنحضرت کے نزدیک بیٹھ گئے۔ مرض پھر تیز ہو گیا۔ جب احتضار کا وقت ہوا تو آنحضرت نے علی سے کہا کہ میرا سر اپنی گود میں لے لو۔ اور جب حکم خدا پورا ہو جائے اور میری روح نکل جائے تو اپنے ہاتھ سے اپنے چہرہ کو میرے چہرے سے ملنا۔ اور مجھے قبلہ رُو لٹا دینا۔ اور مجھے نہ چھوڑنا جب تک کہ دفن نہ کر لو۔ پس حضرت علی نے آنحضرت کا سر اپنی گود میں لیا۔ اور آنحضرت بیہوش ہو گئے [110] جناب فاطمہ نے گریہ و بکا شروع کیا۔ اور بہت ہی روئیں۔ آنحضرت نے اشارہ سے انھیں اپنے پاس بلایا۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آنحضرت نے اپنے مرض کے آخر میں فاطمہ کو بُلا کر کچھ چپکے سے کہا۔ وہ رونے لگیں۔ پھر آنحضرت نے کچھ اور بات کہی تو وہ خوشی سے ہنس پڑیں۔ آنحضرت کے انتقال کے بعد ہم نے فاطمہ سے وجہ پوچھی۔ انھوں نے کہا پہلے تو آنحضرت نے کہا تھا کہ میں اس مرض میں انتقال کر جاؤنگا۔ اس پر میں رونے لگی۔ پھر آنحضرت نے فرمایا کہ اہلبیت میں سے سب سے پہلے تم آنحضرت سے جا کر ملو گی اس پر میں خوش ہو گئی [111]

---

[110] اعیان الشیعہ الجزء الثانی صہ ۳۸۱، ۳۸۲

[111] مدارج النبوت نولکشوری جلد دوم صہ ۵۴۲، ۵۵۵۔ طبقات ابن سعد ق ۲ ج ۲ صہ ۱۵ صحیح بخاری

اب حضرت عزرائیل اہلبیت رسالت کی اجازت سے اندر داخل ہوئے۔ اور وہ روح اقدس اپنے رفیقِ اعلےٰ سے ملاقی ہوگئی۔ گھر میں ایک کہرام مچ گیا۔ ازواج رسول بین کر کے روتی تھیں۔ اور جناب فاطمہ کی تو یہ حالت تھی کہ غم کے مارے پچھاڑے کھاتی تھیں آنسو کی لڑی تھی کہ آنکھوں سے رواں تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اب آنسوؤں کے ساتھ روح بھی کھنچ کر چلی آئیگی حسنین علیہما السلام نانا کے جسدِ اقدس سے لپٹ کر پچھاڑے کھاتے تھے۔ علی مرتضیٰ کی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی کہتے ہیں کہ اس وقت کے بعد سے پھر کسی نے جناب فاطمہ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔

یہاں گھر میں یہ کہرام تھا وہاں حضرت عمر خلافت کے انتظام میں لگے ہوئے تھے۔ مشکل یہ آپڑی تھی کہ اُن کے ساتھی حضرت ابوبکر اپنی نئی دولہن کے گھر محلہ سخ میں تھے۔ اُن کے بغیر کام شروع نہیں ہو سکتا تھا۔ اتنی دیر کے لئے انھوں نے یہ انتظام کیا کہ آنحضرت کی خبر مرگ پھیلنے نہ پائے۔ لہذا تلوار لیکر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ جو یہ کہیگا کہ محمد مر گئے۔ تو میں سر قلم کردوں گا۔ وہ تو حضرت موسیٰ کی طرح میقات کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ واپس آن کر منافقین کا سر قلم کرینگے۔ حضرت موسیٰ تو میقات کیلئے معہ جسم کے تشریف لے گئے تھے۔ یہاں تو وہ جسم سامنے پڑا ہوا تھا۔ مولوی شبلی لکھتے ہیں کہ "ایک پالیسی تھی"[۱۱۲] تھوڑی دیر میں حضرت ابوبکر آ گئے۔ اپنا مشہور خطبہ ادا کیا کہ جو خدا کی عبادت کرتا ہے وہ تو جان لے کہ خدا زندہ ہے۔ کبھی نہیں مرے گا۔ اور جو محمد کی پرستش کرتا ہے وہ سمجھ لے کہ محمد مر گئے۔ آؤ چلیں ملکر خلیفہ کا انتخاب کریں کہ ہم اپنے میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کریں[۱۱۳] آنحضرت کی محبت کو پرستش کا نام دینے سے یہ مدعا تھا کہ محبت کا زور زیادہ ہو کر لوگوں کو عترت متوفی کی طرف نہ لے جائے۔ خیر یہ سن کر حضرت عمر کا شرح صدر ہو گیا۔ اور وہ دونوں ملکر سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف چلے۔ راستہ میں ابو عبیدہ بن الجراح نے انھیں ساتھ لیا

---

[۱۱۲] الفاروق حصہ اول ص ۶۵

[۱۱۳] صواعق محرقہ المقدمۃ الثانیہ ص ۵

اور صرف یہ تین بزرگوار سقیفہ میں پہنچے۔ وہاں جا کر اس طرح خلافت کے لئے لڑائی لڑی ہے کہ بقول مولوی شبلی کے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان پر کوئی حادثہ ہی نہیں پڑا[114] حضرت علی ماتم رسول میں آنحضرت کے پلنگ سے لگے بیٹھے رہے۔ جیسا کہ محبت و وفاداری کا تقاضا ہے۔ [114] اس موقع کے متعلق عرفی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

خلافت گذارد بماتم نشیند ― اما میکہ روزِ وفاتِ پیمبر

مولوی شبلی کی عبارت پر ہمنے البلاغ المبین حصہ دوم میں مکمل بحث کی ہے [115] بستر مرگ پر آنحضرت نے حدیثِ ثقلین کا اعادہ کیا۔ اور جس دن انتقال ہوا اس دن آخری وصیت جو کی وہ یہ تھی کہ دیکھو میری عترت سے حسنِ سلوک کرنا۔ قیامت کے دن میں تم سے سوال کرونگا کہ تم نے میری عترت کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔[116] لیکن امت نے جو سلوک عترتِ رسول سے آنحضرت کے بعد کیا اور جس طرح دخترِ رسول کو ان کے باپ کا پرُسا دیا وہ بنی نوع انسان کے لئے قیامت تک باعثِ شرم و ذلت اور ابلیس کے لئے موجب فخر و مباہات رہیگا۔

دوران مرض میں آنحضرت باری باری سے اپنی ازواج کے گھر میں تشریف لیجاتے تھے لیکن آپ حضرت میمونہ کے گھر میں تھے کہ صاحبِ فراش ہو گئے۔ باقی ایام حضرت عائشہ کے گھر میں گذارے۔ مورخ طبری حضرت عائشہ کے گھر میں تشریف لانے کے واقع کو اس طرح لکھتا ہے۔

"آپ میمونہ کے گھر میں تھے کہ صاحب فراش ہو گئے۔ آپ نے اپنی سب ازواج کو بلایا اور ان سے اجازت لی کہ آپ کی تیمارداری میرے حضرت عائشہ کے گھر پر ہو۔ انھوں نے اس کی اجازت دیدی۔ آپ وہاں اپنے خاندان کے دو شخصوں کے سہارے جن میں ایک فضل بن عباس تھے اور دوسرے ایک اور شخص تھے اس طرح آئے کہ صرف آپ کا قدم زمین پر پڑتا تھا۔ اور سر پر پٹی بندھی تھی اسی طرح میرے گھر آ گئے

---

[114] الفاروق حصہ اول ص ۶۶ [115] البلاغ المبین حصہ دوم ص ۱۰۸۲
[116] صواعق محرقہ الباب الحادی عشر ص ۸۹، ۹۰، ۱۳۵

عبید اللہ سے مروی ہے کہ میں نے عائشہ کی یہ روایت عبد اللہ
ابن عباس سے بیان کی اور پوچھا کہ یہ دوسرے شخص کون تھے انھوں نے
کہا کہ وہ علی ابن ابی طالب تھے۔ جہاں تک بھی ان سے ہو سکتا تھا حضرت
عائشہ علی کا ذکر خیر کے ساتھ نہیں کرتی تھیں ۔^۱۷۱

اگر منافقین اور کفار یہ کہیں کہ آخری وقت تک آنحضرت کے لیے حسن و جوانی کی
جاذبیت نہ گئی۔ تو یہ غلط ہوگا۔ حضرت عائشہ کے یہاں مرض کے آخری دن گزارتے
میں چند مصلحتیں تھیں۔ اور اس کی وجوہات تھیں۔ (۱) یہ امر واقعہ ہے جیسا کہ حضرت
عائشہ نے بیان کیا ہے کہ ازواجِ رسول دو مخالف جماعتوں میں منقسم تھیں۔ ایک
میں حضرت عائشہ، حضرت سودہ اور صفیہ اور دوسری میں حضرت ام سلمہ اور باقی ازواج
تھیں۔ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کا مزاج جیسا تھا اس کا کچھ تذکرہ قرآن شریف میں
آگیا ہے۔ حضرت ام سلمہ اور ان کی جماعت کی ازواج نے تو آنحضرت کو اجازت دیدی کہ
حضرت عائشہ کے مکان میں قیام فرمائیں۔ لیکن اگر آنحضرت ام سلمہ کے مکان میں قیام
فرمانا چاہتے تو حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کبھی اجازت نہ دیتیں اور ایک نزاع
پیدا ہو جاتا۔

(۲) آنحضرت کا ارادہ تھا کہ مرض کے آخری ایام میں حضرت علی کے حق میں وصیت
تحریر کرائیں گے۔ اگر آنحضرت اپنی دختر یا حضرت ام سلمہ کے گھر میں ہوتے تو مخالفین
کہتے کہ آنحضرت پر زور ڈالکر یہ وصیت لکھائی گئی ہے۔ اپنے گھر میں ہوتے ہوئے تو
کہدیا کہ یہ شخص ہذیان بک رہا ہے۔ اگر دوسرے کے گھر پر ہوتے تو معلوم نہیں کیا کہتے
(۳) آنحضرت جب حضرت عائشہ کے گھر آگئے تو پھر اتنی طاقت نہ رہی تھی کہ دوسرے
گھروں پر باری باری سے جاتے۔

یوں تو اہلبیت علیہم السلام میں سے ہر ایک کو جناب رسولخدا کی جدائی کا رنج و صدمہ
عظیم ہوا۔ لیکن جناب فاطمہ کے رنج کی تو کوئی حد ہی نہ تھی۔ اس واقعہ کے بعد کسی

---

۱۷۱ تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۱۹۱

نے حضرت فاطمہ کو ہنستے ہوئے نہ دیکھا۔ رات دن رونے سے کام تھا۔ ان کے شورِ بکا سے محلہ والے بیچین رہتے تھے انھوں نے حضرت علی کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ فاطمہ کی گریہ و زاری و شیون سے ہمارا آرام حرام ہو گیا ہے۔ حضرت علی نے جناب فاطمہ کو یہ پیغام بھیجا۔ اس دن سے جناب معصومہ نے جنت البقیع میں ایک جھونپڑی ڈال لی۔ دن کو وہاں چلی جاتی تھیں اور باپ کے فراق میں رویا کرتی تھیں۔

جناب فاطمہ نے اپنے والد بزرگوار کے فراق میں جو اشعار کہے ہیں۔ اس سے ان کے رنج کی گہرائی اور اہلبیت علیہم السلام کی فصاحت و بلاغت زبان کے درجہ کی بلندی اچھی طرح نمایاں ہیں۔ آپ فرماتی ہیں۔

(۱) اذا مات یوم میت قل ذکرہ — وذکر ابی مذ مات واللہ ازید

(۲) تذکرت لما فرق الموت بیننا — فعزیت نفسی بالنبی محمد

(۳) فقلت لہا ان الممات سبیلنا — ومن لم یمت فی یوم مات غد

ترجمہ (۱) جب کوئی مرتا ہے تو مرنے والے کا غم اور اس کی یاد اسی دن سے کم ہونے لگتی ہے۔ لیکن بخدائے لایزال میرے والد کی یاد جس دن سے ان کی رحلت ہوئی ہے روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔

(۲) جب موت نے ہمارے درمیان میں تفرقہ ڈالدیا اسی دن سے میں یاد کرتی ہوں اور اپنے جی کی یہ کہکر تعزیت کرتی ہوں کہ

(۳) موت تو ہم سب کا راستہ ہے جو آج نہیں مرا وہ کل مریگا۔

پھر فرماتی ہیں۔

(۱) قل للمغیب تحت اطباق الثری — ان کنت تسمع صرختی وندائیا

(۲) صبت علی مصائب لو انہا — صبت علی الایام صرن لیالیا

(۳) قد کنت ذات حمی بظل محمد — لا اختشی ضیما وکان جمالیا

(۴) فالیوم اخشع للذلیل واتقی — ضیمی وادفع ظالمی بردائیا

(۵) فاذا بکت قمریۃ فی لیلہا — شجنا علی غصن بکیت صباحیا

(۶) فلا جعلن الحزن بعدک مونسی ولاجعلن الدمع فیک وشاحیا
ماذا علی من شم تربۃ احمد ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

ترجمہ:- (۱) کہدے مٹی کے تہوں کے نیچے غائب ہونیوالے سے کہ کاش تو میری آہ وزاری و نالہ سنتا۔

(۲) میرے اوپر اتنے مصائب پڑے کہ اگر روشن دنوں پر پڑتے تو وہ کالی راتیں ہو جاتیں۔

(۳) میں محمد کے سایہ کے نیچے محفوظ تھی۔ میں کسی ظلم اور ظالم سے نہیں ڈرتی تھی وہ میری مضبوط ڈھال تھے۔

(۴) اب میں ہر ایک ذلیل کی منت سماجت کرتی ہوں اور اپنے ظالم سے ڈرتی ہوں۔ اس کے ظلم کو اپنی رداسے دفع کرنیکی کوشش کرتی ہوں۔ (کیونکہ میری تلوار چلی گئی۔)

(۵) پس جب رات کو قمری درخت کی شاخ پر اندوہگین ہوکر نالے کرتی ہے تو میں بھی اس کے ساتھ صبح تک روتی ہوں۔

(۶) میں نے تمہارے بعد غم وحزن کو اپنا مونس بنالیا ہے اور آنکھوں سے جو آنسوؤں کی لڑی جھڑتی ہے۔ وہ میری تلوار ہے۔

(۷) احمد کی قبر کی مٹی سونگھنا میرے اوپر فرض ہو گیا ہے کیونکہ میں اگر اسے نہ سونگھوں تو ہلاک ہو جاؤں۔ یعنی اس مٹی ہی کی خوشبو سے زندہ ہوں۔

غور و فکر کرنیوالا دل چاہیئے۔ ایک ایک لفظ میں غم و اندوہ و حزن و ملال کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ پھر اس پر امت کے سلوک اور ان کے مظالم کی طرف جو اشارہ ہے وہ پڑھنے والے کے دل کو اور بھی چاک کر دیتا ہے۔ یہاں تک نوبت آگئی تھی کہ ہر ایک ذلیل کی منت و سماجت کرنی پڑتی تھی۔ اور ظالموں کے ظلم کو روکنے کے لیئے کوئی چیز نہ تھی مظلومیت کی آخری حد ہے کہ ان کے ظلم کی تلواروں کو اپنی رداسے روکتی ہوں ماتت

---

۱۱۸ مناقب ابن شہر آشوب المجلد الاولی ص ۱۳۰، ۱۳۱

نے اس طرح دختر رسول کو ان کے باپ کے مرنے پر تسلی و تشفی دی تھی۔

باب سیزدھم

رحلت محمد صلعم کے ایک ہفتہ کے اندر کے واقعات

یہ مضمون نہایت تکلیف دہ ہے۔ اس کے لئے صرف ابن قتیبہ کی کتاب الامامت والسیاست کے صفحوں کو اردو میں ترجمہ کرنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں۔

جب یہ سب متخلفین (حضرت ابوبکر سے بیعت نہ کرنیوالے) مسجد میں جمع ہوئے تو ابوبکر، عمر و ابوعبیدہ بن الجراح ان کے پاس آئے جبکہ ابوبکر کی بیعت ہو چکی تھی۔ عمر نے اُن سے کہا کہ میں تم کو یہاں کیوں جمع دیکھتا ہوں۔ اٹھو اور ابوبکر کی بیعت کرو۔ میں نے اور انصار نے ان کی بیعت کرلی ہے۔ اس پر عثمان ابن عفان اور تمام بنوامیہ نے اس کی بیعت کرلی۔ اور پھر سعد و عبدالرحمن اور ان کے ساتھی اٹھے اور انہوں نے بھی بیعت کرلی۔ لیکن حضرت علی و عباس اور جو بنو ہاشم ان کے ساتھ تھے وہ بغیر بیعت کئے اپنے گھروں کو چلے گئے اور ان کے ساتھ زبیر ابن العوام بھی چلے گئے۔ پس انکی طرف حضرت عمر معہ ایک جماعت کے جن میں اسید بن حضیر اور سلمہ بن اشیم تھے گئے اور کہا کہ چلو ابوبکر کی بیعت کرو۔ انھوں نے انکار کیا۔ زبیر بن العوام تلوار لیکر نکلے۔ حضرت عمر گھبرا کر لوگوں سے کہنے لگے کہ اس آدمی کو پکڑ لو۔ پس ان لوگوں نے زبیر کو پکڑ لیا۔ سلمہ بن اشیم نے اچھل کر تلوار چھین لی اور دیوار سے دے مارا اور زبیر کو پکڑ کر لے گئے اس حالت میں اُس نے بیعت کرلی۔ اور اسی طرح بنو ہاشم نے بھی سوائے

علی کی بیعت کرلی - پھر حضرت علی کو پکڑ کر حضرت ابو بکر کے پاس لائے۔
حضرت علی کہتے جاتے تھے کہ میں خدا کا مطیع بندہ ہوں اور رسولخدا کا
بھائی ہوں - اُن سے کہا گیا کہ ابو بکر کی بیعت کرو۔ انھوں نے جواب دیا کہ
بیعت لینے کا میں تم سے زیادہ مستحق ہوں - میں تم سے ہرگز بیعت نہ کرونگا
تم کو چاہیئے کہ مجھ سے بیعت کرلو - تم نے انصار سے یہ امر خلافت اس دلیل و
حجت کے ساتھ لیا ہے کہ تم کو رسولخدا سے قرابت ہے جو انصار کو حاصل
نہ تھی اور اب ہم اہلبیت سے یہ امر خلافت تم غصب کر کے لیتے ہو۔ کیا تم نے
انصار سے یہ بحث نہیں کی کہ تم اس امر خلافت کے ان کی نسبت زیادہ
زیادہ مستحق ہو - کیونکہ محمد تم ہی میں سے ہیں۔ اس دلیل کو مان کر انھوں نے
یہ امر تمھارے سپرد کر دیا۔ اور حکومت تم کو دیدی - اب میں تم پر وہی
حجت قائم کرتا ہوں جو حجت تم نے انصار پر قائم کی تھی۔ ہم رسولخدا
کے ان کی حیات و ممات میں ولی و وارث ہیں - پس اگر تم محمد اور
اسلام پر ایمان لائے ہو تو ہمارے ساتھ انصاف کرو - ورنہ تم یہ
ظلم جان بوجھ کر کر رہے ہو - عمر نے کہا کہ ہم تم کو نہیں چھوڑینگے۔ جب
تک تم بیعت نہ کرلو گے۔ حضرت علی نے کہا وہ نفع تو حاصل کرلے
جس میں تیرا بھی حصہ ہے - آج ابو بکر کے لئے تو شدت کرتا ہے تاکہ
کل وہ اس کو تیری طرف واپس کر دے - عمر قسم بخدا میں تیرا قول قبول
نہ کرونگا - اور ابو بکر کی بیعت نہ کرونگا . . . . اے گروہ مہاجرین
محمد (صلعم) کی ریاست و حکومت کو ان کے گھر سے نکال کر اپنے گھر کی
طرف نہ لیجاؤ - اور آنحضرت کے اہلبیت کو ان کے مقام عزت سے
نہ ہٹاؤ۔ قسم بخدا اے گروہِ مہاجرین ہم تم سب سے اس امر خلافت کے
زیادہ مستحق اور حق دار ہیں - کیونکہ ہم اہلبیتِ رسول ہیں - اگر کوئی
علم قرآن جاننے والا، فقیہہ دینِ خدا، عالمِ سنتِ رسول، صاحبِ اطلاع۔

امور رعایا، عادل و منصف، رعایا سے ان کی تکالیف دور کرنیوالا ہو تو وہ ہم ہیں۔ پس تم اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ورنہ گمراہ ہوجاؤ گے اور حق سے بعید ہو جاؤ گے۔ بشیر ابن سعد انصاری نے کہا کہ اے علی اگر انصار تم سے یہ کلام ابو بکر سے بیعت کرنے سے پہلے سے سنتے تو کبھی تمہاری مخالفت نہ کرتے۔ حضرت علی بغیر بیعت کئے اس مجمع سے واپس آگئے ۱۱۹؎

پھر آگے چلکر ابن قتیبہ کہتے ہیں۔

راوی کہتا ہے کہ ابو بکر نے ان لوگوں کو جنھوں نے انکی بیعت سے تخلف کیا تھا تلاش کرنا شروع کیا۔ تو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ حضرت علی کے یہاں جمع ہیں۔ پس انکی طرف حضرت عمر کو بھیجا۔ عمر نے حضرت علی کے گھر پر آنکر آواز دی۔ ان لوگوں نے باہر آنے سے انکار کیا۔ اس پر حضرت عمر نے جلنے والی لکڑیاں منگائیں اور کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں عمر کی جان ہے۔ تم لوگ باہر نکل آؤ۔ ورنہ میں اس گھر کو آگ لگا دونگا۔ اور وہ لوگ جو اس گھر میں ہیں سب جل جائیں گے۔ لوگوں نے حضرت عمر سے کہا کہ اس گھر میں تو فاطمہ بنت رسول ہیں۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ ہوا کریں مجھے ان کی پرواہ نہیں ہے۔ اس پر وہ سب لوگ سوائے حضرت علی کے باہر نکل آئے اور جاکر بیعت کرلی۔ حضرت علی نے کہا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن کو جمع نہ کرلونگا۔ گھر سے باہر نہ نکلوں گا۔ اور نہ اپنے کندھے پر ردا ڈالوں گا۔ حضرت فاطمہ اپنے گھر کے دروازے پر آکر کھڑی ہوگئیں اور فرمایا کہ میں ایسی قوم سے سروکار نہیں رکھتی جو اتنی بدی کرتی ہے۔ تم

۱۱۹؎ ابن قتیبہ: کتاب الامامت والسیاست الجزء الاول ص۱۱، ۱۲۔ تاریخ حبیب السیر جلد اول جزو چہارم ص۲

رسول خدا کے جانے کو ہمارے درمیان میں چھوڑ کر چلے گئے اور اس امر کا خود ہی فیصلہ کر لیا اور ہم کو پوچھا تک نہیں اور ہمارے حق کو ہم سے چھین لیا۔ پھر حضرت عمر واپس آئے۔ اور حضرت ابو بکر سے جاکر کہا کہ تم اس متخلف سے بیعت کیوں نہیں لیتے (حضرت ابو بکر نے اپنا غلام بار بار حضرت علی کے پاس بھیجا۔ وہ نہ آئے تو) پھر حضرت عمر کھڑے ہوئے اور ایک جماعت کو لیکر حضرت فاطمہ کے دروازے پر آئے۔ اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب حضرت فاطمہ نے انکی آواز سنی تو آواز بلند کر کے فرمایا کہ اے والد بزرگوار! اے رسول خدا ہم کو آپ کے بعد ابن الخطاب اور ابن ابی قحافہ سے کیا کیا مصائب دیکھنے نصیب ہوئے ہیں جب اس جماعت نے حضرت فاطمہ کی آواز سنی اور گریہ وزاری ملاحظہ کی تو وہ روتے ہوئے واپس ہو گئے۔ صرف حضرت عمر ایک قلیل جماعت کے ساتھ باقی رہ گئے اور انہوں نے زبردستی حضرت علی کو حضرت فاطمہ کے گھر سے نکال لیا اور انکو لیکر حضرت ابو بکر کے پاس آئے (اسکے بعد فاضل مؤلف نے حضرت علی کی مخالفین کی دو قدح لکھی ہے اور بیان کیا ہے کہ آخر کار حضرت علی بغیر بیعت کئے ہوئے واپس چلے گئے اور قبر رسول پر جاکر فریاد کی) اس کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے کہا کہ چلو فاطمہ کے پاس چلیں۔ ہم نے ان کو غضبناک کر دیا ہے۔ پس ان دونوں نے حضرت فاطمہ کے دروازے پر آکر اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت فاطمہ نے ان کو اجازت نہ دی تو دونوں حضرت علی کے پاس آئے۔ پس حضرت علی ان کو اندر لے گئے۔ جب وہ دونوں فاطمہ کے پاس آکر کھڑے ہوئے تو حضرت فاطمہ نے ان کی طرف سے منہ موڑ کر دیوار کی طرف رخ کر لیا۔ ان دونوں نے آپ پر سلام کیا تو حضرت فاطمہ نے جواب سلام نہ دیا۔ حضرت ابو بکر نے کہا کہ اے رسول کی پیاری بیٹی بخدا مجھے رسول اللہ کے قرابتدار ...... اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ جناب فاطمہ نے کہا کہ کیا تم دونوں چاہتے ہو کہ میں تمہیں جناب رسول خدا کی ایسی حدیث سناؤں جو تم جانتے ہو انہوں نے عرض کی کہ ضرور وہ حدیث آپ ہمیں سنائیں۔ حضرت فاطمہ نے کہا

کہ میں تم دونوں کو قسم دیکر پوچھتی ہوں کہ کیا تم نے جناب رسولخدا کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ فاطمہ کی خوشنودی میری خوشنودی ہے اور فاطمہ کا غضب میرا غضب ہے۔ پس جس نے میری دختر فاطمہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے فاطمہ کو راضی کیا اس نے مجھے راضی کیا۔ اور جس نے فاطمہ کو غضبناک کیا اور آزردہ کیا اس نے مجھے غضبناک اور آزردہ کیا۔ ان دونوں نے کہا کہ ہاں ہم نے یہ حدیث جناب رسولخدا سے اسی طرح سنی ہے۔ اس پر جناب فاطمہ نے فرمایا کہ میں خدا اور اس کے ملائکہ کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے آزردہ کیا اور غضب لایا۔ اور تم نے مجھے راضی نہیں کیا۔ اور جب میں رسولخدا سے ملاقات کرونگی تو تم دونوں کی شکایت اُن سے کرونگی۔ حضرت ابوبکر بہت روئے۔ یہانتک کہ قریب تھا کہ جان نازنیں بدن سے مفارقت کر جائے لیکن حضرت فاطمہ کہتی جاتی تھیں کہ قسم بخدا ہر ایک نماز میں جو میں پڑھونگی تیرے لیے بد دعا کرونگی۔ [۱۲۰]

حضرت فاطمہ کے گھر کے جلانے کے لئے لکڑیوں کے لے جانے کا واقعہ ہر ایک مؤرخ نے بیان کیا ہے دیکھو نوٹ [۱۲۱]

---

[۱۲۰] کتاب الامامت والسیاست الجزء الاول ص ۱۳، ۱۴

[۱۲۱] تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۱۹۸، تاریخ ابی الفداء الجزء الاول ص ۱۵۶، مروج الذہب مسعودی الجزء الثالث ص ۲۴۔ الاستیعاب الجزء الاول : ذکر عبداللہ بن ابی قحافہ ابوبکر ص ۲۴۵
اردو ترجمہ ازالۃ الخفا مقصد دوم مآثر ابوبکر ص ۲۲۶
ابن شحنہ کی روضۃ المناظر برحاشیہ جلد یازدہم تاریخ الکامل ص ۱۱۳
ابن عبد ربہ عقد الفرید جلد ص ۱۷۹

باب چہاردہم

خلافت کے ایوانِ عدالت میں دخترِ رسول کے مقدمہ کی سماعت اور اُس کا فیصلہ

جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کی زندگی کا اہم ترین واقعہ قضیۂ فدک ہے۔ اس عالمِ حزن و یاس میں کہ جب آپکی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی اور اپنی زندگی ہی دوبھر معلوم ہوتی تھی۔ اس مشکل معاملہ پر غور کرنا اور صحیح راستہ اختیار کرنا معمولی بات نہ تھی۔ فدک جناب فاطمہ کے قبضہ میں تھا۔ حکومت نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اور حضرت فاطمہ کے عمال کو زبردستی بیدخل کر دیا۔ حکامِ خلافت کا جو طرزِ عمل آپ دیکھ چکی تھیں اور جو سلوک انھوں نے آپ کے ساتھ اب تک کیا تھا اس سے ایک معمولی عقل کا آدمی بھی نتیجہ نکال سکتا تھا کہ ان کے دعوے کرنے پر بھی وہ لوگ فدک واپس نہ دیں گے۔ باوجود اس کے آپ نے دعوے کیا۔ پھر یہ اس زمانہ کے رسم و رواج کے مطابق ہوتا اگر آپ گھر پر حضرت عائشہ یا حضرت ابوبکر کے پاس جاکر کہتیں کہ ہمارے لئے یہی ایک ذریعہ معاش ہے تم نے وہ چھین لیا۔ وہ ہمیں واپس کر دو۔ لیکن آپ نے ایسا نہ کیا بلکہ باضابطہ سرِ دربار لوگوں کی موجودگی میں جاکر دعوے کیا اور لوگوں کے سامنے یہ فیصلہ سُنا کہ آلِ رسول جھوٹ بول رہے ہیں۔ آپ نے منفعتِ دنیاوی کے لئے جھوٹا دعوے کیا ہے جو ہم خارج کرتے ہیں اور یہی حکومت کی سیاسی شکست تھی۔ ملکی سیاست کا پہلا اور نہایت اہم گُر یہ ہے کہ اپنے دل کی حالت مخالف کو معلوم نہ ہو۔ اپنے دل کی حالت کو ظاہر کر دینا وہ احمقانہ فعل اور مجرمانہ عمل ہے جو سیاسی ضابطہ میں کسی صورت سے قابلِ معافی نہیں۔ اندریں صورت ایک فریق کی

سب سے بڑی فتح یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے حریف کو ایسے قول و فعل پر مجبور کر دے کہ اُسے بغض دلی حالت ظاہر کئے ہوئے کوئی اور چارہ کار ہی نظر نہ آئے۔ جناب رسولخدا نے جیش اسامہ میں ان لوگوں کو شامل کر کے حکم دیا کہ فوراً مہم پر چلے جاؤ۔ انہوں نے نافرمانی کی۔ دل کی حالت ظاہر ہوئی۔ پھر آنحضرت نے حکم دیا کہ قلم دوات لاؤ میں ایسی وصیت لکھدوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اس وقت بھی نافرمانی کی اور ایسے جھگڑے کہ یہ کہدیا کہ رسول تو ہذیان بک رہا ہے۔ اس سے زیادہ دل کی حالت اور کس طرح ظاہر ہوتی۔ اسی طرح جناب فاطمہ نے براہِ راست دعوائے فدک کر کے فریق مخالف کے اصلِ مدعا و مقصد کو بے نقاب کر دیا۔ حضرت فاطمہ نے خود دربار خلافت میں اپنا دعوائے اصالتہً پیش کر کے بحث کے سارے پہلوؤں کو غیر متعلق بنا دیا۔ اور اپنے دعوے کے ثبوت میں ان گواہوں کو پیش کر کے جن کی شہادت رسالت کی تصدیق کے لیئے خداوند تعالےٰ نے کفار کے سامنے اپنے رسول سے پیش کرائی تھی حکومت کے بچاؤ کے سارے راستے بند کر دیئے۔ اب تو صرف ایک ہی سوال رہ گیا تھا۔ بتاؤ تم مجھ کو اور علی اور حسنین کو جھوٹا قرار دیتے ہو یا تسلیم کرتے ہو کہ تم ناحق پر ہو۔ دربار خلافت سے دعوےٰ خارج ہوا جس کے صریح معنی یہ تھے کہ تم اور تمہارے گواہان جھوٹے ہیں اور کذب کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس وقت حضرت فاطمہ نے نہایت فصیح و بلیغ خطبہ لوگوں کے سامنے ادا فرمایا۔ اور واپس تشریف لے آئیں۔ دیکھنے والی آنکھ اور غور کرنیوالا دماغ اور حق کو سمجھنے والا دل چاہیئے۔ خود بخود صحیح نتیجے نکلتے آئیں گے۔ اس سے بہتر طریقہ حق کو ظاہر کرنے کا اس صورتِ حالات کے اندر اور کوئی نہ تھا۔ اس نے اس فقرہ حسبنا کتاب اللّٰہ کو بھلا دیا جس کے اوپر فریق مخالف نے اپنی بحث کو قائم کیا تھا اور خود ہی اس فقرہ کی تردید اور کتاب اللّٰہ کی مخالفت کرنے لگے کتاب اللّٰہ کے احکامِ وراثت کو نظر انداز کرنے کے لیئے ایک حدیث وضع کرنی پڑی۔ اس مقدمہ کے فیصلہ میں بہت کم عرصہ لگا ہوگا۔ لیکن اس قلیل عرصہ میں

روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حق کس طرف تھا۔

اب ہم اس مقدمہ کو عام اصول عدل و انصاف کے مطابق ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ

دعوٰی حضرت فاطمہ کا دعوٰی یہ تھا کہ جناب رسولخدا نے فدک ان کو ہبہ کر کے دیا ہے۔ اور خمس خیبر و اقطاعِ حوالی مدینہ میں ان کا حصہ بطور وراثت ہے یعنی ترکہ رسولخدا کی وہ حقدار ہیں ۱۲۲

عذر مدعا علیہ مدعا علیہ نے ہبہ کے متعلق حضرت فاطمہ سے کہا کہ ہم تمہارے بیان کو سچا نہیں سمجھتے۔ گواہان پیش کرو۔ وراثت سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے متعلق کہا کہ جناب رسولخدا نے فرمایا ہے نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ یعنی ہم گروہ انبیا نہ تو کسی کا ورثہ لیں اور نہ کوئی وارث ہمارا ترکہ لے سکتا ہے۔ ہم جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

ثبوتِ دعوٰی جناب فاطمہ نے اپنے دعوائے ہبہ کے ثبوت میں حضرت علیؑ ام ایمن، حضرت ام کلثوم۔ جناب امام حسن اور جناب امام حسین علیہم السلام کو پیش کیا جنھوں نے بیان دیا کہ واقعی ہمارے روبرو جناب رسولخدا نے ان اراضیات کو بحق فاطمہ ہبہ کر کے قبضہ ان کو دیدیا تھا ۱۲۳

قبضۂ فدک جناب فاطمہ نے دعوائے کیا تھا کہ آنحضرت نے فدک مجھے ہبہ کر کے دیدیا ہے۔ اتنا تو وہ بھی جانتی تھیں کہ بغیر قبضہ کے ہبہ نامکمل ہوتا ہے اگر ان کو قبضہ ملکر ہبہ مکمل نہ ہو گیا ہوتا تو وہ ایسا خلاف واقعہ امر نہ بیان فرمائیں۔

---

۱۲۲ صحیح بخاری کتاب الخمس باب فرض الخمس مطبوعہ مصر الجزء الثانی ص ۱۲۴ ؛ فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ ۱۳۵۰ھ ہجری ص ۴۴ ، ۴۵ وغیرہ وغیرہ

۱۲۳ صواعق محرقہ ابن حجر مکی باب الاول فصل الخامس ص ۲۲ — وفا الوفا سید نور الدین سمہودی الجزء الثانی باب السادس فصل الثانی ص ۱۵۷ ، شرح مواقف کتاب الکفایہ ابراہیم بن عبداللہ الوصابی

جو سب کے علم میں اس وقت غلط ہوتا۔ علاوہ اس کے اگر حضرت فاطمہ کا قبضہ نہ ہوتا تو حضرت ابوبکر کو شہادت طلب کرنیکی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ فوراً فرماتے کہ ہبہ نامکمل تھا۔ کیونکہ تمہارا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر کے عذرات میں عدم قبضہ کا عذر نہ ہونا۔ صاف دلیل ہے اس بات کی کہ جناب فاطمہ کا قبضہ تھا۔ بہت سی روایات میں ہے کہ ان ابا بکر انتزع من فاطمہ فدک یعنی ابوبکر نے حضرت فاطمہ سے فدک کا قبضہ چھین لیا ۱۲۴ حضرت علی مرتضیٰ نے اپنے عامل کو لکھا

بلیٰ کانت فی ایدینا فدک من کل ما اظلتہ السما فشحت علیہا نفوس قوم سخت عنہا نفوس آخرین نعم الحکم للہ ۱۲۵

ہاں فدک ہمارے قبضہ خاص میں تھا، ہمارے سوائے آسمان کے نیچے جو بھی ہے اس کا فدک سے کچھ تعلق نہ تھا پس قوم کے چند لوگوں نے اسکی بابت بخل کیا اور بعضوں کے دل میں آگ لگی اور ہم سے چھین لیا مگر سب سے بہتر فیصلہ کرنیوالا خدا ہے۔

قبضہ کا تنازعہ تو خود حضرت عمر کے قول سے طے ہو جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں ثم توفی اللہ نبیہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال ابوبکر انا ولی رسول اللہ فقبضہا ابوبکر (صحیح بخاری باب الخمس باب المغازی قول عمر۔ الفاروق حصہ دوم ص ۲۵۸)

ترجمہ:۔ پھر خداوند تعالےٰ نے اپنے نبی کو اپنے جوار رحمت میں بلالیا۔ پس ابوبکر نے کہا کہ میں رسولخدا کا ولی ہوں اس بنا پر فدک کو انھوں نے اپنے قبضہ میں لے لیا۔

حصول ملکیت فدک

خداوند تعالےٰ نے یہ اصول مقرر فرمایا کہ جو ملک یا جاگیر یا مال غنیمت مسلمانوں کی مشترکہ جدوجہد سے حاصل ہو اس میں مسلمانوں کا حصہ ہے لیکن جو زمین یا جائیداد جناب رسولخدا کو بغیر مسلمانوں کی امداد کے حاصل ہو جائے وہ محض جناب رسولخدا کی ملکیت ہوگی۔ اس میں مسلمانوں کا حصہ نہیں ہے۔ یہ قاعدہ ان الفاظ میں مقرر کیا گیا تھا۔

---

۱۲۴ وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ الجزء الثانی باب السادس ص ۱۶۱

۱۲۵ نہج البلاغہ مطبوعہ مصر الجز الثانی ص ۹۳

وما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب
ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء ط واللہ علی کل شیء قدیر۔

ترجمہ:۔ اور جو مال حق تعالےٰ نے اپنے رسول کو لڑائی کے بغیر عنایت کیا ہے۔ اس پر تم نے گھوڑے دوڑائے ہیں نہ اونٹ۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

اب دیکھیں فدک کس طرح حاصل ہوا تھا۔ خیبر سے واپسی کے وقت جناب رسولخدا نے محیصہ بن مسعود الانصاری کو اہل فدک کے پاس دعوتِ اسلام دینے کے لئے بھیجا۔ پس ان لوگوں نے جناب رسولخدا کو نصف اراضی فدک دیکر مصالحت کر لی۔ اور آنحضرت نے اس کو منظور کر لیا۔ پس یہ نصیف فدک خاص جناب رسولخدا کی ملکیت تھا۔ کیونکہ اس کے حصول کے لئے مسلمانوں نے اونٹ گھوڑے نہیں دوڑائے تھے۔ (یہ فتوح البلدان کی عبارت کا ترجمہ ہے۔) [۱۲۶]

خود حضرت عمر اس کو جناب رسولخدا کی ملکیت بلا شرکت غیرے سمجھتے تھے۔ چنانچہ مولوی شبلی نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ ہم الفاروق سے مولوی شبلی کی عبارت نقل کرتے ہیں

"اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اس سے فدک وغیرہ کا آنحضرت کی خاص جائیداد ہونا ثابت ہے اور خود حضرت عمر اس کے یہی معنی قرار دیتے تھے۔ آیت یہ ہے۔ وما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء چنانچہ حضرت عمر نے اس آیتہ کو پڑھ کر کہا تھا کہ فکانت خالصۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ واقعہ صحیح بخاری باب الخمس اور باب المغازی اور باب المیراث میں بہ تفصیل مذکور ہے" [۱۲۷]

---

[۱۲۶] ابو الحسن البلاذری: فتوح البلدان ص ۴۲، ۴۳۔ حسین دیار بکری تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص ۶۴ — ابن الاثیر تاریخ الکامل الجزء الثانی ص ۸۵ — تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۹۵، ۹۸ — سہیلی روض الانف الجزء الثانی ص ۲۴۷ — الفاروق حصہ دوم ص ۲۵۶، ۲۵۷ — ابن ہشام: سیرۃ النبی الجزء الثالث ص ۴۰۸

[۱۲۷] الفاروق: مطبوعہ مفید عام آگرہ حصہ دوم ص ۲۵۶، ۲۵۷

حضرت ابوبکر بھی ان آراضیات کو خاص جائیداد جناب رسولخدا کی سمجھتے تھے جب ہی تو لانورث ولانورث کی لاوارث حدیث پیش کرنیکی ضرورت محسوس ہوئی۔

تنقیحات فیصلہ طلب ایسے مقدمات میں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ امور متنازعہ کیا کیا ہیں اور ان کے ثابت کرنیکا بار کس کے اوپر ہے اور کس کو اپنا ثبوت پیش کرنا چاہیئے۔ بار ثبوت کسی امر متنازعہ کا اس کے اوپر ہوتا ہے جس کا دعوای یا عذر ثبوت چاہتا ہے۔ یعنی اگر کوئی ثبوت پیش نہ ہو تو اس کا دعوای یا عذر باطل سمجھا جائے گا۔ اس تنازعہ میں قرآن شریف کے احکامات جناب فاطمہ علیہا السلام کے حق میں تھے اور اس کے قانون وراثت میں کوئی استثنا جائیداد رسول کے متعلق نہیں ہے۔ لہذا وراثت کے مقدمہ میں تو مندرجہ ذیل امور تنقیح طلب پیدا ہوتے ہیں۔ اور وہ سب بذمہ مدعا علیہ ہیں۔

۱۔ کیا حضرت فاطمہ کو ان کے والد بزرگوار کا ورثہ نہیں پہنچتا تھا اور شرعی و قرآنی قانون وراثت ان پر حاوی نہ تھا۔ ثبوت بذمہ مدعا علیہ (حضرت ابوبکر)

۲۔ اگر جناب فاطمہ کے لئے قرآن شریف کا قانون وراثت منسوخ ہو گیا تھا تو کیوں منسوخ ہوا اور کس نے منسوخ کیا۔ ثبوت بذمہ مدعا علیہ (حضرت ابوبکر)

۳۔ کیا مفروضہ روایت لانرث ولانورث واقعی کلام رسول تھا۔ ثبوت بذمہ مدعا علیہ (حضرت ابوبکر)

۴۔ (ا) کیا جناب رسولخدا نے اس اہم تنسیخ آیات قرآنی کا اعلان کیا۔ کب کیا کس طرح اور کس موقع پر کیا۔ ثبوت بذمہ مدعا علیہ (حضرت ابوبکر)

(ب) کیا یہ روایت قرآن شریف کے قانون وراثت کو منسوخ کر سکتی تھی ... (ثبوت) بذمہ مدعا علیہ (حضرت ابوبکر)

ہبہ کے مقدمہ میں بھی تنقیح کا بار ثبوت بذمہ مدعا علیہ ہوتا۔ اگر مدعا علیہ نے اپنی حکومت کی طاقت سے حضرت فاطمہ کو بیدخل نہ کر دیا ہوتا۔ اس صورت میں حکومت کو قبضہ کا دعولے کرنا پڑتا۔ اور تنقیح یہ ہوتی

۱۔ کیا حضرت فاطمہ کا قبضہ ناجائز ہے۔ اور جناب رسولخدا نے ان کو فدک ہبہ کر کے نہیں دیا۔ لیکن اب چونکہ حضرت فاطمہ کو دعوے کرنا پڑا۔ اور قبضہ حاصل کرنا پڑا تو تنقیح فیصلہ طلب یہ ہوئی۔

۱۔ کیا جناب رسولخدا نے یہ جائداد بحق مدعیہ (دختر خود) ہبہ کر دی تھی۔۔

۔۔۔۔ بار ثبوت بذمہ مدعیہ۔

عام مقدمات میں تو اب بھی بار ثبوت بذمہ حکومت ہی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ محض مقدمہ کی خاطر ناجائز طور سے مدعیہ کو بیدخل کر کے اسے دعویٰ کرنے پر مجبور کرنے سے بار ثبوت نہیں بدلتا۔

اس سارے قضیہ میں زیادہ سے زیادہ حضرت فاطمہ کو محض ہبہ کا ثبوت دینا تھا۔ باقی سب تنقیحات بذمہ حضرت ابوبکر تھیں وہ۔ نہ بتلا سکے کہ قانون وراثت کیونکر منسوخ ہوا۔ لاوارث حدیث کو کیوں نہ مجمع عام میں مسجد میں پیش کیا۔ متعدد قرائن اس حدیث کی صحت کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ ہم ابھی بیان کرتے ہیں۔

ثبوت ہبہ حضرت علی و حسنین و حضرت فاطمہ کے بیانات سے زیادہ وقعت دار اور کیا ثبوت ہو سکتا تھا کہ جس سے یہ ثابت ہوتا۔

البزار۔ ابو یعلی۔ ابن ابی حاتم و ابن مردویہ ابو سعید الخدری سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی و آت ذالقربے حقہ تو جناب رسولخدا نے فاطمہ کو بلایا اور فدک ان کو ہبہ کر دیا۔ اور ابن مردویہ نے عبد اللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی و آت ذالقربےٰ حقہ تو جناب رسولخدا نے فدک جناب فاطمہ کو ہبہ کر دیا۔

---

۱۲۰ شیخ جلال الدین سیوطی۔ کتاب الدر المنثور الجزء الرابع ص ۱۷۷

بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ جناب رسولخدا نے ایک وثیقہ ہبہ کا جناب فاطمہ و حسنین علیہم السلام کے حق میں لکھدیا۔ اور یہ وہی وثیقہ تھا جو حضرت معصومہ دربار خدمت میں لائیں۔ اور پیش کیا ۱۲۹

حضرت فاطمہ علیہا السلام کی بحث

جب دوران مقدمہ میں حضرت فاطمہ نے جناب ابوبکر کے عذرات سُنے (کیونکہ وہ خود ہی مدعا علیہ تھے۔ مدعا علیہ کی طرح عذرات پیش کرتے جاتے تھے اور خود ہی فیصلہ کرنے والے تھے۔) تو جناب فاطمہ نے سوال کیا کہ جب تم مرو گے تو تمہاری جائداد کون لے گا۔ حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ میری اولاد۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ وائے ہو تم پر۔ تمہارا ورثہ تو تمہاری اولاد لے۔ اور میں اپنے باپ کا ورثہ نہ پاؤں۔ یہ لاوارث حدیث محض تمہاری بناوٹ ہے۔ اگر یہ جناب رسولخدا کا کلام ہوتا تو سب سے پہلے آنحضرت اس کا ذکر ہم سے کرتے۔ قرآن شریف میں ہے وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوُدَ اور حضرت زکریا کی دعا قرآن شریف میں اسطرح ہے۔ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآئِیْ وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ۔ اور یہ علی و حسنین وہی ہیں جن کو روز مباہلہ رسالت محمدیہ اور خلقت عیسیٰ کی شہادت کے لیے خداوند تعالےٰ کے حکم سے پیش کیا گیا تھا۔ آج ان کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ۱۳۰

حضرت ابوبکر کا فیصلہ

حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہ کی بحث کو صحیح تسلیم کرکے جناب فاطمہ کے حق میں فدک وغیرہ اراضیات کا وثیقہ لکھدیا۔ اس وثیقہ کو لیکر آپ چلنے لگی تھیں کہ حضرت عمر تشریف لے آئے

---

۱۲۹ تاریخ حبیب السیر جلد اول جزو سوم صفحہ ۵۸ ـ ملا معین کاشفی۔ معارج النبوۃ رکن چہارم باب ہم در بیان وقائع سال ہفتم از ہجرت واقعہ سینتر ہم

۱۳۰ طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۸۶ ـ تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۲۰۲

اور حضرت فاطمہ سے وہ وثیقہ لے کر چاک کر ڈالا اور حضرت ابو بکر سے کہا کہ جناب فاطمہ کا مقدمہ خارج کر دو۔ [۱۳۱] چنانچہ حضرت ابو بکر نے یہ کہہ کر مقدمہ خارج کر دیا کہ نصاب شہادت پورا نہیں ہوا۔ اور حدیث لانورث مانع حصول ورثہ ہے۔

اس فیصلہ کی حمایت

اس فیصلہ کی حمایت اس طرح کی جاتی ہے کہ نصاب شہادت پورا نہیں ہوا۔ شوہر کی گواہی اپنی زوجہ کے حق میں اور اولاد کی گواہی اپنے والدین کے حق میں قابلِ قبول نہیں ہے۔ بلکہ باطل ہے۔ رسولِ خدا نے فرمایا تھا کہ ہم انبیا نہ تو ورثہ لیں اور نہ ہم سے کوئی ورثہ لے۔ ہم جو چھوڑتے ہیں وہ امت کے لئے ہوتا ہے۔ ہبہ ثابت نہیں۔ ورثہ ملتا نہیں لہذا دعوے درست طور پر خارج ہوا [۱۳۲]

حضرت ابو بکر کا قضایا فیصلہ کرنیکا معمولی طریقہ

اس سلسلے میں یہ معلوم کرنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ حضرت ابو بکر عام طور سے ایسے تنازعات کس طرح فیصلہ کیا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر کے زمانہ میں مدینہ میں چند اصحاب مقرر تھے۔ جو مقدمات فیصلہ کیا کرتے تھے [۱۳۳] ان کے علاوہ حضرت ابو بکر بھی مقدمات فیصلہ کیا کرتے تھے۔ لیکن وہ اس طرح کہ مسجد میں بیٹھ گئے۔ اکابرِ صحابہ کو بلا لیا۔ اور ان کے مشورے سے مقدمات فیصلہ کر دیئے [۱۳۴]

---

۱۳۱ علی بن برہان الدین: انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون الجزء الثالث ص ۳۹۱ مطبوعہ مصر

۱۳۲ ابن حجر مکی: صواعق محرقہ باب الاول فصل الخامس ص ۲۳، نور الدین سمہودی: وفاء الوفا الجزء الثانی باب الثانی فصل السادس ص ۱۵۷

۱۳۳ تاریخ طبری الجزء الرابع ص ۵۰

۱۳۴ طبقات ابن سعد جلد ۲ ق ۲ ص ۱۰۹

صحابہ کے اس قسم کے دعاوی حضرت ابوبکر کس طرح فیصلہ کرتے تھے

جب بحرین کا مال آیا تو حضرت ابوبکر نے عام منادی

کرادی کہ جس جس سے جناب رسولخدا نے کچھ وعدہ فرمایا ہے وہ میرے پاس آنکر لے لے۔ جابر کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ جناب رسولخدا نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو ہم تم کو اتنا اتنا، اور اتنا دینگے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے مجھ سے کہا کہ اس مال میں سے ایک لپ بھر لو۔ میں نے ایک لپ بھر لی تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ اس کو شمار کرو۔ میں نے شمار کیا تو وہ پانچ صد تھے۔ پس حضرت ابوبکر نے مجھ کو پندرہ صد عنایت کیے[۱۳۵]

زنباع والد رباح نے اپنے غلام کی ناک کاٹ ڈالی۔ جناب رسولخدا کے انتقال کے بعد وہ غلام حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور دعویٰ کیا کہ جناب رسولخدا نے میری کٹی ہوئی ناک دیکھ کر اور میرا حال سن کر فرمایا تھا کہ جا تو آزاد ہے۔ میں نے پوچھا کہ میں اپنے تئیں کس کا آزاد کردہ غلام سمجھوں۔ تو آنحضرت نے فرمایا تھا کہ خدا اور رسول کا۔ حضرت ابوبکر نے اس سے کچھ گواہ شاہد نہیں مانگے۔ اور محض اس کے بیان کو سچا تسلیم کرکے اس کا اور اس کے اہل و عیال کا نان نفقہ مقرر کردیا۔ جب حضرت ابوبکر کا انتقال ہوگیا تو وہی غلام حضرت عمر کے پاس آیا۔ اور یہی دعویٰ پیش کیا۔ انھوں نے فوراً پوچھا کہ تو کہاں کی جاگیر چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں مصر کی جاگیر چاہتا ہوں۔ حضرت عمر نے فوراً عامل مصر کو لکھا کہ اس کو مصر میں جاگیر دیدے۔ چنانچہ اس کو مصر کی جاگیر مل گئی۔ نہ کسی نے گواہ مانگا نہ شاہد طلب کیا۔ زنباع نے اس کی ناک اس وجہ سے کاٹی تھی کہ وہ اس کی لونڈی سے زنا کرتا ہوا پایا گیا تھا[۱۳۶] نہ تو جابر ابن عبداللہ سے اور نہ اس زانی غلام سے

---

[۱۳۵] صحیح بخاری میں کتاب الخمس باب ما اقطع النبی من البحرین ما وعد من مال البحرین الجزء الثانی ص ۱۳۵
طبقات ابن سعد جلد ق ۲ ص ۸۸

[۱۳۶] مسند امام احمد حنبل الجزء الثانی ص ۱۸۲، الجزء الاولی ص ۳۳ ۱، الجزء الثالث ص ۲۸۵، ۲۵۹، ۲۵۱، الجزء الرابع ص ۵۔ ۱۰۷ الجزء السادس ص ۲۳ ۲، ۲۹۶، ۲۹۸، ۳۰۴

گواہ و ثبوت مانگا گیا، وہ ایسے سچے سمجھے گئے کہ محض ان کا بیان ہی ان کے دعوے کے ثبوت کے لیے کافی ہوا۔ لیکن حضرت فاطمہ کے بیان کو سچا نہ مانا گیا اور گواہان طلب ہوئے۔ اور فیصلہ کیا گیا کہ دو گواہان یعنی حضرت علی و حسنین معاذ اللہ قرابت اغراض رشتہ داری و جلب منفعت کی وجہ سے حق نہیں بول رہے ہیں۔

حکومت کا سلوک دیگر موہوب الیہم کے ساتھ

ہو دان نبی نظیر کی بھی اراضیات ایسی ہی تھیں کہ جن کو عام مسلمانوں نے بذریعہ فوج کشی فتح نہیں کیا تھا۔ بلکہ بذریعہ صلح انھوں نے اراضیات جناب رسولخدا کے حوالے کی تھیں۔ ان اراضیات میں سے جناب رسولخدا نے اسی طرح اراضیات حضرت ابو بکر و عبدالرحمٰن بن عوف و ابو دجانہ، سماک بن خرشہ الساعدی اور دیگر صحابہ کے حق میں ہبہ کی تھیں [۱۳۶]۔ حکومت کو چاہیئے تھا کہ فدک کی طرح ان پر بھی قبضہ کر لیتے۔ اور جب یہ لوگ دعوای کرتے تو پھر ان سے بھی گواہ و شاہد طلب کیے جاتے۔ اگر علی و حسنین علیہم السلام سے بہتر گواہ لاتے تو ان کی اراضیات واپس کر دیتے ورنہ وہ بھی فدک کی طرح اپنے قبضے میں کر لیتے۔ اور ان کے دعاوی خارج کرتے۔

مقدمہ فدک میں قرآن و احادیث رسول کی توہین

یہ متفقہ امت اسلامیہ ہے کہ آیۂ تطہیر میں حضرت علی حضرت فاطمہ اور جناب حسنین علیہم السلام شامل ہیں۔ لیکن فدک کے قضیہ کا فیصلہ اس نتیجہ پر مبنی ہے کہ خداوند تعالے میں ان بزرگواروں کو مطہر کرنے کی قدرت نہ تھی۔ اور وہ اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہ ہوا۔ ان میں سے ایک نے جھوٹا دعوا کیا

---

[۱۳۶] حاشیہ الاستیعاب ابن عبدالبر الجزء الثانی ترجمہ علی ص ۔ مسند ابو داؤد طیالسی الجزء السادس عشر حدیث ۲۰۵۵۔ اشعۃ اللمعات شیخ عبدالحق محدث دہلوی جلد چہارم جزء ۳ ص ۲۵۳، موطا امام مالک وغیرہ وغیرہ۔

[۱۳۷] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۴ تا ۳۴

باقیوں نے جھوٹی گواہی دی۔ جناب رسولخدا نے فرمایا تھا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس شہر کا دروازہ ہے۔ جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اُسے چاہیئے کہ اس دروازے پر حاضر ہو[۱۳۰] اس مقدمۂ فدک کے فیصلے سے ظاہر ہوا کہ معاذ اللہ علی میں فقہ کا اتنا علم بھی نہ تھا کہ نصاب شہادت معلوم ہوتا اور یہ معلوم ہوتا کہ انبیاء علیہم السلام کا ترکہ ورثہ میں تقسیم نہیں ہوتا۔ ان بزرگواروں کو اتنا بھی نہ معلوم تھا کہ شوہر کی گواہی زوجہ کے حق میں اور اولاد کی گواہی والدین کے حق میں رُوئے فقہ اسلامی قابل قبول نہیں۔ اور تو جناب رسولخدا نے لا وارث حدیث اپنے ورثا کو نہ بتائی یا ان ورثہ یعنی حضرت فاطمہ و علی حسنین علیہم اسلام نے عمداً اسے چھپایا۔ صورت اولے میں جناب رسولخدا کی توہین ہوتی ہے۔ اور صورت دوم میں آیۂ تطہیر پر حرف آتا ہے

حضرت فاطمہ کا خطبہ

جس جرأت و دلیری کے ساتھ حضرت فاطمہ نے اپنے ہر فعل سے حق کی تبلیغ اور باطل کی تکذیب کی ہے اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی حضرت ابوبکر کا یہ فیصلہ سُننے کے بعد حضرت فاطمہ نے مہاجرین و انصار کے مجمع میں ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ ادا فرمایا۔ اس خطبہ نے معاندین کے سینوں میں ایسی ہی کاری ضرب لگائی جیسی کہ ذوالفقار میدان جنگ میں کفار کے سینوں میں لگاتی تھی۔ اس خطبہ کے متعلق کشف الغمہ میں درج ہے

"یہ خطبہ بہترین اور عجیب خطبوں میں سے ہے جس پر نور نبوت کا غازہ ہے اور شمیم رسالت کی خوشبو۔ اس خطبہ کو موافق و مخالف سب نے اپنے تصانیف میں ذکر کیا ہے۔ اور میں (صاحب کشف الغمہ) نے اُسے ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری کی کتاب سقیفہ کے اس قدیم نسخہ سے نقل کیا ہے جو اس نے مؤلف کی خدمت میں ماہ ربیع الآخر ۳۲۲ھ میں پڑھ کر بغرض تصحیح سنایا گیا تھا اور اس خطبہ کو جوہری نے اپنے رجال کے مختلف طریقوں سے ثابت کیا ہے"

اس خطبہ کو جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اپنی کتاب شافی میں درج کیا ہے

[۱۳۰] مستدرک الجزء الثالث ص۱۲۶، ۱۲۷، الاستیعاب الجزء الثانی ترجمہ علی ص۴۶۱، ۵۱، ۴۷، ریاض النضرہ الجزء الثالث الباب الرابع فصل السادس ص۱۹۳ حیوٰۃ الحیوان الجزء الاول ص۵۵، اشعۃ اللمعات شیخ عبدالحق جلد چہارم ص۶۹۳ — البدایہ والنہایہ فی التاریخ الجزء السابع ص۳۵۸، ۳۵۹ وغیرہ وغیرہ

یہ کتاب شافی قاضی القضاۃ عبدالجبار معتزلی کی کتاب المغنی فی الامامت کی رد میں لکھی گئی تھی۔ جناب علم الھدیٰ فرماتے ہیں۔

"ہم سے بیان کیا ابو عبید محمد بن عمران المرزبانی نے، اور اس نے بیان کیا محمد بن احمد الکاتب نے، اور اس سے بیان کیا احمد بن عبید ابن ناصح النحوی نے، اور اس سے بیان کیا الزیادی نے، اور اس سے بیان کیا شرقی بن القطامی نے، اور اس سے بیان کیا محمد بن اسحاق نے، اور اس سے بیان کیا صالح بن کیسان نے، اور اس سے بیان کیا عروہ نے، اور اس سے بیان کیا حضرت عائشہ نے۔ اور دوسرا سلسلہ رواۃ ہم سے مرزبانی نے یہ بیان کیا کہ بیان کیا اس سے ابو بکر احمد بن محمد المکی نے، اور اس سے بیان کیا ابو العینا محمد بن القاسم الیمامی نے، اور اس سے بیان کیا ابن عائشہ نے کہ جب جناب رسولخدا کا انتقال ہوا تو حضرت فاطمہ اپنی کنیزوں کے گروہ میں حضرت ابوبکر کے پاس آئیں۔ اور پہلی روایت میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب حضرت فاطمہ نے سنا کہ حضرت ابوبکر نے ان کو فدک نہ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے تو آپ نے اپنے سر پر مقنعہ ڈالا اور پھر سر سے پاؤں تک چادر اوڑھی اور اپنی کنیزوں کے ایک گروہ میں ابوبکر کے پاس آئیں اور پھر یہاں سے دونوں روایتیں آپس میں متحد ہیں۔ اب حضرت فاطمہ نے ایک بلیغ خطبہ ادا فرمایا (خطبہ تمام و کمال نقل کرنے کے بعد سید مرتضیٰ علم الھدیٰ کہتے ہیں) اور ہم سے بیان کیا ابو عبید اللہ المرزبانی نے، اس سے بیان کیا علی بن ہارون نے، اس سے بیان کیا عبداللہ بن ابی طاہر نے، ان سے بیان کیا، ان کے باپ نے، ابو طاہر نے بیان کیا کہ میں نے ابو الحسین زید بن علی بن الحسین بن علی ابن ابی طالب کے سامنے جناب فاطمہ کا وہ کلام (خطبہ) پیش کیا جو ابوبکر کے فدک نہ دینے کے وقت حضرت فاطمہ نے بیان فرمایا تھا اور میں نے زید بن علی سے بیان کیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بنائی ہوئی بات ہے اور یہ گروہ

خطبہ ابو العیناء کا کلام ہے۔ کیونکہ وہ بہت زیادہ بلیغ ہے تو زید بن علی نے جواب دیا کہ میں نے آلِ ابی طالب کے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے باپ دادا سے اس خطبہ کی روایت کرتے ہیں اور اپنی اولاد کو اس کی تعلیم دیتے ہیں اور خود میرے پدر بزرگوار نے میرے دادا سے اس روایت خطبہ کو جناب فاطمہ تک پہنچایا۔ اور مشائخ شیعہ نے ابو العیناء کے دادا کی پیدائش سے پہلے اس خطبہ کی روایت کی ہے۔ اور باہم ایک دوسرے کو اس کا درس دیا ہے حسین بن علوان نے عطیہ عوفی سے روایت کی ہے کہ انھوں نے عبد اللہ بن حسین بن حسن کو اپنے باپ سے اس خطبہ کو روایت کرتے سنا ہے۔ پھر ابو الحسین زید کہتے ہیں کہ یہ لوگ اس خطبہ کو کلام سیدہ ہونے سے کیوں انکار کرتے ہیں۔ درانحالیکہ وہ لوگ ابو بکر کے مرنے کے وقت عائشہ کا وہ کلام نقل کرتے ہیں جو حضرت فاطمہ کے اس کلام سے بھی عجیب تر ہے اور اس کا ذکر بہ عنوان تحقیق کرتے ہیں۔ جناب معصومہ کے اس خطبہ کے متعلق قوم کی یہ روش صرف ہم اہلبیت کی عداوت کی بنا پر ہے۔ پھر سید مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ یہ خطبہ اسی عنوان سے مختلف طریقوں اور کثیر جہتوں سے ذکر کیا گیا ہے۔ جو شخص تمام طریقوں کو معلوم کرنا چاہے وہ ان کے مقامات سے حاصل کرے۔

کتاب بلاغات النساء کے مصنف ابو الفضل احمد بن ابی طاہر جو بغداد میں سنہ ۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۲۸۰ھ میں انتقال کر گئے۔ کتابِ مذکور میں لکھتے ہیں۔

"مجھ سے دیارِ مصر کے رہنے والوں میں سے ایک شخص جعفر ابن محمد" نے جن سے مجھ سے رافقہ میں ملاقات ہوئی بیان کیا کہ اس سے اس کے والد نے اور اس سے موسیٰ بن عیسیٰ نے، اور اس سے عبد اللہ بن یونس نے اور اس سے جعفر ابن احمد نے اور اس سے زید ابن علی نے اور ان سے

ان کی پھپھی زینب بنت الحسین نے بیان کیا۔ زینب بنت الحسین فرماتی ہیں کہ جب جناب سیدہؑ کو ابو بکر کے فدک نہ دینے کا حتمی ارادہ معلوم ہوا تو آپ نے مقنعہ اوڑھا اور اپنی قرابت کی عورتوں کے گروہ میں گھر سے برآمد ہوئیں (آخر روایت تک) اور صاحب بلاغات النساء نے اس روایت کے شروع کرنے سے قبل یہ عبارت لکھی ہے، کلام فاطمہ بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہا السلام ابو الفضل مصنف کتاب کہتے ہیں کہ میں نے ابو الحسین زید ابن علی ابن الحسین ابن علی ابن ابی طالب کے سامنے جناب سیدہ کا وہ کلام جو ان معظمہ نے ابو بکر کے فدک نہ دینے کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا ذکر کیا اور ان سے عرض کی کہ یہ قوم گمان کرتی ہے کہ آخر روایت تک۔ اس کے بعد وہ عبارت مذکور ہے جو مرزبانی سے سید مرتضےٰ نے روایت کرنے میں وارد کی ہے۔ پھر وہ حدیث ذکر کی ہے اور یہ کہا ہے کہ ابو بکر نے جناب فاطمہ بنت رسول اللہ کو فدک نہ دینے کا حتمی ارادہ کر لیا تو ان معظمہ نے اپنے تئیں ایک چادر میں پوشیدہ کیا اور اپنی کنیزوں کے گروہ میں آئیں۔ پھر صاحب بلاغت النساء کہتے ہیں کہ ایک قوم نے یہ ذکر کیا ہے کہ ابو العیناء نے ادعا کیا ہے کہ یہ میرا کلام ہے اور ایک قوم نے اس کے اس دعوے کو نقل کیا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس کلام کے اوپر ابو العیناء کے متعلق تصنیف کا دعوے کرنے کا سبب وہی ہے جو نہج البلاغہ کو جناب شریف رضی کی تصنیف کہنے کا ہے۔ اور یہ دونوں دعوے باطل ہیں۔ ان کی جانب التفات نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ثقہ لوگوں نے صحیح طریقوں سے اس خطبہ کی روایت کی ہے۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ بلاغات النساء کے مطبوعہ نسخہ میں کچھ عبارت اس مقام پر طبع ہونے سے رہ گئی ہے۔ کیونکہ مؤلف بلاغات النساء کہتے

ہیں کہ میں نے ابوالحسین ابن علی سے ذکر کیا۔ لیکن یہ بالکل عیاں ہے کہ زید بن علی الحسین ان سے بہت قبل گزر چکے تھے اور انھوں نے زید کا زمانہ نہیں پایا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف مذکور نے بھی یہاں وہ ہی سند لکھی ہو جو سید مرتضیٰ نے لکھی ہے اور وہ شخص جنھوں نے زید ابن علی ابن حسین سے یہ ذکر کیا وہ عبداللہ بن ابی طاہر ہی طبع ہوتے میں یہ عبارت ساقط ہو گئی۔

جن لوگوں نے اس خطبہ کا ذکر کیا ہے ان میں علامہ طبرسی رح بھی ہیں۔ انھوں نے کتاب الاحتجاج میں اس خطبہ کو کلام فاطمہ کہہ کر نقل کیا ہے۔ اور وہ فرماتے ہیں۔

> عبداللہ ابن حسن نے اپنی سند سے اپنے آبا ر طاہرین علیہم السلام سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابو بکر نے جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کو فدک سے محروم کرنے کا حتمی ارادہ کر لیا۔ اور ان معظمہ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے اپنا ردا اوڑھا اور اپنے تئیں سر سے پاؤں تک چھپا یا اور اپنی کنیزوں اور اپنی قوم کی عورتوں کے گروہ میں مسجد کا رخ کیا۔ شرم کے سبب چادر کے کنارے میں پیر کھینچے جاتے تھے۔ اور جناب فاطمہ کی رفتار اور جناب رسولخدا کی رفتار میں کچھ فرق نہ تھا مسجد میں اس وقت پہنچیں کہ جب حضرت ابو بکر کے ماننے والے مہاجرین و انصار وغیرہ ان کے گرد جمع تھے۔ حضرت فاطمہ کے سامنے ایک چادر کھینچ دی گئی۔ آپ بیٹھیں اور آپ نے اس درد و غم آمیز لہجہ میں کراہا کہ قریب تھا کہ سب لوگ گریہ و بکا سے جان کھو دیں مجلس میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا۔ آپ نے تھوڑی مہلت ان لوگوں کو دی کہ ان کا اضطراب رکا اور امنڈتے ہوئے دل ٹھہرے۔ پھر آپ نے حمد و ثنا خدا اور صلوٰۃ رسول کے ساتھ اپنے کلام کی ابتدا کی۔ لوگ پھر رونے لگے۔ جب وہ چپ ہوئے تو آپ نے اپنے کلام کو دہرایا۔ اور یہ کلام کیسا جو صفحہ نمبر ۱۹۱ سے شروع ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا اَنْعَمَ، وَلَهُ الشُّكْرُ عَلٰى مَا اَلْهَمَ، وَالثَّنَاءُ بِمَا قَدَّمَ مِنْ عُمُوْمِ نِعَمٍ اِبْتَدَاهَا، وَسُبُوْغِ اٰلَاءٍ اَسْدَاهَا، وَتَمَامِ نِعَمٍ وَالَاهَا، جَمَّ عَنِ الْاِحْصَاءِ عَدَدُهَا، وَنَاٰى عَنِ الْجَزَاءِ اَمَدُهَا، وَتَفَاوَتَ عَنِ الْاِدْرَاكِ اَبَدُهَا، وَنَدَبَهُمْ لِاسْتِزَادَتِهَا بِالشُّكْرِ لِاتِّصَالِهَا، وَاسْتَحْمَدَ اِلَى الْخَلَائِقِ بِاِجْزَالِهَا، وَثَنّٰى بِالنَّدْبِ اِلٰى اَمْثَالِهَا، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، كَلِمَةٌ جَعَلَ الْاِخْلَاصَ تَاْوِيْلَهَا، وَضَمَّنَ الْقُلُوْبَ مَوْصُوْلَهَا، وَاَنَارَ فِي التَّفَكُّرِ مَعْقُوْلَهَا، الْمُمْتَنِعُ مِنَ الْاَبْصَارِ رُؤْيَتُهٗ، وَمِنَ الْاَلْسُنِ صِفَتُهٗ، وَمِنَ الْاَوْهَامِ كَيْفِيَّتُهٗ، اِبْتَدَعَ الْاَشْيَاءَ لَا مِنْ شَيْءٍ كَانَ قَبْلَهَا، وَاَنْشَاَهَا بِلَا احْتِذَاءِ اَمْثِلَةٍ اِمْتَثَلَهَا، كَوَّنَهَا بِقُدْرَتِهٖ، وَذَرَاَهَا بِمَشِيَّتِهٖ، مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ مِنْهُ اِلٰى تَكْوِيْنِهَا، وَلَا فَائِدَةٍ لَهٗ فِيْ تَصْوِيْرِهَا، اِلَّا تَثْبِيْتًا لِحِكْمَتِهٖ، وَتَنْبِيْهًا عَلٰى طَاعَتِهٖ

حقیقی حمد مخصوص ہے خدا کیلئے کہ اس نے نعمتیں عطا فرمائیں اور اسی کے لئے شکر ہے کہ اس نے نفس کو نیک و بد کی تمیز بخشی اور اسی کے لئے ثنا ہے کہ اس نے اپنی نعمتیں عام کیں بغیر استحقاق کے اور بندوں کو اپنی کامل نعمتوں سے بہرہ اندوز فرمایا اور پے در پے انعام لگاتار وارد فرمایا۔ اپنی نعمتیں جن کا شمار نا ممکن ہے اور ایسی نعمتیں جن کی مدت اوقات شکر سے کہیں زیادہ ہے اور جن کی ہمیشگی کا ادراک انسان کے بس سے باہر ہے۔ خدا نے اپنے بندوں کو شکر کرکے نعمتیں زیادہ کرنے کی طرف رغبت دلائی تاکہ نعمتیں مسلسل رہیں۔ نعمتوں کے جزیل ہونے کی وجہ سے مخلوقات پر اپنی حمد کی فرمائش کی اور پھر انہیں دنیا کی نعمتوں کی طرح آخرت کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی جانب مائل فرمایا۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ کوئی معبود حقیقی نہیں ہے مگر اللہ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ کلمہ توحید وہ کلمہ ہے جس کی تاویل خدا نے صفت اخلاص کو قرار دیا ہے یعنی جو شخص خالص خدا کے لئے بغیر ریا و دیگر اغراض کے اعمال بجا لائے در حقیقت وہ کلمہ توحید کا قائل ہے اور حقیقتہً یہی اور کلمہ کے مطلب کو عقلوں کیلئے لازم قرار دیا کہ اس تک پہنچیں اور اس کلمہ کے حاصل معنی کو دلیل و برہان کے ذریعہ قوت فکریہ کیلئے واضح اور روشن کر دیا۔ ایسا خدا جس کی رویت ان ظاہری آنکھوں سے محال ہے نہ تو زبانیں اس کا وصف بیان کر سکتی ہیں نہ وہم اس کی کیفیت دریافت کر سکتا ہے۔ اس نے اشیا کو بغیر کسی ایسی شے کے پیدا کیا جو اس سے قبل ہی موجود ہو یعنی عالم کو وجود میں لایا بغیر کسی ایسی مثال کے جسے پیدا کرنے کے وقت پیش نظر رکھا ہو۔ ان چیزوں کو اس نے اپنی قدرت سے خلق فرمایا اور اپنی مشیت سے پیدا کیا حالانکہ اس کو ان چیزوں کے پیدا کرنے کی حاجت نہ تھی اور نہ ان چیزوں کو صورت وجود عطا کرنے میں اس کا کوئی فائدہ تھا۔ صرف اس لئے ان کو پیدا کیا

وَاِظْهَاراً لِقُدْرَتِهٖ وَ
تَعَبُّداً لِبَرِيَّتِهٖ، وَاِعْزَازاً
لِدَعْوَتِهٖ ثُمَّ جَعَلَ الثَّوَابَ
عَلٰى طَاعَتِهٖ وَوَضَعَ الْعِقَابَ
عَلٰى مَعْصِيَتِهٖ، ذِيَادَةً
لِعِبَادِهٖ عَنْ نِقْمَتِهٖ
وَحِيَاشَةً لَهُمْ اِلٰى
جَنَّتِهٖ، وَاَشْهَدُ اَنَّ
اَبِيْ مُحَمَّداً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَآلِهٖ وَسَلَّمَ عَبْدُهٗ وَ
رَسُوْلُهٗ اِخْتَارَهٗ وَانْتَجَبَهٗ
قَبْلَ اَنْ اَرْسَلَهٗ، وَسَمَّاهُ
قَبْلَ اَنْ اِجْتَبَاهُ وَاصْطَفَاهُ
قَبْلَ اَنْ اِبْتَعَثَهٗ، اِذِ الْخَلَائِقُ
بِالْغَيْبِ مَكْنُوْنَةٌ وَ
بِسَتْرِ الْاَهَاوِيْلِ مَصُوْنَةٌ
وَبِنِهَايَةِ الْعَدَمِ مَقْرُوْنَةٌ
عِلْماً مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى بِمَآئِلِ
الْاُمُوْرِ، وَاِحَاطَةً بِحَوَادِثِ
الدُّهُوْرِ، وَمَعْرِفَةً بِمَوَاقِعِ
الْمَقْدُوْرِ، اِبْتَعَثَهُ اللّٰهُ
تَعَالٰى اِتْمَاماً لِاَمْرِهٖ وَعَزِيْمَةً
عَلٰى اِمْضَاءِ حُكْمِهٖ وَاِنْفَاذاً

خدا کی قدرت کا اظہار ہو اور بندے اس کی
بندگی کا اقرار کریں اور پیغمبروں کو اس
کی طرف بلانے میں غلبہ حاصل ہو۔ پھر
اس نے اپنی اطاعت پر ثواب مقرر کیا،
اور معصیت پر سزا قرار دی تاکہ اپنے
بندوں کو اپنے عذاب سے بچائے
اور گھیر کر جنت کی طرف لے
جائے۔ اور میں گواہی دیتی ہوں کہ
میرے پدر بزرگوار محمد صلعم اس کے
بندے اور رسول ہیں۔
جنھیں اس نے رسول بنا کر
بھیجنے سے پہلے ہی مختار و ممتاز بنا لیا اور
انھیں مبعوث کرنے سے پہلے ہی انبیاء کو
ان کے نام سے آگاہ کر دیا تھا اور انھیں
درجۂ رسالت پر فائز کرنے سے پہلے ہی اصطفا
کی منزل پر فائز کر دیا تھا جبکہ ساری مخلوق غیب کے
حجاب میں پوشیدہ اور عدم کے ہولناک پردوں میں
محفوظ تھی اور حد عدم سے وابستہ تھی۔ یہ سب
اسلئے تھا کہ خداوند عالم کو انجام امور کی خبر تھی اور
زمانے کے حوادث کو اس کا علم محیط کیے ہوئے تھا۔
اور مقدورات کے موقع اس کے علم کے اندر
تھے۔ آنحضرت کو خداوند تعالیٰ نے اپنے
امر ہدایت کو تمام کرنے، اپنے حکم کو جاری کرنے

بِمَقَادِيرِ حَتْمِهٖ، فَرَأَى الْاُمَمَ فِرَقًا
فِي اَدْيَانِهَا عُكَّفًا عَلٰى نِيْرَانِهَا.
عَابِدَةً لِاَوْثَانِهَا مُنْكِرَةً لِلّٰهِ
مَعَ عِرْفَانِهَا، فَاَنَارَ اللّٰهُ
تَعَالٰى بِاَبِيْ مُحَمَّدٍ (ص)
ظُلَمَهَا، وَكَشَفَ عَنِ الْقُلُوْبِ
بُهَمَهَا، وَجَلٰى عَنِ
الْاَبْصَارِ غُمَمَهَا وَقَامَ
فِي النَّاسِ بِالْهِدَايَةِ وَ
اَنْقَذَهُمْ مِنَ الْغَوَايَةِ
وَبَصَّرَهُمْ مِنَ الْعَمَايَةِ
وَهَدَاهُمْ اِلَى الدِّيْنِ
الْقَوِيْمِ وَدَعَاهُمْ
اِلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ،
ثُمَّ قَبَضَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ قَبْضَ رَاْفَةٍ
وَاخْتِيَارٍ، وَرَغْبَةٍ
وَاِيْثَارٍ فَمُحَمَّدٌ (ص)
عَنْ تَعَبِ هٰذِهِ الدَّارِ
فِي رَاحَةٍ قَدْ حُفَّ
بِالْمَلَائِكَةِ الْاَبْرَارِ
وَرِضْوَانِ الرَّبِّ الْغَفَّارِ
وَمُجَاوَرَةِ الْمَلِكِ الْجَبَّارِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى اَبِيْ نَبِيِّهٖ

کی مضبوطی اور حتمی قطعی شدہ مقدرات کو نافذ کرنے کیلئے
مبعوث فرمایا۔ اُسے معلوم تھا کہ امتیں مذاہب میں
متفرق ہو گئی ہیں۔ کچھ لوگ آتش پرستی
پر مائل ہیں۔ کچھ لوگ بتوں کو پوج
رہے ہیں۔ اور کچھ لوگ باوجود خدا کی
ہستی کے علم کے اس سے منکر ہیں۔
پس خداوند تعالے نے میرے پدر بزرگوار
محمد مصطفٰے کے ذریعہ سے امتوں کی بیدینی
کی تاریکیاں دور کیں عقلوں کی مشکلیں
حل فرمائیں۔ اور بصیرت کی آنکھوں پر
سے پردے ہٹا دیئے۔ آنحضرت نے انسانوں
میں ہدایت کا کام انجام دیا۔ اور انھیں گمراہی سے
رہا کیا۔ ضلالت سے ہٹا کر ہدایت کی راہ دکھائی
دین قیم کی جانب ان کی رہبری کی۔
اور صراط مستقیم کی طرف انھیں بلایا اور
پھر خداوند تعالے نے آنحضرت کو مہربانی
سے ان کے اختیار، رغبت و ایثار کے
ساتھ اپنی طرف بلالیا چنانچہ وہ جناب دار دنیا
کی زحمتوں سے نکل کر راحت و آرام میں پہنچ گئے
انھیں ملائکہ ابرار گھیرے رہتے
ہیں۔ رب غفار کی رضا اپنے آغوش
میں لیئے ہوئے ہے۔ ملک جبار کی ہمسائیگی سے بہرہ
اندوز ہیں خداوند تعالی درود نازل کرے میرے پدر

وَ اَمِيْنِهٖ عَلٰى وَحْيِهٖ وَصَفِيِّهٖ
وَخِيَرَتِهٖ مِنَ الْخَلْقِ وَرَضِيِّهٖ
وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ
وَبَرَكَاتُهٗ (ثُمَّ الْتَفَتَتْ
اِلٰى اَهْلِ الْمَجْلِسِ وَقَالَتْ)
اَنْتُمْ عِبَادَ اللّٰهِ نُصُبُ
اَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ وَحَمَلَةُ
دِيْنِهٖ وَوَحْيِهٖ وَاُمَنَاءُ اللّٰهِ
عَلٰى اَنْفُسِكُمْ وَبُلَغَاءُهٗ
اِلَى الْاُمَمِ، وَزَعِيْمُ حَقٍّ
لَهٗ فِيْكُمْ وَعَهْدٍ قَدَّمَهٗ
اِلَيْكُمْ، وَبَقِيَّةٍ اِسْتَخْلَفَهَا
عَلَيْكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ النَّاطِقُ
وَالْقُرْاٰنُ الصَّادِقُ، وَ
النُّوْرُ السَّاطِعُ وَالضِّيَاءُ
اللَّامِعُ بَيِّنَةٌ بَصَائِرُهٗ
مُنْكَشِفَةٌ سَرَائِرُهٗ
مُتَجَلِّيَةٌ ظَوَاهِرُهٗ
مُغْتَبِطٌ بِهٖ اَشْيَاعُهٗ
قَائِدٌ اِلَى الرِّضْوَانِ
اِتِّبَاعُهٗ مُؤَدٍّ اِلَى النَّجَاةِ
اِسْتِمَاعُهٗ، بِهٖ تُنَالُ
حُجَجُ اللّٰهِ الْمُنَوَّرَةُ وَ

پر جو اس کے پیغمبر اور اس کی وحی پر اس کے
امین تھے۔ اور اس کی مخلوقات میں اس کے
برگزیدہ منتخب اور پسندیدہ تھے، ان پر خدا
کا سلام، اسکی رحمت اور اسکی برکتیں نازل
ہوں۔ پھر جناب فاطمہ اہلِ مجلس کی طرف
متوجہ ہوئیں۔ اور فرمایا اے بندگانِ خدا تم
تو خدا کے امر و نہی کے بجالانے کے لئے منصوب و
مقرر ہو اور اس کے دین و وحی کے حامل ہو اور
اپنے نفوس کے اوپر اس کے امین ہو، دوسری امتوں کی
طرف خدا کی جانب سے مبلغ ہو، تم دوسری امتوں میں ضامن
اور کفیل ہو اس عہدِ حق کے اور نصیحت کے جو خدا نے
تم سے کیا ہے اور اس بقیہ کے جسکو تم پر بعد رسول
ذمہ دار قرار دیا ہے اور وہ حق اور بقیہ خدا کی کتابِ ناطق
اور قرآنِ صادق ہے۔ نورِ ساطع اور ضیاءِ لامع
ہے، اس کی بصیرت کھلی ہوئی ہیں اور اس
کے اسرار و رموز منکشف و آشکار ہیں
اس کے ظواہر ہویدا اور جلی
ہیں۔ اس کا اتباع کرنے والے
قابلِ رشک ہیں۔ اور اس کی
پیروی رضوانِ خدا تک پہنچانیوالی ہے
اور اس کو توجہ سے سننا نجات تک پہنچا کر
لے جاتا ہے، اس ہی قرآن کے ذریعہ
خدا کی منور حجتیں پائی جاتی ہیں۔

عَزَائِمُهُ الْمُفَسَّرَةُ وَمَحَارِمُهُ
الْمُحَذَّرَةُ، وَبَيِّنَاتُهُ الْجَالِيَةُ
وَبَرَاهِينُهُ الْكَافِيَةُ وَفَضَائِلُهُ
الْمَنْدُوبَةُ، وَرُخَصُهُ
الْمَوْهُوبَةُ، وَشَرَائِعُهُ
الْمَكْتُوبَةُ فَجَعَلَ اللّٰهُ الْاِيْمَانَ
تَطْهِيْرًا لَكُمْ مِنَ الشِّرْكِ
وَالصَّلٰوةَ تَنْزِيْهًا لَكُمْ
عَنِ الْكِبْرِ وَالزَّكٰوةَ تَزْكِيَةً
لِلنَّفْسِ وَنَمَاءً فِي الرِّزْقِ،
وَالصِّيَامَ تَثْبِيْتًا لِلْاِخْلَاصِ
وَالْحَجَّ تَشْيِيْدًا لِلدِّيْنِ
وَالْعَدْلَ تَنْسِيْقًا لِلْقُلُوْبِ
وَطَاعَتَنَا نِظَامًا لِلْمِلَّةِ
وَاِمَامَتَنَا اَمَانًا مِنَ الْفُرْقَةِ
وَالْجِهَادَ عِزًّا لِلْاِسْلَامِ
وَذُلًّا لِاَهْلِ الْكُفْرِ وَالنِّفَاقِ
وَالصَّبْرَ مَعُوْنَةً عَلَى اسْتِيْجَابِ
الْاَجْرِ، وَالْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ مَصْلَحَةً
لِلْعَامَّةِ وَبِرَّ الْوَالِدَيْنِ
وِقَايَةً مِنَ السَّخَطِ وَصِلَةَ
الْاَرْحَامِ مَنْسَاَةً فِي

بیان کئے ہوئے واجبات معلوم ہوتے ہیں
اور ان محرمات کی اطلاع ہوتی ہے جس سے
خوف دلایا گیا ہے۔ اور اسی قرآن سے خدا کے
مقرر کردہ مستحبات معلوم ہوتے ہیں جن کی
رغبت دلائی گئی ہے، اور ان مباح
باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ جنھیں خدا نے بندوں
کے لئے حلال کر دیا ہے اور شریعت کی
مقرر کردہ باتوں کا پتہ چلتا ہے
پس خداوند تعالےٰ نے تم لوگوں کے لئے
شرک سے پاک ہونیکا وسیلہ ایمان کو
اور تکبر سے بری ہونے کا سبب نماز
کو بنا دیا ہے۔ زکوٰۃ کو نفس کی پاکیزگی اور
رزق کی زیادتی کا ذریعہ قرار دیا ہے اور روزہ اس لئے
واجب کیا کہ دین میں مضبوطی زیادہ ہو۔ عدل و
انصاف کو دلوں کی تنظیم ہماری اطاعت کو ملت اسلام
کا نظام اور درستی اور ہماری امامت کو تفرقہ کی
بلا سے بچنے کیلئے امان قرار دیا۔ جہاد کو اسلام کی عزت
اور اہل کفر و نفاق کی ذلت کا ذریعہ بنایا۔ مصیبت
میں صبر کرنیکو تحصیل اجر میں مددگار اور امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر میں عوام الناس کیلئے مصالح
ودیعت فرمائے۔ والدین کے ساتھ نیکی کرنیکو
اس لئے واجب کیا کہ غضب خدا سے حفاظت رہے
صلہ رحم اسلئے مقرر کیا کہ عمر بڑھتی رہیں

الْعَدْلَ وَالْقِصَاصَ حَقْنًا لِلدِّمَاءِ
وَالْوَفَاءَ بِالنَّذْرِ تَعْرِيضًا
لِلْمَغْفِرَةِ وَتَوْفِيَةَ الْمَكَايِيلِ
وَالْمَوَازِينِ تَغْيِيرًا لِلْبَخْسِ
وَالنَّهْيَ عَنْ شُرْبِ الْخَمْرِ
تَنْزِيهًا عَنِ الرِّجْسِ
وَاجْتِنَابَ الْقَذْفِ حِجَابًا
عَنِ اللَّعْنَةِ وَتَرْكَ السَّرِقَةِ
إِيجَابًا لِلْعِفَّةِ وَحَرَّمَ اللَّهُ
الشِّرْكَ إِخْلَاصًا لَهُ
بِالرُّبُوبِيَّةِ (فَاتَّقُوا اللَّهَ
حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ
إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ)
وَأَطِيعُوا اللَّهَ فِيمَا أَمَرَكُمْ
بِهِ وَنَهَاكُمْ عَنْهُ (إِنَّمَا
يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ)
ثُمَّ قَالَتْ عَلَيْهَا السَّلَامُ:
أَيُّهَا النَّاسُ اعْلَمُوا أَنِّي
فَاطِمَةُ وَأَبِي مُحَمَّدٌ (ص)
أَقُولُ عَوْدًا وَبَدْءًا وَلَا
أَقُولُ مَا أَقُولُ غَلَطًا
وَلَا أَفْعَلُ مَا أَفْعَلُ شَطَطًا
(لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ

قصاص اسلئے قرار دیا کہ خوں ریزی رک
جائے۔ نذر و وفا کرنے کی راہ اسلئے نکالی
کہ بندوں کی مغفرت مقصود تھی۔ پیمانہ اور وزن
پورا کرنیکا حکم اسلئے واجب کیا کہ نحوست دور ہو
شراب پینے کی ممانعت اسلئے کی کہ برے اخلاق سے
سینے پاک رہیں۔ زنا کا بے جا الزام لگانا
اسلئے حرام کیا کہ لعنت کے سامنے ایک
حجاب اور مانع پیدا ہو جائے۔ چوری کرنے کو
اسلئے ممنوع قرار دیا کہ دوسروں کے مال میں
بے اجازت تصرف کرنے سے لوگ اپنے تئیں
پاک رکھیں۔ خدا نے شرک کو اس وجہ سے حرام
کیا کہ اسکی ربوبیت کا اقرار خالص ہے لہذا خدا سے
ڈرو جو ڈرنیکا حق ہے اور یہ کوشش کرو کہ جب مرو تو مسلمان
اور خدا کی اطاعت کرو اوامر میں اور جن امور سے
منع کیا ہے اُن سے باز رہو۔ بے شک خدا سے
ڈرنیوالے اسکے بندوں میں علماء ہی ہیں۔

پھر حضرت فاطمہ نے فرمایا (سلام ہو ان پر)
اے لوگو جان لو کہ میں
فاطمہ ہوں میرے والد محمد مصطفےٰ ہیں۔
جو بات میں تم سے پہلے سے کہہ رہی ہوں
وہی آخر تک کہتی رہونگی۔ اور میں جو کہتی
وہ غلط نہیں کہتی۔ اور اپنے فعل میں حد سے تجاوز نہیں کرتی
یقیناً ہمارے پاس خدا کا وہی رسول آیا ہے جو

أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ الرَّحِيْمُ) فَإِنْ تَعْزُوْهُ وَتَعْرِفُوْهُ تَجِدُوْهُ أَبِيْ دُوْنَ نِسَائِكُمْ وَأَخَا ابْنِ عَمِّيْ دُوْنَ رِجَالِكُمْ وَلَنِعْمَ الْمَعْزِيُّ إِلَيْهِ فَبَلَّغَ الرِّسَالَةَ، صَادِعًا بِالنِّذَارَةِ، مَائِلًا عَنْ مَدْرَجَةِ الْمُشْرِكِيْنَ ضَارِبًا ثَبَجَهُمْ آخِذًا بِكَظْمِهِمْ دَاعِيًا إِلَى سَبِيْلِ رَبِّهِ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ يَكْسِرُ الْأَصْنَامَ، وَيَنْكُتُ الْهَامَ حَتَّى انْهَزَمَ الْجَمْعُ وَوَلَّوُا الدُّبُرَ حَتَّى تَفَرَّى اللَّيْلُ عَنْ صُبْحِهِ وَأَسْفَرَ الْحَقُّ عَنْ مَحْضِهِ وَنَطَقَ زَعِيْمُ الدِّيْنِ وَخَرِسَتْ شَقَاشِقُ الشَّيَاطِيْنِ، وَطَاحَ وَشِيْظُ النِّفَاقِ وَانْحَلَّتْ عُقَدُ الْكُفْرِ وَالشِّقَاقِ، وَفُهْتُمْ بِكَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ فِيْ نَفَرٍ مِّنَ الْبِيْضِ الْخِمَاصِ وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ مُذْقَةَ الشَّارِبِ وَنُهْزَةَ الطَّامِعِ وَقُبْسَةَ الْعَجْلَانِ وَمَوْطِئَ الْأَقْدَامِ

تم ہی لوگوں میں سے ہے۔ اس پر شاق ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ۔ اور اُسے تمہاری بہبودی کا ہوکا ہے۔ ایمانداروں پر حد درجہ شفیق اور مہربان ہے۔ پس اگر تم انکی طرف کسی کو نسبت دو اور ان کا تعارف کراؤ تو تم ان کو میرا باپ پاؤ گے نہ کہ اپنی عورتوں کا۔ اور میرے ابن عم (علی ابن ابی طالب) کا بھائی پاؤ گے۔ نہ اپنے مردوں میں سے کسی کا۔ اور وہ جناب بہترین شخص ہیں جنکی طرف نسبت کی جائے۔ پس حضرت نے خدا کا پیغام بہت اچھی اور پوری طرح پہنچا دیا اس طرح کہ خدا سے ڈرانے میں پوری وضاحت سے کام لیا۔ اور مشرکوں کے مسلک سے بالکل علیحدہ اور مخالف راہ نکالے ہوئے تھے مشرکوں کے مسلک کی ممتاز چیزوں پر ضرب کاری لگا رہے تھے۔ اور ان کا ناطقہ بند کئے ہوئے تھے۔ اور اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ دعوت دے رہے تھے بتوں کو توڑ رہے تھے اور اہل شرک کے سرداروں کو نگوں کر رہے تھے یہاں تک کہ گروہ مشرکین کو شکست ہوئی۔ اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ جہالت کی رات ختم ہوئی۔ ہدایت کی صبح نے جلوہ دکھایا اور حق اپنی خالص شکل میں نمودار ہوا۔ دین کا ڈنکا بولنے لگا اور شیطانوں کے ناطقے گم ہو گئے۔ نفاق پرور کمینے ہلاک ہو گئے۔ کفر اور بے دینی کی گرہیں کھل کر رہ گئیں اور تم نے چند روشن نسب اور گرسنہ

تَشْرَبُوْنَ الطَّرْقَ، وَتَقْتَاتُوْنَ
الْقِدَّ أَذِلَّةً خَاسِئِيْنَ تَخَافُوْنَ
اَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ مِنْ
حَوْلِكُمْ فَأَنْقَذَكُمُ اللّٰهُ تَبَارَكَ
وَتَعَالٰى بِأَبِيْ مُحَمَّدٍ (ص) بَعْدَ
اللَّتَيَّا وَالَّتِيْ وَبَعْدَ اَنْ مُنِيَ بِبُهَمِ
الرِّجَالِ وَذُؤْبَانِ الْعَرَبِ
وَمَرَدَةِ أَهْلِ الْكِتَابِ (كُلَّمَا
أَوْقَدُوْا نَارًا لِلْحَرْبِ اَطْفَأَهَا
اللّٰهُ) أَوْ نَجَمَ قَرْنٌ لِلشَّيَاطِيْنِ
اَوْ فَغَرَتْ فَاغِرَةٌ مِنَ
الْمُشْرِكِيْنَ قَذَفَ اَخَاهُ فِيْ
لَهَوَاتِهَا فَلَا يَنْكَفِئُ حَتّٰى يَطَأَ صِمَاخَهَا
بِأَخْمَصِهِ وَيُخْمِدَ لَهَبَهَا
بِسَيْفِهِ مَكْدُوْدًا فِيْ ذَاتِ
اللّٰهِ مُجْتَهِدًا فِيْ أَمْرِ اللّٰهِ قَرِيْبًا
مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ
وَسَلَّمَ سَيِّدًا فِيْ أَوْلِيَاءِ اللّٰهِ
مُشَمِّرًا نَاصِحًا مُجِدًّا كَادِحًا
وَأَنْتُمْ فِيْ بُلَهْنِيَةٍ مِنَ الْعَيْشِ
وَادِعُوْنَ فَاكِهُوْنَ آمِنُوْنَ
تَتَرَبَّصُوْنَ بِنَا الدَّوَائِرَ
وَتَتَوَكَّفُوْنَ الْأَخْبَارَ وَ

گندہ پانی پیتے تھے اور بے دباغت کی ہوئی کھال چباتے تھے
ذلیل تھے اور دھتکارے ہوئے تھے اور ڈر رہے تھے۔
کہ وہ لوگ جو تمہارے ارد گرد ہیں تم کو ہلاک کر ڈالیں
ایسے وقت پر خداوند عالم نے تم لوگوں کو میرے پدر بزرگوار
محمد مصطفٰے کے ذریعہ سے ان ٹکروں سے نجات دی۔
ان چھوٹی بڑی بلاؤں کے بعد اور بعد اس کے کہ بہادروں
کے ساتھ ان کی آزمائش کی گئی۔ عرب کے ڈاکوؤں
اور اہل کتاب کے سرکشوں سے آنحضرت
کو سابقہ پڑا تھا جب کبھی ان لوگوں نے جنگ کی
آگ بھڑکائی خدا نے اسے خاموش کر دیا یا جب
کبھی شیطان نے سر اٹھایا مشرکوں کی شرارت کے
اژدھے نے منہ کھولا تو آنحضرت نے اپنے بھائی
علی ہی کو اس بلا کے منہ میں بھیجا پس اس بہادر علی
کی شان یہ تھی کہ وہ اس وقت تک نہ پلٹا کہ جب تک
اپنے پیروں تلے ان بلاؤں کے سر نہ کچل دیئے اور فتنے
کی آگ نہ بجھا دی۔ وہ خدا کے بارے میں مشقت برداشت
کرنے والا تھا اور امر خدا میں بڑی کوشش کرنے والا تھا
اور ہر بات میں رسول خدا سے قریب تھا۔ اولیاء خدا کا
سردار، ہدایت پر کمر بستہ، بندگان خدا کا ناصر،
مفید باتیں پیش کرنے والا اور کوشش اور سعی بلیغ
کرنے والا تھا۔ اور تم لوگ زندگی کی خوشگوار حالت میں
پڑے ہوئے تھے۔ اطمینان اور خوش طبعی کی حالت میں،
بےخوف زندگی بسر کر رہے تھے ہم پر مصیبتیں آ پڑنے کی آرزو

تنكصون عند النزال وتفرون
من القتال فلما اختار الله
لنبيه صلى الله عليه وآله وسلم دار
انبيائه ومأوى اصفيائه ظهرت
فيكم حسيكة النفاق
وسمل جلباب الدين ونطق
كاظم الغاوين ونبغ خامل
الاقلين وهدر فنيق المبطلين
فخطر في عرصاتكم واطلع الشيطان
رأسه من مغرزه هاتفا
بكم، فالفاكم لدعوته
مستجيبين وللغرة فيه
ملاحظين ثم استنهضكم
فوجدكم خفافا واحمشكم
فالفاكم غضابا فوسمتم
غير ابلكم واوردتم
غير شربكم هذا والعهد
قريب والكلم رحيب والجرح
لما يندمل والرسول لما
يقبر ابتدارا زعمتم
خوف الفتنة (الا في
الفتنة سقطوا وان
جهنم لمحيطة بالكافرين)

کرتے تھے اور ہمارے لیئے فتنوں اور مصیبتوں کی
اُمید رکھتے تھے تم لوگ جنگ کے موقعوں پر
پسپا ہو جاتے اور میدانِ جنگ سے بھاگ
جاتے تھے۔ پس جب خداوندِ عالم نے اپنے پیغمبر کیلئے
گزشتہ انبیا کے گھر اور اپنے اصفیا کے مسکن کو
پسند فرمایا (آنجناب کو دنیا سے اٹھا لیا) تم
لوگوں میں نفاق اور دشمنی ظاہر ہوئی دین
کی چادر بوسیدہ ہو گئی۔ گمراہوں کی زبان
کھل گئی اور گمنام اور رذیل لوگ ابھر گئے
اور باطل پرستی کا اونٹ بولنے لگا۔ اس نے تم لوگوں
کے صحن میں اپنی دُم ہلانی شروع کر دی شیطان
نے اپنے گوشہ سے سر نکالا، اس نے تمھیں بلانے کیلئے
آواز دی اور اپنی آواز پر تم کو لبیک کہتا ہوا
پایا۔ اپنے فریب کی طرف تم کو نگراں دیکھ لیا۔
پھر اس نے تم کو اپنی فرمانبرداری کیلئے اٹھنے کا
حکم دیا۔ تو تمھیں فوراً تیار ہونیوالا پایا اور
تمھیں بھڑکایا تو اپنی مدد میں تمھیں غضبناک لوگ
تند پایا۔ لہٰذا تم نے اپنے اونٹ کے بدلے دوسرے کے
اونٹ کو داغا۔ اور اپنا گھاٹ چھوڑ کر دوسرے کے
گھاٹ پر پانی پلایا یعنی جو دوسرے کا حق تھا
اُسے زبردستی اپنا حق بنا لیا اور ابھی تک تم سے
رسول کے عہد و پیمان کا وقت قریب تھا اور ابھی
جدائی کا زخم ہرا تھا۔ جراحت مندمل نہ ہوئی تھی

فَهَيْهَاتَ مِنْكُمْ وَكَيْفَ
بِكُمْ وَأَنَّى تُؤْفَكُونَ وَ
هٰذَا كِتَابُ اللّٰهِ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ
أُمُورُهُ ظَاهِرَةٌ، وَأَحْكَامُهُ
زَاهِرَةٌ وَأَعْلَامُهُ بَاهِرَةٌ وَزَوَاجِرُهُ لَائِحَةٌ
وَأَوَامِرُهُ وَاضِحَةٌ قَدْ
خَلَّفْتُمُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ
أَرَغْبَةً عَنْهُ تُرِيدُونَ
أَمْ بِغَيْرِهِ تَحْكُمُونَ بِئْسَ
لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا وَمَنْ
يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا
فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي
الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ
ثُمَّ لَمْ تَلْبَثُوا إِلَّا رَيْثَمَا
تَسْكُنُ نَفْرَتُهَا وَيَسْلَسُ
قِيَادُهَا ثُمَّ أَخَذْتُمْ تُورُونَ وَقْدَتَهَا وَ
تُهَيِّجُونَ جَمْرَتَهَا وَتَسْتَجِيبُونَ
لِهُتَافِ الشَّيْطَانِ الْغَوِيِّ
وَإِطْفَاءِ نُورِ الدِّينِ الْجَلِيِّ
وَإِهْمَادِ سُنَنِ النَّبِيِّ الصَّفِيِّ
تُسِرُّونَ حَسْوًا فِي ارْتِغَاءٍ
وَتَمْشُونَ لِأَهْلِهِ وَوُلْدِهِ

تم سے سخت تعجب ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے اور تم کہاں حق سے
منہ موڑے ہوئے چلے جا رہے ہو۔ یہ خدا کی کتاب
تمہارے درمیان موجود ہے۔ اس کے امور ظاہر ہیں
اس کے احکام روشن ہیں اور اس
کی نشانیاں واضح ہیں۔ اس کی تنبیہیں
صاف و علانیہ ہیں۔ اور اس کے اوامر آشکارا
ہیں۔ ایسی کتاب کو تم نے پس پشت ڈال
رکھا ہے۔ کیا اس سے نفرت کر کے پیٹھ پھیرتے
ہو۔ یا غیر قرآن کے ساتھ احکام جاری کرنے
پر تیار ہو گئے ہو۔ ظالموں کے لئے ان کے
ظلم کا بہت برا بدلہ ہے اور جو شخص کہ اسلام
کے سوا کسی اور طریقہ پر چلے گا تو وہ اس سے
قبول نہ کیا جائیگا۔ اور وہ آخرت میں نقصان پانیوالوں میں
ہوگا۔ پھر تم نے اتنی بھی تاخیر نہ کی کہ فتنہ کی نفرت
ذرا کم ہو جاتی اور اس پر قابو پانا ذرا آسان
ہو جاتا بلکہ تم نے پھر آگ کو اور زیادہ بھڑکانا
شروع کر دیا۔ اور اس کی چنگاریاں
تیز کرنے لگے۔ شیطان گمراہ کی آواز
پر لبیک کہنے۔ دین روشن کے نور
بجھانے اور پیغمبر برگزیدہ کی سنتوں
کو محو کرنے پر تیار ہو گئے۔ بظاہر
تم نے اسلام اختیار کر رکھا ہے اور دراصل
باطن میں نفاق ہے۔ رسول خدا کے اہلبیت اور اولاد

فِي الْخَمَرِ وَالضَّرَّاءِ وَنَصْبِرُ مِنْكُمْ
عَلَى مِثْلِ حَزِّ الْمُدَى وَوَخْزِ
السِّنَانِ فِي الْحَشَى وَأَنْتُمُ
الْآنَ تَزْعُمُونَ أَنْ لَا إِرْثَ
لِي أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ
وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ
يُوقِنُونَ) أَفَلَا تَعْلَمُونَ.
بَلَى قَدْ تَجَلَّى لَكُمْ كَالشَّمْسِ
الضَّاحِيَةِ أَنِّي ابْنَتُهُ،
أَيْهًا (وَفِي رِوَايَةٍ وَيْهًا)
أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ أَأُغْلَبُ
عَلَى إِرْثِي يَا ابْنَ أَبِي
قُحَافَةَ أَفِي كِتَابِ اللهِ أَنْ
تَرِثَ أَبَاكَ وَلَا أَرِثَ
أَبِي لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا
فَرِيًّا، أَفَعَلَى عَمْدٍ تَرَكْتُمْ
كِتَابَ اللهِ وَنَبَذْتُمُوهُ
وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ إِذْ يَقُولُ
(وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ)
وَقَالَ فِيمَا اقْتَصَّ مِنْ خَبَرِ
يَحْيَى بْنِ زَكَرِيَّا عَلَيْهِمَا
السَّلَامُ إِذْ يَقُولُ رَبِّ
هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا

کے خلاف گنجان درختوں اور جھاڑیوں میں
چھپ کر چال چلنے لگے۔ اور ہم لوگ تمہارے
افعال بد پر یوں صبر کرنے لگے۔ جیسے کوئی
چھری کی کاٹ اور نیزے کے سینے میں پیوست
ہونے پر صبر کرتا ہے۔ اور اب تم یہ گمان کرنے
لگے ہو کہ مجھ کو اپنے پدر بزرگوار کے ترکہ
میں کوئی حق وراثت نہیں ہے کیا تم جاہلیت
کے احکام پسند کرتے ہو۔ خدا سے بہتر حکم کرنے والا
یقین رکھنے والی قوم کے لیے اور کون ہے
کیا تم نہیں جانتے ہیں بیشک تم جانتے ہو اور تمہارے
لیے یہ امر آفتاب نصف النہار کی طرح واضح
ہے کہ میں پیغمبر کی بیٹی ہوں۔ کیوں مسلمانو کیا
تم اس پر راضی ہو۔ کہ میری میراث مجھ سے چھین
لی جائے۔ اور اے ابو قحافہ کے بیٹے۔ یہ کتاب اللہ
میں ہے کہ تو اپنے باپ کی میراث پائے اور میں اپنے باپ کی
میراث نہ پاؤں۔ تو نے یہ کیا بری بات پیش
کی ہے۔ کیا تم لوگوں نے دیدہ و دانستہ کتاب
خدا کو چھوڑ رکھا ہے اور اس کو پس پشت ڈال دیا
حالانکہ اس میں ذکر ہے کہ جناب سلیمان اپنے باپ
داؤد کے وارث ہوئے۔ اور جناب یحییٰ کے
قصے میں حضرت ذکریا کی یہ دعا مذکور ہے کہ
خداوندا مجھے اپنے پاس سے ایسا
وارث عطا فرما۔ جو میری

يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ)
وَقَالَ (وَأُولُوا الْأَرْحَامِ
بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي
كِتَابِ اللَّهِ) وَقَالَ (يُوصِيكُمُ
اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ
مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ) وَقَالَ
(إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ
لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ
بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ)
وَزَعَمْتُمْ أَنْ لَا حَظْوَةَ لِي
وَلَا إِرْثَ مِنْ أَبِي وَلَا رَحِمَ
بَيْنَنَا أَفَخَصَّكُمُ اللَّهُ بِآيَةٍ
أَخْرَجَ مِنْهَا أَبِي (ص) أَمْ
تَقُولُونَ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ لَا
يَتَوَارَثَانِ أَوَلَسْتُ أَنَا
وَأَبِي مِنْ أَهْلِ مِلَّةٍ وَاحِدَةٍ
أَمْ أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِخُصُوصِ
الْقُرْآنِ وَعُمُومِهِ مِنْ
أَبِي وَابْنِ عَمِّي فَدُونَكَهَا
مَخْطُومَةً مَرْحُولَةً تَلْقَاكَ
يَوْمَ حَشْرِكَ فَنِعْمَ الْحَكَمُ اللَّهُ
وَالزَّعِيمُ مُحَمَّدٌ وَالْمَوْعِدُ
الْقِيَامَةُ وَعِنْدَ السَّاعَةِ

میراث پائے اور آلِ یعقوب کا ورثہ بھی لے۔
پھر اس ہی کتاب میں خداوند تعالیٰ فرماتا
ہے کہ تمہارا رب تمہاری اولاد کے بارے میں
تم کو وصیت کرتا ہے کہ میراث کی تقسیم میں ایک
مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ دو۔ پھر ارشاد
ہے کہ اگر کوئی مرتے وقت مال چھوڑے
تو وہ والدین اور دیگر رشتہ داروں کے
لئے نیکی یعنی میراث کی وصیت کر جائے۔ خدا تو
یہ فرماتا ہے اور تم نے گمان کر رکھا ہے کہ میرا
کوئی حق نہیں ہے۔ میں اپنے باپ کی وارث ہی نہیں
بن سکتی۔ اور ہم لوگوں کے درمیان کوئی رحمی
قرابت ہی نہیں ہے۔ کیا خداوند عالم نے معاملہ
میراث میں تم کو کسی آیت کے ساتھ مخصوص کیا ہے
جس سے میرے پدر بزرگوار کو مستثنیٰ کر دیا ہے
تم کہتے ہو کہ ملت والے آپس میں ایک دوسرے
کے وارث نہیں ہوتے۔ تو کیا میں اور میرے
والد بزرگوار ایک ملت پر نہیں ہیں۔ شاید
تم میرے پدر بزرگوار اور میرے ابن عم (علی)
کی بہ نسبت خصوص و عموم قرآن کو بہتر سمجھتے
ہو۔ اچھا آج فدک کو اس طرح قبضہ میں
کر لو جس طرح مہار و پالان بستہ ناقہ قبضے
میں کیا جاتا ہے (اس کے نتائج سے) تو
قیامت کے دن اے ابوبکر ملاقی

مَخسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ، وَلَا يَنفَعُكُمْ
إِذْ تَنْدَمُوْنَ (لِكُلِّ نَبَأٍ مُّسْتَقَرٌّ
وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ
عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ
عَذَابٌ مُّقِيْمٌ) ثُمَّ رَنَتْ
بِطَرْفِهَا نَحْوَ الْاَنْصَارِ
(فَقَالَتْ) يَا مَعْشَرَ الْفِتْيَةِ
وَاَعْضَادَ الْمِلَّةِ وَحَضَنَةَ الْاِسْلَامِ
مَا هٰذِهِ الْغَمِيْزَةُ
فِيْ حَقِّيْ، وَالسِّنَةُ عَنْ
ظُلَامَتِيْ، اَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ
اَبِيْ يَقُوْلُ (اَلْمَرْءُ يُحْفَظُ
فِيْ وُلْدِهٖ) سَرْعَانَ مَا
اَحْدَثْتُمْ وَعَجْلَانَ ذَا
اِهَالَةً وَلَكُمْ طَاقَةٌ بِمَا
اُحَاوِلُ وَقُوَّةٌ عَلٰى مَا
اَطْلُبُ وَاُزَاوِلُ اَتَقُوْلُوْنَ
مَاتَ مُحَمَّدٌ فَخَطْبٌ جَلِيْلٌ
اِسْتَوْسَعَ وَهْنُهٗ وَاسْتَنْهَرَ
فَتْقُهٗ وَانْفَتَقَ رَتْقُهٗ وَ
اُظْلِمَتِ الْاَرْضُ لِغَيْبَتِهٖ
وَاكْتَابَتْ خِيَرَةُ اللّٰهِ لِمُصِيْبَتِهٖ

ہوگا۔ اور خداوند تعالیٰ بہت اچھا حکم کرنیوالا
ہوگا۔ اور محمد ہمارے ضامن و کفیل ہونگے پس
اے ابوبکر میری اور تیری وعدہ گاہ اب قیامت ہے
اور قیامت کے دن باطل پرست گھاٹے میں
رہیں گے اور اس وقت کی ندامت تم لوگوں کو
فائدہ نہ پہنچائیگی۔ ہر امر کیلئے ایک وقت مقرر
ہے۔ اور عنقریب تم اس شخص کو معلوم کرلوگے
جس پر عذاب نازل ہوکر اُسے رسوا کریگا اور
اس کیلئے دائمی عذاب مقرر ہوگا۔ پھر جناب فاطمہ
انصار کی طرف متوجہ ہوئیں اور یہ فرمایا۔ اے
جوانمردوں کے گروہ، اے ملت کے دست بازو
اے اسلام کی حفاظت کرنیوالو، میرے حق میں
یہ کیسی سستی ہے اور میری فریاد سے یہ کیسی غفلت
ہے کیا میرے پدر بزرگوار جنابِ رسول یہ نہیں
فرماتے تھے کہ کسی شخص کی حفاظت اسکی اولاد کی
حفاظت کرکے ہوتی ہے، کتنی جلدی تم نے
دین میں بدعت پیدا کردی اور اس کے قبل از
وقت مرتکب ہوئے۔ درانحالیکہ تم کو اس
بات کی طاقت حاصل ہے جس کا میں مطالبہ کرتی
ہوں اور تم کو قوت حاصل ہے اس چیز پر جو میں
تم لوگوں سے طلب کررہی ہوں۔ ہاں یہ ٹھیک
ہے جناب محمد مصطفےٰ نے انتقال فرمایا۔ لیکن
یہ بہت بڑی مصیبت ہے جس کا رخنہ وسیع ہے جس کا

وَكُسِفَتِ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَ
انْتَثَرَتِ النُّجُومُ لِمُصِيبَتِهِ
وَأَكْدَتِ الْآمَالُ وَخَشَعَتِ
الْجِبَالُ وَأُضِيعَ الْحَرِيمُ وَ
أُزِيلَتِ الْحُرْمَةُ عِنْدَ مَمَاتِهِ
فَتِلْكَ وَاللّٰهِ النَّازِلَةُ الْكُبْرٰى
وَالْمُصِيبَةُ الْعُظْمٰى الَّتِي لَا
مِثْلُهَا نَازِلَةٌ وَلَا بَائِقَةٌ
عَاجِلَةٌ أَعْلَنَ بِهَا كِتَابُ اللّٰهِ
جَلَّ ثَنَاؤُهُ فِي أَفْنِيَتِكُمْ
فِي مُمْسَاكُمْ وَمُصْبَحِكُمْ
هِتَافًا وَصُرَاخًا وَتِلَاوَةً
وَإِلْحَانًا وَلَقَبْلَهُ مَا حَلَّتْ
بِأَنْبِيَاءِ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ حُكْمٌ
فَصْلٌ وَقَضَاءٌ حَتْمٌ (وَمَا
مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ
أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى أَعْقَابِكُمْ
وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ
يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي
اللّٰهُ الشَّاكِرِينَ) أَيْهًا بَنِي
قَيْلَةَ أَأُهْضَمُ تُرَاثَ
أَبِي وَأَنْتُمْ بِمَرْأًى مِنِّي

محزون و مغموم ہو گئے ہیں۔ شمس و قمر بے نور اور
ستارے پریشان ہیں۔ ان بزرگوار کی ذات سے
جو آرزوئیں وابستہ تھیں وہ ختم ہو چکیں اس مصیبت
میں پہاڑوں کے دل بھی آب آب ہو گئے ہیں
حرمت رسول ضائع کر دی گئی۔ اور حریم رسول
کی عظمت لوگوں کے دلوں سے اٹھ گئی پس یہ
مصیبت قسم خدا کی بہت بڑی بلا اور عظیم مصیبت
ہے۔ اس کے مثل کوئی اور بلا نہیں اور نہ اس سے
زیادہ ہلاک کرنیوالی تیز مصیبت۔ اس بلا کی خبر
خدائے برتر کی کتاب میں خود تمہارے گھروں میں
صبح و شام نہایت خوش الحانی کے ساتھ بلند آواز
کے ساتھ پہنچا دی گئی تھی اور بیشک آنحضرت سے
پہلے خدا کے پیغمبروں اور رسولوں پر جو مصیبتیں
نازل ہوئیں وہ امر واقعی اور قضائے حتمی تھیں
چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ محمد فقط خدا کے رسول
تھے۔ ان کے پیشتر بھی بہت سے رسول گزر چکے
ہیں۔ پس اگر محمد مر جائیں یا قتل ہو جائیں
تو تم لوگ اپنے پچھلے پیروں اپنے سابق
جاہلیت کے مذہب پر پلٹ جاؤ گے۔ اور جو
شخص بھی اپنے پچھلے پیروں پر پلٹے گا وہ ہرگز
خداوند عالم کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔
اور خداوند عالم عنقریب شکر کرنیوالوں کو
جزا دیگا۔ اے قبیلہ اوس و خزرج اے

ومسمع ومنتدى ومجمع
تلبسكم الدعوة، تشملكم
الخبرة وانتم ذوو
العدد والعدة والاداة
والقوة وعندكم السلاح
والجنة توافيكم الدعوة
فلا تجيبون وتاتيكم الصرخة
فلا تغيثون وانتم موصوفون
بالكفاح معروفون بالخير
والصلاح والنخبة التي
انتخبت والخيرة التي
اختيرت لنا اهل البيت
قاتلتم العرب وتحملتم
الكد والتعب وناطحتم
الامم وكافحتم البهم
فلا نبرح او تبرحون
نامركم فتاتمرون
حتى اذا دارت بنا
رحى الاسلام ودر
حلب الايام وخضعت
نعرة الشرك وسكنت
فورة الافك وخمدت
نيران الكفر وهدأت.

اور میں تمہاری آواز سن سکتی ہوں۔ میں اور تم
ایک ہی مجمع میں موجود ہیں۔ تم سب کے سب میری
آواز سن رہے ہو۔ تم سب کے سب میرے قضیے سے
واقف ہو۔ تم سب جتھے والے ہو۔ تمہارے
پاس سامانِ جنگ موجود ہے۔ تم قوت رکھتے
ہو۔ تمہارے پاس حملے کے لئے ہتھیار بھی ہیں
اور سپریں بھی ہیں۔ تم تک میری پکار پہنچ
رہی ہے۔ مگر تم لبیک نہیں کہتے۔ تمہارے
پاس فریاد کی آواز آ رہی ہے اور فریاد رسی
نہیں کرتے۔ درانحالیکہ تم دشمنوں سے مقابلہ
کرنے کی طاقت و استعداد رکھتے ہو اور خیر و
صلاح کے ساتھ مشہور و معروف ہو اور تم
وہ منتخب افراد ہو اور ایسے عمدہ ہو کہ تمہیں ہم
اہلِ بیت کیلئے اختیار کر لیا گیا تھا۔ تم نے
عرب سے جنگ کی۔ تعب اور مشقت برداشت
کی۔ دوسری امتوں سے جنگ کی اور
بہادروں کا مقابلہ کیا۔ پس ہمیشہ ہم حکم کرتے رہے
اور تم ہمارا حکم مانتے رہے یہاں تک کہ جب
ہمارے ذریعہ سے آسیائے اسلام نے گردش
کرنا شروع کیا۔ زمانہ کا نفع بڑھنا شروع
ہوا۔ شرک کی آواز دب گئی اور جھوٹ
کا فوارہ بند ہو گیا۔ کفر کی آگ بجھ گئی اور
فتنہ و فساد کی آواز بند ہو گئی۔

دَعْوَةُ الْحَقِّ وَاسْتَوْسَقَ
نِظَامُ الدِّيْنِ فَأَنّٰى حِرْتُمْ
بَعْدَ الْبَيَانِ وَأَسْرَرْتُمْ
بَعْدَ الْإِعْلَانِ وَنَكَصْتُمْ
بَعْدَ الْإِقْدَامِ وَأَشْرَكْتُمْ
بَعْدَ الْإِيْمَانِ بُؤْسًا لِقَوْمٍ
نَكَثُوْا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا
بِإِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ
بَدَؤُوْكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ
أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ أَحَقُّ
أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ
مُؤْمِنِيْنَ ۞ أَلَا قَدْ أَرٰى
أَنْ قَدْ أَخْلَدْتُمْ إِلَى الْخَفْضِ
وَأَبْعَدْتُمْ مَنْ هُوَ أَحَقُّ
بِالْبَسْطِ وَالْقَبْضِ وَرَكَنْتُمْ
إِلَى الدَّعَةِ وَنَجَوْتُمْ مِنَ
الضِّيْقِ بِالسَّعَةِ فَمَجَجْتُمْ مَا
وَعَيْتُمْ وَدَسَعْتُمُ الَّذِيْ
تَسَوَّغْتُمْ (فَإِنْ تَكْفُرُوْا
أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ
جَمِيْعًا فَإِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ
حَمِيْدٌ) أَلَا وَقَدْ قُلْتُ مَا قُلْتُ
عَلٰى مَعْرِفَةٍ مِنِّيْ بِالْخَذْلَةِ

دین کا انتظام درست ہوگیا تو اب تم حق کے واضح
ہونیکے بعد کہاں اس سے منہ موڑ کے جاتے ہو اور
اعلانِ حق کے بعد اس کی آواز کو چھپاتے
ہو۔ آگے بڑھ کر پیچھے ہٹ رہے ہو اور
ایمان لانے کے بعد مشرک ہوئے
جاتے ہو۔ خدا برا کرے ان لوگوں کا
جنھوں نے اپنے عہد کو توڑا۔ اور رسول
کو نکالنے پر آمادہ ہوئے اور انھوں
نے ہماری دشمنی میں دوسروں کو لانے کی
ابتدا تم سے کی۔ تم ان سے ڈرتے ہو حالانکہ
خدا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو بشرطیکہ
تم مومن ہو۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم آرام
طلبی پر مائل ہوگئے ہو۔ اور اس بزرگ
(علی) کو دور کر دیا ہے۔ جو دین کے حل و
عقد کا زیادہ حق دار ہے تم زندگی کی
تنگی سے نکل کر تونگری میں آگئے ہو۔ اور
دین کی باتیں جو کچھ تم نے یاد کی تھیں ان کو
تم نے دماغ سے بالکل نکال کر پھینک دیا ہے اور
جس پانی کو شیریں سمجھ کر پیا تھا اس کو تم نے
اُگل دیا۔ پس اگر تم لوگ اور تمام اس
زمین والے کافر ہو جائیں تو خدا کو کوئی پرواہ
نہیں ہے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ جو کچھ میں نے کہا ہے
وہ اس ترکِ نصرت کو جانتے ہوئے کہا ہے

التی خامرتکم والغدرۃ
التی استشعرتھا قلوبکم
ولکنھا فیضۃ النفس و
بثۃ الصدر ونفثۃ
الغیظ وتقدمۃ الحجۃ
فدونکموھا فاحتقبوھا
دبرۃ الظھر نقبۃ الخف
باقیۃ العار موسومۃ
بغضب اللہ وشنار الابد
موصولۃ بنار اللہ الموقدۃ
التی تطلع علی الافئدۃ
فبعین اللہ ما تفعلون
(وسیعلم الذین ظلموا
ای منقلب ینقلبون)
وانا ابنۃ نذیر لکم
بین یدی عذاب شدید۔
(فاعملوا انا عاملون وانتظروا
انا منتظرون)

جو تمہارے مزاج میں داخل ہو گئی ہے۔ اور اس
غداری کو جانتے ہوئے کہا ہے جس کو تمہارے
دلوں نے چھپا رکھا ہے۔ یعنی میں جانتی تھی
کہ تم میری فریاد پر لبیک نہ کہو گے لیکن یہ
جو کچھ میں نے کہا ہے وہ غم کا اظہار ہے بھڑکتے
ہوئے دل کی آہ ہے۔ اب یہ ناقہ (حکومت
یا دین) تمہارے سامنے ہے اسے لو اس پر
پالان باندھو۔ مگر یاد رہے کہ اس کی پشت مجروح
ہے اور پاؤں زخمی ہیں۔ اس کا عیب باقی رہنے
والا ہے جس پر غضب خدا کی نشانی اور دائمی
رسوائی کا نشان ہے۔ خدا کی آگ سے متصل ہے جو
بھڑک رہی ہے۔ اور قیامت میں دلوں پر
وارد ہو گی۔ پس جو کچھ کرتے ہو یا کرو گے
وہ خدا کی نظر کے سامنے ہے اور عنقریب ظلم
کرنے والے جان لیں گے کہ ان کی بازگشت
کتنی بری ہو گی۔ میں اس پیغمبر کی بیٹی
ہوں جو تم کو تمہارے سامنے آنے والے
عذاب شدید سے ڈراتا تھا۔ پس تم
اپنا کام کرو۔ اور ہم اپنا عمل کرتے ہیں۔ تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

جناب فاطمہ علیہا السلام کا یہ کلام سن کر حضرت ابو بکر اس طرح گوہر افشاں ہوئے
اے رسول خدا کی بیٹی۔ یقیناً آپ کے پدر بزرگوار مومنین پر مہربان۔
شفیق رافت و رحمت والے تھے۔ اور کافروں کے لئے دردناک عذاب
اور بڑی عقوبت تھے۔ پس اگر ہم ان کا ذکر کریں تو تمام دنیا کی

عورتوں میں ان کو صرف آپ کا باپ اور مردوں میں صرف آپ کے شوہر کا بھائی پائیں گے جن کو آنحضرت نے اپنے ہر دوست پر مقدم رکھا تھا۔ اور آپ کے شوہر نے ہر بڑے امر میں آنحضرت کی مدد کی۔ تم اہلبیت کو نہ دوست رکھے گا مگر نیک بخت شخص۔ اور نہ دشمن رکھے گا مگر شقی اور بدبخت۔ تم رسولخدا کی پاکیزہ عترت اور پسندیدہ افراد ہو۔ تم لوگ خیر کی طرف ہمارے رہبر اور جنت کی جانب ہمارے ہادی ہو۔ اور اے بہترین نساء اور بہترین انبیا کی دختر تم اپنے قول میں سچی اور اپنی زیادتی عقل میں سب سے آگے ہو۔ تم نہ اپنے حق سے روکی جاؤ گی۔ اور نہ سچے بولنے سے باز رکھی جاؤ گی۔ قسم خدا کی نہ تو میں نے رسول اللہ کی رائے سے تجاوز کیا ہے اور نہ ان کے بغیر اذن کوئی کام کیا ہے تلاش آب و دانہ میں آگے جانے والا اپنے اہل سے جھوٹ نہیں بولتا۔ میں خدا کو گواہ قرار دیتا ہوں اور وہ گواہی کے لئے کافی ہے کہ میں نے رسولخدا کو یہ کہتے سنا کہ ہم گروہ انبیا نہ تو سونے چاندی کو میراث میں چھوڑتے ہیں۔ اور نہ مکان و جائیداد، ہم گروہ انبیا تو کتاب حکمت علم نبوت کو وراثت میں چھوڑ جاتے ہیں۔ اور جو کچھ ہمارا مال ہوتا ہے وہ ہمارے بعد ولی امر کا حق ہے۔ اسے اختیار ہے کہ وہ اس میں اپنا حکم جاری کرے۔ اور تم جو مانگ رہی ہو یعنی فدک اس کو ہم نے جنگی گھوڑوں اور آلات حرب کے لئے مخصوص کر دیا۔ جس کے ذریعہ سے مسلمان کافروں سے قتال و جہاد کریں گے۔ اور سرکش فاجروں کا مقابلہ کریں گے۔ اور یہ چیز میں نے تنہا اپنی رائے سے نہیں کی بلکہ مسلمانوں کی اجماع کی رو سے کی ہے اور یہ میرا حال و مال آپ کا ہے اور آپ کے سامنے حاضر ہے۔ اسے میں آپ سے دریغ نہ کروں گا۔ آپ اپنے پدر بزرگوار کی امت کی سردار ہیں۔ اور اپنی اولاد کی شجرہ طیبہ ہیں۔ آپ کی فضیلت کا انکار نہیں ہو سکتا اور آپ کے فرع و اصل کو پست نہیں سمجھا جا سکتا۔ آپ کا حکم اس مال میں نافذ ہے جو میری ملکیت ہے۔ پس کیا آپ سمجھتی ہیں کہ میں نے ان باتوں میں آپ کے پدر بزرگوار کی مخالفت کی ہے۔

حضرت ابو بکر کی یہ باتیں سنکر جناب فاطمہ نے فرمایا۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا كَانَ اَبِي رَسُوْلُ اللّٰهِ (ص) عَنْ كِتَابِ اللّٰهِ صَادِفًا وَّلَا لِاَحْكَامِهٖ مُخَالِفًا بَلْ كَانَ يَتْبَعُ اَثَرَهٗ، وَيَقْتَفِي سُوَرَهٗ، اَفَتَجْمَعُوْنَ اِلَى الْغَدْرِ اِعْتِلَالًا عَلَيْهِ بِالزُّوْرِ، وَهٰذَا بَعْدَ وَفَاتِهٖ شَبِيْهٌ بِمَا بُغِيَ لَهٗ مِنَ الْغَوَائِلِ فِي حَيَاتِهٖ هٰذَا كِتَابُ اللّٰهِ حَكَمًا عَدْلًا وَّنَاطِقًا فَصْلًا يَقُوْلُ (يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوْبَ) وَيَقُوْلُ (وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ) فَبَيَّنَ عَزَّ وَجَلَّ فِيْمَا وَزَّعَ مِنَ الْاَقْسَاطِ، وَشَرَعَ مِنَ الْفَرَائِضِ وَالْمِيْرَاثِ وَاَبَاحَ مِنْ حَظِّ الذُّكْرَانِ وَالْاِنَاثِ مَا اَزَاحَ عِلَّةَ الْمُبْطِلِيْنَ وَاَزَالَ التَّظَنِّيَ وَالشُّبُهَاتِ فِي الْغَابِرِيْنَ، كَلَّا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ)

سبحان اللہ میرے پدر بزرگوار نہ تو کتاب خدا سے روگرداں تھے اور نہ اس کے احکام کے مخالف۔ بلکہ اس کے حکم کے تابع اور اس کے سوروں کے پیرو تھے کیا تم لوگوں نے رسول اللہ پر جھوٹ باندھ کر اس کے ذریعہ دغا بازی پر اجماع کر لیا ہے؟ آنحضرت کی وفات کے بعد یہ حرکت ویسی ہی ہے جیسے آنجناب کی زندگی میں ان کو ہلاک کرنے کے لیے جاری تھی۔ یہ کتاب خدا، حاکم، عادل، فیصلہ کن ناطق ہے۔ اس کا ارشاد ہے جیسا کہ حضرت زکریا نے کہا وہ لڑکا میرا بھی ورثہ لے اور آل یعقوب کا بھی ورثہ لے۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حضرت سلیمان نے جناب داؤد کا ورثہ لیا۔ پس خداوند تعالےٰ نے جو مال کی تقسیم و میراث کی حد مقرر کر دی ہے۔ اور بنی آدم کے مردوں اور عورتوں کا میراث میں جو حصہ قرار دیا ہے اس میں وہ چیز بیان کر دی ہے جو باطل پرستوں کی غلط دلیلوں کو دور کر دے اور آئندہ نسلوں کے گمان اور شبہات کو زائل کرے۔ بیشک تمہارے نفسوں نے تمہارے سامنے ایک بڑے امر کو مستحسن اور خوش نما بنا کر پیش کر دیا ہے۔ پس میرے لیے صبر جمیل ہی مناسب ہے اور جو باتیں تم بنا رہے ہو اس پر خدا ہی سے مدد طلب کی جاوے گی۔

اس پر حضرت ابو بکر اس طرح گہر افشاں ہوئے۔

خدا بھی سچا، خدا کا رسول بھی سچا، اور رسول کی بیٹی بھی سچی، تم حکمت کا معدن، ہدایت و رحمت کا مسکن اور دین کا رکن ہو۔ تمہاری درست باتوں کو حق سے دور نہیں سمجھتا۔ اور تمہارے کلام کا انکار نہیں ہے لیکن میرے اور تمہارے درمیان یہ مسلمان ہیں۔ جنھوں نے مجھے حاکم بنایا ہے۔ اور میں نے جو کچھ تم سے چھین کر اپنے قبضہ میں لیا ہے۔ وہ ان ہی مسلمانوں کے اتفاق سے ہوا ہے۔ اس میں نہ میں نے ہٹ دھرمی کی ہے اور نہ تنہا اپنی رائے سے کام لیا ہے۔ اور یہ لوگ اس کے گواہ ہیں۔

یہ جواب سن کر جناب سیدہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا۔

مَعَاشِرَ النَّاسِ الْمُسْرِعَۃ اِلٰی قِیْلِ الْبَاطِلِ الْمُغْبِضَۃ عَلٰی الْفِعْلِ الْقَبِیْحِ الْخَاسِرِ (اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا) کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ مَا اَسَاْتُمْ مِنْ اَعْمَالِکُمْ فَاَخَذَ بِسَمْعِکُمْ وَاَبْصَارِکُمْ لَبِئْسَ مَا تَاَوَّلْتُمْ وَسَاءَ مَا بِہٖ اَشَرْتُمْ وَشَرَّ مَا مِنْہُ اَعْتَضْتُمْ لَتَجِدُنَّ وَاللہِ مَحْمِلَہٗ ثَقِیْلًا وَغِبَّہٗ وَبِیْلًا اِذَا کُشِفَ لَکُمُ الْغِطَاءُ وَبَانَ مَا وَرَاءَ الضَّرَّاءِ وَبَدَا لَکُمْ مِنْ رَّبِّکُمْ مَا لَمْ تَکُوْنُوْا

اے انسانوں کا وہ گروہ جو باطل کا قول اختیار کرنے پر جلدی کر بیٹھا ہے۔ اور فعل قبیح و نقصان دہ سے چشم پوشی کئے ہوئے ہے۔ کیا تم لوگ قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کرتے۔ یا دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔ بیشک تمہارے دلوں پر تمہارے فعل بد کا رنگ چڑھ گیا ہے جس نے تمہارے گوش و چشم کو بالکل بیکار کر دیا ہے۔ جو تاویل تم نے کی ہے وہ بہت بری ہے۔ اور جو اشارہ تم نے کیا ہے وہ بہت لغو و بدتر ہے اور وہ بہت شر عظیم ہے۔ جس کو تم نے حق کے بدلے میں اختیار کیا ہے۔ قسم خدا کی تم اس کے بوجھ کو بہت بھاری اور اس کے انجام کو مصیبت ناک پاؤ گے۔ جب تمہارے سامنے سے پردے ہٹائے جائیں گے۔ اور رکھو دار جبکل کی دھوکی چیزیں سامنے آئیں گی

تحدّثون وخبرٌ هنالك
لمبطلون ثم عطفت على
قبر النبي صلی الله علیه وآله
وسلم وقالت

قد كان بعدك أنباء وهنبثة
لو كنت شاهدها لم تكثر الخطب
إنا فقدناك فقد الأرض وابلها
واختل قومك فاشهدهم ولا تغب

سزا ملیگی جس کا تم گمان بھی نہ کرتے تھے۔ اس وقت باطل پرست گھاٹا اٹھائیں گے۔ یہ فرما کر قبر پیغمبر کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اور چند شعر انشاء کئے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے

پدر بزرگوار آپ کے بعد نئی نئی خبریں اور مختلف قسم کی باتیں پیدا ہو گئیں۔ اگر آپ ان کے دیکھنے والے ہوتے تو یہ مصیبتیں نہ پڑتیں۔ ہم آپ کے فیض سے اس طرح محروم ہو گئے۔ جس طرح زمین آب باراں سے محروم ہو جاتی ہے۔ آپ کی قوم کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ یہ لوگ کس طرح حق کی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔

بلاغات النساء کے مؤلف کہتے ہیں کہ اس دن سے زیادہ رونے والے مرد یا عورتیں ہمنے اور کسی دن نہیں دیکھے۔ سیّد مرتضیٰ اور شیخ طوسی اپنی روایتوں میں اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات تحریر فرماتے ہیں کہ پھر جناب معصومہ اپنے گھر واپس تشریف لائیں۔ حضرت امیر المؤمنین ان معظمہ کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ جب حضرت فاطمہ کی گھبراہٹ ذرا کم ہوئی تو انھوں نے حضرت علی کو مخاطب کرکے فرمایا۔

یا ابن أبي طالب اشتملت
شملة الجنين وقعدت حجرة
الظنين نقضت قادمة الأجدل
فخانك ريش الأعزل هذا
ابن أبي قحافة يبتزني

یا علی تم تو اس طرح گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے جس طرح پیٹ کا بچہ جھلی میں چھپا رہتا ہے اور جس طرح ایک تہمت زدہ شخص کسی گوشہ میں چھپ جاتا ہے آپ اس طرح روپوش ہو گئے ہیں لیکن

دن آپ صرف ایک سکاری پر مشتمل ہے برادر

نحیلة أبي وبلغة (وبليغة خ ل) إبني لقد أجهد في خصامي والفيته الدّ في كلامي حتى حبستني قيلة نصرها والمهاجرة وصلها وغضّت الجماعة دوني طرفها فلا رافع ولا مانع ولا ناصر ولا شافع خرجت كاظمة وعدت راغمة أضرعت خدك يوم أضعت جدّك افترست الذئاب وافترشت التراب ما كففت قائلاً ولا أغنيت باطلاً ولا خيار لي ليتني متّ قبل منيتي ودون ذلتي عذيري الله منك عادياً ومنك حامياً ويلاي في كل شارق ويلاي في كل غارب مات العمد ووهت العضد شكواي إلى أبي وعدواي إلى ربي اللهم إنك أشد قوة وحولاً وأحد بأساً

وسیدہ [illegible] لہا

میرے بچوں کا آذوقہ مجھ سے چھین رہا ہے اُس نے مجھ سے جھگڑا کرنے میں اپنی پوری قوت صرف کی اور میں نے اسے اپنی گفتگو میں بڑا ضدی پایا۔ حد تو یہ ہے کہ انصار نے مجھ سے اپنی نصرت روک لی۔ اور مہاجرین نے صلۂ رحم کا خیال نہ کیا۔ اور پوری جماعت نے میرے حق میں چشم پوشی کو راہ دی۔ حالت یہ ہے کہ نہ تو کوئی دشمن کو دفع کرنیوالا ہے نہ ظالم کو روکنے والا ہے نہ کوئی ناصر ہے، نہ کوئی سفارش کرنیوالا ہے۔ میں یہاں سے غصے میں نکل کے گئی تھی۔ اور وہاں سے ذلیل واپس آئی ہوں۔ کیا آپ نے اسی دن اپنے چہرہ کو ذلیل کر دیا تھا جبکہ اپنے حق کو ضائع کر دیا۔ ایک دن تو آپ نے بھیڑیوں کو چیر کے پھینکدیا اور آج زمین کو فرش بنائے بیٹھے ہیں۔ نہ تو آپ نے کسی بولنے والے کی زبان روکی اور نہ کوئی فائدہ پہنچایا۔ اور مجھے کچھ اختیار نہیں کاش میں اپنی اس ذلت و رسوائی کے پہلے مر گئی ہوتی۔ خداوند تعالیٰ آپ جیسے دفع ظلم کرنیوالے اور میری حمایت کرنیوالے کی خدمت میں میری اس گستاخی کو درگزر فرمادے۔ میرے لیے تو ہر صبح ہر شام کو آہ و زاری ہی کرنا ہے۔ میرا معتمد مر گیا۔ اور بازو ضعیف ہو گیا۔ میں اپنے پدر بزرگوار سے شکایت کرتی ہوں۔ اور خدا کی بارگاہ میں

أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَا وَيْلَ لَكَ بَلِ الْوَيْلُ لِشَانِئِكَ نَهْنِهْ عَنْ وَجْدِكَ يَا ابْنَةَ الصَّفْوَةِ وَبَقِيَّةَ النُّبُوَّةِ فَمَا وَنَيْتُ عَنْ دِينِي وَلَا أَخْطَأْتُ مَقْدُورِي فَإِنْ كُنْتِ تُرِيدِينَ الْبُلْغَةَ فَرِزْقُكِ مَضْمُونٌ وَكَفِيلُكِ مَأْمُونٌ وَمَا أُعِدَّ لَكِ أَفْضَلُ مِمَّا قُطِعَ عَنْكِ فَاحْتَسِبِي اللَّهَ (فقالت) حَسْبِيَ اللَّهُ وَأَمْسَكَتْ

کرو یل اور تباہی تمہارے لیئے نہیں۔ بلکہ تمہارے دشمن کے لیئے ہے۔ لہذا اے مصطفی کی بیٹی اور بقیہ نبوت اپنے غصہ کو پی جاؤ۔ کیونکہ میں نہ تو اپنے دین کے مقابلے میں سستی کی ہے اور نہ اپنے مقدور بھر کوئی خطا کی ہے۔ اگر تم آذوقہ چاہتی ہو تو تمہارے رزق کی ضمانت کر لی گئی ہے اور تمہارا کفیل قابلِ اطمینان ہے۔ اور تمہارے لیئے جو ثواب مقرر ہے وہ اس چیز سے کہیں بہتر ہے جو تم سے لے لی گئی ہے۔ لہذا خدا کو اپنے معاملے میں کافی سمجھو یہ سنکر جناب فاطمہ نے فرمایا کہ خدا میرے لیئے کافی ہے

جناب فاطمہ علیہا السلام کا حضرت علی سے یہ گفتگو کرنا جنابِ معصومہ کے غیض وغضب اور رنج وغم کی انتہائی حد کو ظاہر کرتا ہے۔ جو ان کو فدک کے قضیہ کے ظالمانہ فیصلہ سے پیدا ہوا تھا۔ یہ حالت بعینہ وہی تھی جو حضرت موسیٰ پر واقع ہوئی تھی۔ جبکہ آپ میقات سے واپس تشریف لائے۔ اور دیکھا کہ ان کی قوم گوسالہ پرستی کی طرف رجوع کر گئی ہے۔ غصہ میں آکر آپ نے خدا کی عطا کی ہوئی الواح کو پھینک دیا۔ اور اپنے بھائی ہارون کی داڑھی کو پکڑ کر کھینچا۔ دراں حالیکہ اس میں حضرت ہارون کا کوئی قصور نہ تھا۔ ایسے واقعات ثابت کرتے ہیں کہ ان حضرات میں بشریت کے جذبات موجود تھے۔ اور باوجود بشریت کے انھوں نے روحانیات میں وہ ترقی کی جو کی۔ اگر یہ بشریت نہ ہوتی تو فرشتوں کی مانند ہوتے۔ اور پھر ان کی عبادت واطاعت الٰہی کو حجت کے طور پر بنی نوع انسان کے سامنے نہ پیش کیا جا سکتا

نوٹ:۔ جناب معصومہ کے یہ خطبے ہم نے اعیان الشیعہ الجزء الثانی سید محسن العاملی سے نقل کیئے ہیں۔

علامہ ابن قتیبہ نے واقعات کو اس ترتیب سے لکھا ہے۔ کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قضیۂ فدک پہلے واقع ہوا۔ اور اس کے بعد حضرت عمر کا خانہ فاطمہ کے جلانے کیلئے آگ لے جانے کا سانحہ پیش آیا۔ کیونکہ علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ جب حضرت علی کو کشاں کشاں بغرض بیعت ابوبکر کے پاس لے گئے اور حضرت علی نے بیعت سے انکار کیا۔ اور آپ قبر رسول پر فریاد کرنے گئے تو اس کے بعد عمر کی صلاح سے حضرت ابوبکر و عمر دونوں حضرت فاطمہ کی خدمت میں اپنا عذر پیش کرنے گئے کہ انھوں نے کیوں فدک چھین لیا۔

مفصل گفتگو کے لیئے دیکھو کتاب الامۃ والسیاست ابن قتیبہ الجزء الاول صہ ۱۴

البلاغ المبین حصہ دوم صہ ۱۰۳

حضرت فاطمہ کی منزلت خدا اور رسول کے نزدیک

فاطمۃ الزہرا کی جو منزلت خدا اور رسول کی نظر میں تھی وہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس موقع پر ان صفحات کو دوبارہ پڑھ لیں۔

جناب رسولخدا کے دل میں اپنے رشتہ داروں کا درد

سنت رسول کی پیروی اور آنحضرت کے فعل و عمل کی تقلید کا دعوای شروع سے ہوتا آیا ہے۔ لہذا اس دعوے کو بھی مد نظر رکھ کر قضیۂ فدک پر تنقید کرنی ضروری ہے۔ جب جنگ بدر کی شام ہوئی تو کفار قیدیوں کو مسلمانوں نے زنجیروں سے جکڑ دیا۔ جناب رسولخدا کو بڑی رات تک نیند نہ آئی۔ جب اصحاب نے وجہ دریافت کی تو آنحضرت نے فرمایا۔ کہ مجھے عباس کے کراہنے کی آواز بےچین کر رہی ہے۔ اس پر لوگ اٹھے اور عباس

کو کھولدیا۔ اور جناب رسولخدا آرام سے سو گئے[136]۔

جنگِ بدر کے بعد جب اہلِ مکہ نے اپنے اسیروں کا فدیہ بھیجا تو حضرت زینب ربیبہ رسولخدا نے اپنے کافر شوہر ابو العاص کے فدیہ کے لیئے مال بھیجا اس مال میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ نے زینب کی شادی کے وقت زینب کو دیا تھا۔ جب جناب رسولخدا نے وہ ہار دیکھا تو شدت سے رونے لگے۔ اور اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کو اس کا اسیر ابو العاص بھی واپس کر دو اور اس کا مال بھی دیدو۔ لوگوں نے کہا کہ بہتر۔ اور ابو العاص کو رہا کر دیا اور زینب کا مال بھی واپس کر دیا[137]۔

اگر حکام کی رائے میں فدک مسلمانوں کا مال تھا تو کیا اس وقت جناب رسولخدا کے اس فعل کی پیروی نہیں ہو سکتی تھی۔ حضرت فاطمہ کا دل خوش ہو جاتا مسلمانوں کو دعا دیتیں۔ اور مسلمانوں کے لیئے وہ کوئی چیز نہ تھی۔ باہر سے غنیمت کا اس قدر مال آرہا تھا کہ ان کے لیئے فدک کی ضرورت نہ تھی۔

مقدمہ فدک کے فیصلہ پر تنقیدی منظر

اہلبیتِ رسول میں سے ہر ایک بزرگوار نے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اپنے اپنے وقت میں اپنے اپنے طریقے سے اس طرح دینِ حقہ کی تبلیغ کی ہے کہ ذرا سا غور ہمیں یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ آیہ وافی ہدایہ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کے مقصود یہی حضرات ہیں۔ اہلبیتِ رسول میں سے پہلی شہیدۂ ظلم جناب فاطمہ ہیں۔ جو

136ء تاریخ طبری الجزء الثانی ص ۲۸۸، تاریخ ابن شامی الجزء الثالث ص ۲۹۹، اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ۳ ص ۸۷

137ء سیرۃ ابن ہشام الجزء الثانی ص ۲۹۷، تاریخ طبری الجزء الثانی ص ۲۹۱، تاریخ ابن کثیر شامی الجزء الثالث ص ۳۱۲، اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون۔

طریقۂ جہاد کے ان کے لئے موزوں تھا۔ اور جو طریقۂ تبلیغ کر ان کی شان کے لائق تھا۔ اس کو انھوں نے ایسے احسن شکل میں پورا کیا ہے کہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ واقعی یہ بزرگوار سب کے سب خداوند تعالےٰ کی طرف سے مامور تھے۔ آپ کا کام اپنے اثر و نتائج میں اپنے شوہر و فرزندوں کے کام سے کسی طرح کم نہ تھا۔ جناب معصومہ کا طرزِ عمل اپنی نوعیت میں ایسا ہی تھا کہ جیسا جناب رسولخدا کا بسترِ مرگ پر تحریرِ وصیت کے لئے قلم دوات طلب کرنا۔ ان دونوں موقعوں پر جماعت مخالفین چکرا گئی۔ اور کچھ نہ سوجھا کہ کیا کریں۔ پہلے موقع پر بھی بات نہ بن سکی اور نہایت بھونڈا فقرہ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَھْجُرُ کہہ گزرے۔ یہ فقرہ جو اپنے پیغمبر و محسن کی نسبت کہا گیا ہے۔ کس طرح دماغی حالت و بےلبسی کو ظاہر کر رہا ہے۔ اسی طرح جناب فاطمہ نے براہِ راست دعوےٰ کر کے فریقِ مخالف کے اصلی مدعا و مقصد کو ایسا بے نقاب کیا۔ کہ اس کو کسی کی ذہانت و ذکاوت و سیاست نہ چھپا سکی۔ حضرت فاطمہ نے خود دربارِ خلافت میں اپنا دعوےٰ اصالتاً پیش کر کے بحث کے سارے پہلوؤں کو غیر متعلق بنا دیا۔ آپ نے فرمایا میں رسول کی بیٹی اس خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ جس نے میرے والد بزرگوار محمد مصطفےٰ کو مبعوثِ رسالت کیا۔ کہ جناب رسولخدا نے مجھے فدک ہبہ کر کے دیا تھا۔ اور فدک مع دیگر جائداد رسولخدا یوں بھی وراثت میں مجھ کو ہی پہنچتا ہے۔ میں اپنے دعوے کی صداقت میں ان گواہوں کو پیش کرتی ہوں جن کی شہادت تصدیق رسالت کے لئے خداوند تعالےٰ نے نصاریٰ نجران کے سامنے پیش کی تھی۔ اب صرف ایک ہی سوال رہ گیا ہے۔ اب بتاؤ کہ تم مجھ کو اور میرے ان گواہان کو جھوٹا قرار دیتے ہو یا تسلیم کرتے ہو۔ کہ تم احق پر ہو۔ دربار خلافت سے فیصلہ صادر ہوتا ہے کہ ہم تم کو اور تمہارے گواہان کو سچا نہیں سمجھتے لہذا تمہارا مقدمہ خارج کرتے ہیں۔ اس وقت آپ نے ایسا فصیح و بلیغ و مدلل خطبہ ارشاد فرمایا کہ جس کا جواب وہ نہ دے سکے۔ اور نہ ان تیرہ صدیوں میں

کوئی اس کا جواب پیدا کر سکا۔ غور کرنے والا دماغ، اور حق کو سمجھنے والا دل چاہیئے خود بخود نتیجے نکلتے آئیں گے۔ اس سے بہتر طریقہ تبلیغ حق کا اس صورت حالات کے اندر اور نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے اس فقرہ حسبنا کتاب اللہ کو بھلا دیا۔ جس کے اوپر فریق مخالف کے مذہب و بحث کا دارو مدار تھا۔ ایسے ادسان خطا ہوئے کہ خود ہی اپنے عمل سے اس فقرہ کی تردید کر دی۔ اس قرآن کے صحیح احکام وراثت کو بھی نظر انداز کرنے پر مجبور ہو گئے۔ جس کی نسبت کہا تھا کہ حسبنا کتاب اللہ۔ اب اس کتاب کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اس مقدمہ کی کارروائی اور اس کے فیصلے سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حق کس طرف تھا۔

اب ہم اس قضیہ فدک پر شہادت کو زیر نظر رکھ کر بحث کرتے ہیں۔ ناظرین کو چاہیئے کہ بغیر تعصب مذہبی کے ہماری اس بحث کو غور سے مطالعہ کریں۔

(۱) قضیہ فدک میں سب سے پہلے جس پر نظر پڑتی ہے۔ اور آخر تک جس کی اہمیت نہیں جاتی۔ وہ جناب معصومہ کا خطبہ ہے۔ جو اس فیصلہ کے بعد انصار و مہاجرین کے مشترکہ جلسے میں بیان ہوا۔ پھر جن الفاظ میں حضرت علی سے جا کر ان لوگوں کی شکایت کی۔ وہ بھی قابل غور ہیں۔ ہم ان پر زیادہ نہیں لکھتے۔ ناظرین کے غور و فکر پر ہم اس کو چھوڑتے ہیں۔ اگر وہ اس پر غور کریں گے۔ تو انھیں معلوم ہو گا۔ کہ اس مقدمہ پر اس سے زیادہ کچھ لکھا ہی نہیں جا سکتا۔ جو بحث جناب معصومہ نے دوران مقدمہ میں حدیث لا نورث اور وراثت کے متعلق کی وہ بھی بہت فکر کے لائق ہے۔

(۲) دوسری بڑی اہمیت کی بات جو ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر کو اس مقدمہ کا اختیار سماعت حاصل نہ تھا۔ جناب فاطمہ کا مقدمہ

یا تو حضرت ابو بکر کے خلاف تھا یا اس حکومت کے خلاف تھا جس کے کارکن اور افسر اعلےٰ حضرت ابو بکر تھے۔ دونوں صورتوں میں حضرت ابو بکر کی خواہش اور خوشی اس میں تھی کہ حضرت فاطمہ کا دعوےٰ خارج ہو کسی ملک کے کسی قانون میں یہ نہیں ہے کہ خود مدعا علیہ ہی مقدمہ فیصلہ کرے۔ یہ معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا۔ بلکہ جس حدیث کی بنا پر دعوٰی خارج کیا گیا وہ کبھی حضرت ابو بکر نے بیان کی۔ حدیث گیا بہ تو مقدمہ خارج کرنے کا بہانہ ہوا۔

(۳) حضرت ابو بکر کو چاہیئے تھا کہ یہ مقدمہ کسی قاضی سے فیصلہ کراتے۔ اور اگر خود ہی کرنا تھا تو مسجد میں تمام صحابہ کے سامنے اور ان کے مشورہ سے فیصلہ کرتے جس طرح وہ اور مقدمات فیصلہ کیا کرتے تھے۔ جماعتِ حکومت کے علماء کی نظر ادھر تو گئی کہ اولاد کی شہادت والدین کے حق میں قبول نہ ہونی چاہیئے لیکن مذہبی تعصب نے انھیں یہ نہ دیکھنے دیا کہ مدعا علیہ نے خود دعوٰے کا فیصلہ کیا ہے۔

(۴) یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس دعوے کے خارج ہونے میں حضرت ابو بکر کا ذاتی فائدہ تھا جس طرح کہ یہ جناب رسولخدا کی ذاتی ملکیت تھی حضرت ابو بکر نے اپنے تئیں جناب رسولخدا کا جانشین تصور کر کے اس کو ذاتی مدرک بنا لیا تھا کسی روایت سے ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کو یا اس کی پیداوار کو حضرت ابو بکر نے مسلمانوں میں تقسیم کیا ہو۔ اس کا مزید ثبوت مامون الرشید کے حکم نامہ سے ملتا ہے۔ چنانچہ مامون نے جب فدک بنو فاطمہ کا حق سمجھکر اور حضرت ابو بکر کے فیصلہ کو غلط تصور کر کے بنو فاطمہ کو دینا چاہا۔ تو اس نے لکھا تھا کہ آئندہ سے محمد بن یحیٰی اور محمد بن عبداللہ کو ایسا ہی مالک کا بل سمجھنا جیسا کہ میرے غلام مبارک کو سمجھتے تھے۔ گویا مامون الرشید کا غلام خلیفہ کی ذاتی ملکیت ہونے کی وجہ سے اس کی طرف سے قابض تھا صاف عیاں ہوا کہ حضرت فاطمہ کا دعوٰے براہ راست حضرت ابو بکر کے خلاف تھا۔

اور اس دعوے کا مانا جانا حضرت ابوبکر کے ذاتی مفاد کے خلاف ہوتا۔ حضرت علی کے زمانہ خلافت میں ایک زرہ کے متعلق ایک یہودی میں اور حضرت علی میں تنازعہ تھا۔ وہ مقدمہ حضرت علی نے قاضی کے سپرد کر دیا۔ اور خود بطور مدعی اس کی عدالت میں مدعا علیہ کے برابر جاکر کھڑے ہو گئے۔ انصاف اس کو کہتے ہیں۔

(۵) حضرت فاطمہ کا دعوٰے تھا کہ (۱) فدک تو جناب رسولخدا نے انھیں ہبہ کر کے دیدیا ہے۔ اور (۲) اقطاع حوالی مدینہ و خمس خیبر میں ان کا حصہ بطور وارث کے ہے۔ یعنی ترکہ رسولخدا کی وہ حقدار ہیں۔

(۶) حضرت ابوبکر کو چاہیئے تھا کہ حضرت فاطمہ کی سچائی پر یقین کر کے دعوے کو قبول کر لیتے۔ جس طرح انھوں نے دیگر صحابہ کے ایسے ہی دعوے محض ان کے بیان پر اعتبار کر کے ان کے حق میں فیصلہ کر دئے۔

(۷) خود حضرت ابوبکر و حضرت زبیر عبدالرحمٰن ابن عوف ابودجانہ اور دیگر حضرات کو آنحضرت نے بنو نضیر کی جاگیریں ہبہ کر دی تھیں۔ وہ اسی طرح کی اراضیات تھیں۔ جس طرح کہ فدک کی تھیں۔ یعنی آنحضرت کی اپنی ملکیت تو ان اصحاب سے کیوں نہ ہبہ کی شہادت طلب کی۔ اور کیوں نہ ان کی اراضیات پر قبضہ کر کے ان کو بیدخل کر کے انھیں دعوٰے کرنے پر مجبور کیا۔ ایک کو ٹھپے پر دو ہواؤں کے کیا معنی۔

(۸) جناب فاطمہ نے شہادت پیش کی۔ اب ہم اس شہادت پر غور کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کے اس فیصلہ ہبۂ فدک کی توثیق مندرجہ ذیل تین وجوہات سے کی جاتی ہے۔

ا۔ نصاب شہادت پورا نہ تھا

ب۔ حضرت علی و حضرت حسنین علیہم السلام کی شہادت رشتہ داری کی وجہ سے قابل قبول نہیں۔

ج۔ حضرت حسنین اور ام کلثوم صغیر سن تھے۔

اب ہم ان وجوہات پر غور کرتے ہیں۔

نصابِ شہادت کی ضرورت ہی کیوں ہو۔ نصاب شہادت تو وہاں دیکھا جاتا ہے کہ جہاں دو فریقین میں تنازعہ ہو۔ یہاں دو فریقین ہی ابھی موجود نہ تھے۔ حضرت ابوبکر تو قاضی اور منصف نہ حاکم کی حیثیت میں تھے۔ ابھی مدعا علیہ تو کوئی نہ تھا۔ جو تردید کرتا۔ جب تردید ہی کوئی نہ تھی تو پھر نصاب شہادت دیکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر اور ان کے مقلدین انھیں مدعا علیہ ہی سمجھتے تھے۔ اور بطور مدعا علیہ ہی کے دعوے کے لئے ثبوت طلب کیا۔ اور اپنی طرف سے لاوارث حدیث بیان کی۔ یہ کس ملک کے قانون میں جائز ہے کہ مدعا علیہ ہی فیصلہ کر دے۔ اگر اس مقدمہ میں حضرت ابوبکر کو حاکم سمجھتے ہیں تو ان کو چاہیئے تھا کہ جملہ مسلمانوں کے جلسۂ عام میں دعوائے مدعیہ سناتے اور ان سے عذرات طلب کرتے۔ ممکن ہے کہ وہ سب دعوے مدعیہ کو تسلیم ہی کر لیتے۔ تو پھر شہادت کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ حاکم کو تو محض اپنی تسلی کر لینی چاہیئے کہ یہ شخص سچ بول رہا ہے۔ اس کے لئے نصاب شہادت کی ضرورت نہیں کیونکہ مدعیہ کے دعوے کا انکار کرنے والا اور کوئی نہیں تھا حضرت ابوبکر کی تسلی کے لئے کافی ثبوت تھا سینکڑوں ایسی احادیث رسول تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ علی و فاطمہ کبھی جھوٹ نہ بولیں گے۔ آنحضرت کی چند احادیث پر غور کرو

ا۔ فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہے

ب۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ حضرت فاطمہ سے زیادہ میں نے کسی کو سچا نہیں دیکھا تھا۔ علی و قرآن دونوں قیامت تک ساتھ رہیں گے۔ کبھی ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں گے۔

د۔ جدھر علی پھرتا ہے ادھر حق پھر جاتا ہے۔ اس سے زیادہ کن الفاظ

الفاظ میں حضرت علی کی صداقت کو بیان کیا جاتا۔

(ہ) آیۂ تطہیر

(و) ان ہی بزرگوں کو مباہلہ کے لئے بلایا گیا۔ کیونکہ وہاں جھوٹوں پر لعنت ہوتی تھی۔

(ز) علی صدیق اکبر اور فاروقِ اعظم ہے۔

(ح) اگر ان پر صلوٰۃ و درود نہ بھیجا جائے تو نماز قبول نہیں ہوتی

(ط) ان سے محبت کرنا اجرِ رسالت ادا کرنا ہے۔

(ی) یہ تو فدک تھا۔ حضرت علی نے تو ادائیگی فرض کے سامنے خلافت کو لات مار دی۔ سقیفہ بن ساعدہ میں خلافت اچھلتی رہی۔ لیکن علی نے پہلوئے رسول نہ چھوڑا۔

ایسے علی کی نسبت گمان کرنا کہ وہ فدک کی آمدنی کے لئے جھوٹ بولے گا کیسا بیہودہ خیال ہے۔ ذرا مسٹر گاندھی، جواہر لال نہرو، پنڈت مدن موہن مالوی کی نسبت یہ کہہ کر تو دیکھو کہ وہ جھوٹے تھے دیکھو ہندو کیا کہتے ہیں۔ حضرت ابو بکر کے اس طرز عمل کو دیکھ کر کہ محض ایک صحابی کے کہنے پر کہ رسولخدا نے اس سے وعدہ کیا تھا اشرفیونکی لپیں بھر کر دیدیں۔ حضرات اہلسنت وجماعت نے اپنے فقہ کا اصول رکھا ہے کہ ایک صحابی عادل کی گواہی کافی ہے [۱۳۸] کیا حضرت علی عادل نہ تھے حضرت خزیمہ بن ثابت کو ذوالشہادتین کہتے ہیں۔ ان کی ایک گواہی دو آدمیوں کے برابر سمجھی جاتی تھی۔ کیا حضرت علی ان سے بھی گئے گزرے ہوئے شہادت تو ایک ذریعہ ہے مقصد تو دریافتِ حق ہے۔ نصاب شہادت معمولی حالات کے لئے رکھا گیا ہے۔ اس سے وہ صورتیں مستثنیٰ ہیں جن میں

---

[۱۳۸] فتح الباری شرح بخاری پارہ ۹ ص ۲۰۲
عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۵ ص ۶۷۵

حاکم کو واقعات کا علم حقیقی ہو۔

کیا آپ کو یہ کہنا گوارا ہوگا کہ امام ابوحنیفہ، امام احمد حنبل، امام بخاری، حضرت غوث اعظم، امام مسلم یا ان اولیاؤں میں سے کسی ایک نے جن کی فہرست بہت طویل ہے اپنے مفاد ذاتی کے لیے جھوٹ بولا تھا۔ اگر وہ جھوٹ نہیں بول سکتے تو کیا حضرت علی جھوٹ بول سکتے تھے۔ مسلمانو غور تو کرو۔ خدا کو جان دینی ہے۔ انصاف بھی کچھ چیز ہے۔ قرآن شریف میں انصاف کرنے کی کتنی تاکید ہے۔ حضرت ابوبکر نے ایام حج میں عام منادی کرادی کہ جس کے ساتھ رسولِ خدا نے کچھ وعدہ کیا ہو۔ وہ مجھ سے آن کر وہ وعدہ پورا کرا لے۔ لوگ آتے تھے اور جو وعدہ اپنے منہ سے بیان کرتے تھے وہ پورا کیا جاتا تھا صرف ان کی ہی زبان پر لپیں بھر بھر کر زر و جواہرات دیے گئے۔ جاگیریں دی گئیں۔ نہ گواہ نہ شاہد۔ نہ تنقید نہ نصاب شہادت کا اصرار۔ لیکن دخترِ رسول آنکر جو دعوے کرتی ہے تو شہادت پیش کردہ پر تنقید کی جاتی ہے اور نصاب شہادت بھی یاد آجاتا ہے اور آخر میں فیصلہ کیا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہ اور ان کے گواہوں کے بیان قابل اعتبار نہیں لہٰذا دعوے خارج۔ آخر اس کا سبب کیا ہے۔ آلِ رسول کو کیوں اس قدر ذلیل کیا جاتا ہے۔ صرف اس وجہ سے حضرتِ فاطمہ کا شوہر اس حکومت کا مدعی ہے کہ جس پر تم نے قبضہ کرلیا ہے۔ ڈر یہ ہے کہ آج اگر ہم فدک کے معاملے میں جناب فاطمہ کو سچا سمجھ لیں تو کل آنکر یہ دعوے نہ کردیں کہ علی کو رسولِ خدا نے اپنا جانشین مقرر کردیا تھا پھر ہم کس منہ سے ان کو جھوٹا کہیں گے۔

جناب فاطمہ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں حضرت علی کو پیش کیا حضرت ابوبکر نے دوسرا گواہ مانگا۔ اس پر ام ایمن کو پیش کیا۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ نصاب شہادت پورا نہیں ہوا۔ ان کے علاوہ امام حسن و امام حسین

وام کلثوم نے بھی حضرت فاطمہ کے حق میں گواہی دی۔ وہ شہادت اس وجہ سے باطل سمجھی گئی کہ اولاد اور کم سن بچوں کی شہادت اپنے والدین کے حق میں قابلِ قبول نہیں۔ رباح غلام رسولخدا بھی گواہی میں پیش کئے گئے۔ انھوں نے بھی حضرت فاطمہ کے حق میں شہادت دی [۱۳۹]

بچوں کی شہادت یوں رد ہوگئی کہ وہ بچے تھے۔ اب رہ گئے ام ایمن و حضرت علی ان سے نصاب نہیں پورا ہوتا۔ لیکن حضرت فاطمہ کا بھی کاتو بیان تھا۔ تعجب ہے کہ اس گئے گزرے زمانہ میں عیسائیوں کے عہد میں تو مدعی بھی ایک گواہ سمجھا جاتا ہے اور بطور گواہ وہ اپنا بیان دے سکتا ہے۔ یہ قاعدہ اس اصول پر مبنی ہے کہ انسان اگرچہ مدعی ہو پھر بھی وہ سچ بول سکتا ہے اس قاعدہ میں بنی نوع انسان کی عظمت ہوتی ہے۔ لیکن اس زمانہ کی اسلامی حکومت نے حضرت فاطمہ کے بیان کو شہادت میں نہ رکھا کیونکہ اگر وہ شہادت میں رکھ لیتے تو نصاب پورا ہوجاتا۔ ان کا یہ قاعدہ اس اصول پر مبنی تھا کہ انسان اگر اپنے حق میں بیان دے تو وہ کسی صورت میں قابل اعتبار ہو ہی نہیں سکتا۔ گویا جہاں ذاتی منفعت کا خیال درمیان میں آیا۔ انسان ضرور جھوٹ بولے گا۔ دیکھا آپ نے۔ بنو نوع انسان کی عزت کو کتنا گرا دیا۔

انھوں نے یہ کلیہ قائم کیا کہ اولاد کی گواہی اپنے والدین کے حق میں قابل قبول نہیں۔ اچھا یہی سہی۔ فدک گیا تو جانے دو۔ ہم آپ سے کہتے ہیں کہ اس ہی کلیہ پر قائم رہو۔ کہیں تو جم جاؤ۔ کسی جگہ سے پیر نہ اکھاڑو۔ کلیہ تو آپ نے قائم کر دیا۔ اب اس میں یہ وقت آ پڑے گی کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے

---

[۱۳۹] فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ مصر ۱۹۳۲ء، ۵۷۔

ابن حجر مکی: صواعق محرقہ باب الاول فصل الخامس ص ۲۲

سید نور الدین سمہودی: وفاء الوفا، الجزء الثانی باب السادس فصل الثانی ص ۱۵۷

ابراہیم بن عبداللہ الوصابی کتاب الاکتفاء۔ ابن حزم اندلسی کتاب محلی۔

فضائل کی جتنی احادیث ہیں اُن کے اکثر کے راوی حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ ابن عمر ہیں۔ حضرت ابوبکر کی امامت نماز بدوران مرض رسول کی تو واحد راوی یہ حضرت عائشہ ہیں۔ یہ بڑی دقت ہے۔ یہ اس وقت حل ہو گی کہ جب یہ استثنا قائم کیا جاوے کہ اگرچہ اس کلیہ سے اولاد رسول مستثنیٰ نہیں ہے لیکن ان کے خلیفہ کی اولاد مستثنیٰ ہے۔ اور یہ استثنا تو قائم ہو ہی گیا۔ جب ان دونوں بزرگوں کی شہادت فضلیت اپنے اپنے باپ کے حق میں بلا عذر قبول کی جاتی ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ عقل و تعصب میں اتنی ہی مغائرت ہے کہ جتنی عقل و عشق میں حکماء بیان کرتے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو تعصب بھی تو ناجائز محبت کا نام ہے۔

حضرت عیسٰی نے پیدا ہوتے ہی اپنی ماں کی عصمت کی شہادت دی۔ اگر صغرسنی یا اولاد ہونا مانع شہادت ہوتا تو خداوند تعالےٰ حضرت عیسٰی سے یہ شہادت نہ دلواتا۔ اور یہودیوں کو بھی یہ نہ سوجھی کہ یہ عذر اٹھاتے۔ جناب رسولخدا نے اپنی رسالت کی شہادت بروز مباہلہ، اپنی لڑکی اپنے داماد، اور اپنے نواسوں سے دلوائی۔ اور کسی نے نہ صغرسنی کا عذر اٹھایا اور نہ اولاد ہونے کا اور خداوند تعالیٰ نے بھی اس رشتہ داری و صغرسنی کو مانع شہادت نہ سمجھا۔ معلوم نہیں یہ دونوں عذر کس بنا پر اٹھائے گئے۔ قرآن و احادیث سے تو ان عذرات کو مدد نہیں ملتی۔

(۹) ہبہ سے انکار کرنا حضرت ابوبکر کے لئے جائز نہ تھا۔ اس سے تو ورثار کا آپس میں تعلق تھا۔ اس کو ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔ متوفی کے کئی ورثا ہیں۔ ان میں سے ایک وارث دعوے کرتا ہے کہ منجملہ جائداد

کے ایک باغ متوفی نے مجھے ہبہ کر کے دیدیا تھا۔ اس دعوے کا اثر محض ورثا پر پڑتا ہے۔ کسی شخص غیر پر نہیں پڑتا۔ جناب رسولخدا کے ورثائیں سے اس وقت کسی وارث نے دعوے فاطمہ کی تردید نہیں کی بلکہ اس کے بعد بھی کبھی تردید نہیں کی۔ دیگر ورثا مدعا علیہم بھی نہ تھے۔ پھر حضرت ابوبکر کو ہبہ کی شہادت طلب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر تحقیقات مطلوب تھی تو دیگر ورثاء کو طلب کر کے ان سے پوچھتے۔ اگر وہ مان لیتے تو معاملہ ختم تھا۔

(۱۰) اس کا یہ جواب درست نہ ہوگا کہ بطور جانشینِ رسول کے حضرت ابوبکر بھی آنحضرت کے ایک وارث تھے۔ وہ اگر وارث تھے تو حکومت کے وارث تھے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ابھی تک بلکہ اس کے بعد بہت عرصہ تک فقہ اسلام میں حکومت کی ملکیت کا تخیل پیدا نہیں ہوا تھا۔ حکومت کی اپنی ملکیت کی کوئی اراضی یا جائیداد نہیں ہوتی تھی۔ خیبر کی اراضیات اسی وقت آنحضرت نے لوگوں میں تقسیم کر دی تھیں۔ اور کوئی جائیداد ایسی نہ تھی کہ جو حکومت کے قبضہ میں ہو سکتی۔ جو شے حکومت کے قبضہ میں آتی تھی فوراً مسلمانوں میں تقسیم کر دیجاتی تھی۔ لشکریوں کو تنخواہ دینے کا دستور ابھی نہیں ہوا تھا مسلمانوں کی ساری قوم ایک لشکر تصور ہوتا تھا۔ غرضکہ آنحضرت کے وقت تک حکومت کی کوئی جائیداد نہ تھی۔ جس کے وارث حضرت ابوبکر ہوتے۔ حدیث لانورث کا پیش کرنا ہی ثابت کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے جائیداد متنازعہ کو جناب رسولخدا کی ذاتی ملکیت تو مان لیا۔ صرف یہ عذر پیش کیا کہ یہ ورثہ کے قانون میں نہیں آتا اگر رسولخدا عام حاکم ہوتے پیغمبر نہ ہوتے تو یہ اراضیات ورثہ میں تقسیم ہو جاتیں اس سے بھی ظاہر ہے کہ یہ حکومت کی ملک نہ تھیں اور حضرت ابوبکر ان کے وارث نہ تھے۔

(۱۱) حدیث لاوارث کی رو سے یہ جائیداد متنازعہ مسلمانوں کی صدقہ ہوئی تو پھر حضرت ابوبکر نے کیوں دیگر صدقات کی طرح اس کو مسلمانوں میں نہ تقسیم کیا

(۱۲) اب ہم اس لاوارث حدیث پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ حدیث اس طرح ہے
نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ یعنی
ہم گروہِ انبیا نہ کسی سے میراث لیتے ہیں اور نہ ہم سے کوئی میراث پاتا ہے۔ ہم جو
چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ اس قسم کی احادیث کی صحت کی تحقیقات کے لیے
چند قواعد و ضوابط ہیں۔ وہ ہم نیچے درج کرتے ہیں۔

ا۔ کیا یہ حدیث عقلاً درست ہے اور اس کے قبول کرنے سے محالات عقلی تو پیدا
نہیں ہوتے یا ایسے نتائج تو نہیں نکلتے جو صریحاً خلافِ عقل و انصاف و شرع ہوں۔

(ب) قرآن شریف کے مضمون احکام کے تو خلاف نہیں ہیں۔

(ج) وہ کیا مواقع اور وجوہات تھیں جب یہ حدیث بیان ہوئی۔

(د) اس حدیث کے مضمون کی تکرار آنحضرت نے پھر کبھی دوبارہ کی یا نہیں

(ہ) کیا کبھی اس حدیث کی تردید ہوئی اور کسی صحابی نے اس کی صحت سے انکار کیا

(و) کیا اس کے معارض کوئی اور حدیث بھی ہے یا آنحضرت کا فعل اس کے
معارض تھا۔

(ز) اس حدیث کے راوی کون کون ہیں کیا غلط بیانی کے لئے انھیں کوئی ترغیب
تو نہ تھی۔ یا نسیان کا امکان تو نہ تھا۔

(ح) تعداد و ثقہ رواۃ

(ط) انبیاء سابقہ کے نظائر سے اس حدیث کی تردید تو نہیں ہوتی۔

اب ہم ان قواعد و ضوابط کی رو سے اس لاوارث حدیث کی جانچ پڑتال کرتے ہیں

(ا) خلافِ عقل و عدل

فقہ اسلام میں یہ مسلمہ امر ہے کہ نبی و رسول میں فرق ہوتا ہے۔ یہاں صرف
انبیا کا ذکر ہے۔ کیا رسول اس سے مستثنیٰ ہیں۔ قانون کے لئے یہ ضروری ہے کہ
اس کے الفاظ میں کچھ شبہہ کی گنجائش نہ ہو۔ جنھوں نے قانون اور اصول قانون
پڑھے ہیں وہ اس سے اچھی طرح آگاہ نہیں۔

آنحضرت فرمایا کرتے تھے کہ میں اس وقت بنی تھا کہ ابھی آدم جسد و روح کے درمیان تھے۔ یعنی مخلوق نہیں ہوئے تھے۔ حضرت عیسےٰ نے بھی بحالتِ طفلی فرمایا تھا کہ میں نبی ہوں۔ ایک نبی کا باپ مرجاتا ہے جب کہ اس کا بیٹا بچہ ہی ہے۔ اب بتائیے کہ وراثت کس طرح تقسیم ہو۔ کیا شناخت ہے کہ یہ بچہ نبی ہوگا۔ اور اگر اس بچہ کو وراثت سے محروم کر دیا تو اس کی کفالت کس مال سے ہوگی۔ اس کے بھائی صغیر السن ہیں۔ یا غریب ہیں۔ چچا کوئی نہیں۔ اب اس کی پرورش کیونکر ہو۔

فرض کرو کہ لاعلمی میں اس بچہ کو ورثہ مل گیا۔ اب اس کی بعثت ظاہر ہوئی۔ تو اس کو چاہیئے کہ سارا مال واپس کر دے۔ اس کے ورثا کافر ہی ہوں گے۔ ان کو واپس ہی کرنا پڑے گا۔ اُمت تو ابھی ہوئی نہیں جو ان میں تقسیم کر دے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ یکلخت فقیر ہوگیا۔ آگے چلکر اگر امت ہوئی اور امت میں سے کسی نے رحم کھا کر اسے کچھ دیدیا تو خیر ورنہ بھوکوں مرے گا۔ اور جب تک امت نہ ہوگی وہ شہر کی گلیوں میں بھیک مانگتا پھرے، وہ سب لوگ کافر ہی ہونگے۔ صورت حالت یہ ہوئی کہ کافروں کے محلہ میں جاکر گداگری بھی کرے اور ان کے خداؤں کو برا بھلا بھی کہے۔ وہ کافر اسے بھیک کیوں دیں گے۔ وہ تو کہیں گے کہ کل کا مرتا آج مرجائے عجیب حالت ہوئی۔ امت ہے نہیں جو نذرانہ دے۔ کافر بھیک تک نہیں دیتے مزدوری کیا دیں گے اور امت ہوئی تو بس ان کے رحم پر صبح ہوتی ہے اور ان کے رحم پر شام ہوتی ہے۔ پیغمبر کو اس طرح امت کا محتاج رکھنا مشیتِ الٰہی میں کیسے ہو سکتا تھا۔ سیاستِ عمریہ کا یہ ایک گر ہو تو ہو۔ انبیاءِ سابقہ کی تاریخ میں تو ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اگر باپ سے پایا ہوا ورثہ پیغمبر رکھ بھی لے تو پھر یہ ہوگا کہ اس نے تو باپ اور مرنے والے بھائیوں کا اور دیگر ورثہ کا حصہ لے لیا۔ جب خود مرا تو اس کا سارا مال و متاع اس کی بنت لے گئی۔ اس کے بھائی، بیوہ، بچے اور دیگر ورثا دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے

اور اگر بچے کم سن ہیں تو بیوہ و بچوں کی خبر گیری بھی اس کے باقیماندہ بھائیوں پر پڑی۔ پیغمبر کا ورثہ تو ملا نہیں پیغمبر کی بیوہ اور بچوں کو پالنا پڑا۔ یہ تو ظلم صریح ہے اگر وہ پرورش نہ کریں تو پیغمبر کے بیوی بچوں کو باہر سڑک پر نکال دو۔ گھر بھی تو صدقہ بن کر اُمت کے پاس چلا گیا۔ اب ان بچوں کے لیئے کوئی چارہ کار نہیں۔ سوائے اس کے کہ گلی کوچوں میں بھیک مانگتے پھریں۔ پیغمبر کی آل کو اس طرح ذلیل کرنا خداوند تعالےٰ کی مشیت میں تو ہو نہیں سکتا۔ ہاں کارکنانِ سقیفہ بنی ساعدہ کی سیاست کا یہ ایک جزو ہو تو ہو۔ اور لطف یہ ہے کہ امت پر کہیں یہ فرض عائد نہیں کیا گیا کہ پیغمبر کو یا اس کی اولاد کو اپنی آمدنی کا ایک معین حصہ دیا کریں۔ مسائل پوچھنے سے پہلے ایک ذرا سی رقم کی ادائیگی لگا دی گئی تھی۔ وہ تو ادا نہ ہو سکی۔ اور آیتِ نجوی کو منسوخ کرنا پڑا۔ اگر یہ فرض عائد ہو جاتا تو اسے کون پورا کرتا۔ یا پیغمبر کے لیئے یہ حکم ہوتا کہ خبردار عورت کے پاس نہ جانا۔ تمہارے لیئے بیوی بچے حرام ہیں۔ قانون کے لیئے جامعیت پہلی شرط ہے۔ یعنی یہ کہ وہ ہر صورتِ حالات پر حاوی ہو سکے۔ اس لاوارث حدیث کا یہ نتیجہ نکلا کہ پیغمبر کے مرنے پر امت اس کے مال و متاع کی تو مالک ہو جائے۔ مگر امت پر یہ فرض نہیں کہ اس کے بچوں کی پرورش کرے۔ بیوی بچے بھی کافی ہوں گے۔ لونڈیوں کی بھی اجازت ہوتی ہے۔ جب وہ مرتا ہے۔ دس پندرہ بچے تو ہوں گے۔ کچھ صغیر سن کچھ قریب بلوغت۔ شام کو یہ خدا کے بندے اپنے تئیں سڑک پر پڑا ہوا پاتے ہیں۔ گھر دیار لٹا ہوا۔ روٹیوں سے محتاج۔ اُمت کی جان و مال اور پیغمبر کی روح کو دعا دیتے ہوئے صبح کرتے ہیں۔ کسی نے روٹی آگے ڈالدی تو جان بچے گی۔ ورنہ موت تو سامنے کھڑی ہی ہے۔ یہ ہے اس حدیث کا نتیجہ۔ یہ بھی نہیں پتہ چلتا کہ یہ حدیث جائداد منقولہ و غیر منقولہ دونوں کے لیئے ہے۔ یا صرف جائداد غیر منقولہ کیلئے۔ کوئی وجہ اس فرق کی نہیں معلوم ہوتی۔ اگر منقولہ کے لئے ہے تو جائدادِ منقولہ حضرت ابوبکر نے کسی سے نہیں لی۔

(ب) **خلاف قرآن** - قرآن کے احکامِ وراثت کے یہ حدیث قطعی خلاف ہے - کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ انبیاء کے ورثاء کیوں محروم الارث کیے جاویں اس کی وجہ نہ حدیث متنازعہ میں بیان ہوئی اور نہ عقل میں آتی ہے - ہم ثابت کر چکے ہیں کہ آیہ شریفہ و آتِ ذالقربیٰ حقہ کی تفسیر میں جملہ مفسرین متفق ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جناب رسولخدا نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور فدک ان کو ہبہ کر دیا - اگر آنحضرت کی جائداد میں اولاد کا حق نہ ہوتا تو یہاں حقہ کا لفظ نہ استعمال ہوتا - انبیا اس شریعت کے کیوں نہ پابند ہوں جس کی تلقین وہ امت کو کرتے ہیں - بہت سے ایسے انبیاء ہوئے ہیں جو خود اپنی شریعت نہیں لائے بلکہ اپنے سے پہلے انبیاء کی شریعت کے پابند تھے - جب وہ اپنی شریعت نہیں لائے تو ان سے پہلے کی شریعت کی پابندی سے ان کو کس نے نکالا - ممکن ہے کہ یہ عذر کیا جاوے کہ جناب رسولخدا کی شریعت میں چار سے زیادہ بیویوں کی اجازت نہیں اور آنحضرت نے نو بیبیاں چھوڑیں - جب شریعت کے ایک حکم سے آزاد ہیں تو دوسرے حکم سے بھی آزاد ہو سکتے ہیں - لیکن یہ بحث اپنے مقصد تک نہیں پہنچتی بوجوہاتِ ذیل ملاحظہ ہوں -

۱ - غالباً یہ ثابت کرنا مشکل ہوگا کہ چار سے زائد بیویاں کرنیکی صریحاً ممانعت ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ ایسی شرط لگا دی گئی ہے کہ دو بیویاں رکھنی بھی مشکل ہو جاتی ہیں ہر ایک کے ساتھ قطعی عدل کرنیکی ایسی شرط ہے کہ جس کو بہت ہی کم آدمی پورا کر سکتے ہیں - رسول و ائمہ کے علاوہ شاید ہی کوئی ہو جو پورا کر سکے -

۲ - جناب رسولخدا کا ہر ایک قبیلہ دشمن تھا - شادی ہی ایک ایسا ذریعہ تھا کہ ان کی ہمدردی حاصل ہو سکتی تھی - بیٹی دینے میں اور بیٹی لینے میں بہت فرق ہے - اسلام کا مفاد یہ چاہتا تھا کہ ہر ایک قبیلہ کو آنحضرت سے انسیت ہو - یہ دیکھنے کی بات ہے کہ آنحضرت نے حسن و جمال کی وجہ سے کوئی شادی نہیں کی - ہر ایک شادی میں کوئی نہ کوئی مصلحت تھی - مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ ہم ان مصالح کا یہاں ذکر کریں -

۳۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حکم تعدادِ ازواج کو رسول کے لئے ڈھیلا کرنے میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ اور وراثت کی قیود سے پیغمبر کو نکالنے میں بہت سے آدمیوں پر ظلم ہوتا ہے۔ اور خدا کو ظلم کسی صورت میں بھی پسند نہیں۔

(ج) تبیینِ مواقع

طریقہ یہ ہے کہ جب کسی حدیث کو بیان کیا جاتا ہے تو اس کے موقع کا ضرور ذکر کرتے ہیں کہ فلاں واقعات تھے۔ فلاں موقع تھا جب حدیث بیان کی گئی حدیثِ منزلت۔ حدیثِ غدیر، حدیثِ ولایت، حدیثِ رایت اور حدیثِ ثقلین وغیرہ کے واقعات و مواقع بہت، فصاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن حضرت ابوبکر نے یہ نہیں کہا کہ کس موقع پر کن واقعات کے اندر یہ لاوارث حدیث بیان کی گئی اور اس کا باعث کیا تھا اس کا مضمون تو یہ بتاتا ہے کہ اس حدیث کو مرضِ موت کے وقت ارشاد فرمانا چاہیئے تھا۔ لیکن مرض الموت کے دوران کی احادیث میں کہیں اس کا پتہ نہیں چلتا۔ خیبر و فدک کے حصول کا دوسرا موقع ہو سکتا تھا لیکن اس وقت بھی یہ حدیث بیان نہیں کی گئی۔ ایک تیسرا موقع بھی تھا جب آیات وراثت نازل ہوئیں تو ان کی تفسیر میں آپ کو بتانا چاہیئے تھا کہ ہم پیغمبران ان آیات کے دائرے سے باہر ہیں۔ تمام کتب تفاسیر کو دیکھ ڈالو۔ اس لاوارث حدیث کا پتہ ان آیات کی تفسیر و توضیح کے سلسلے میں بھی نہیں ملتا۔ جب ان موزوں موقعوں پر اس حدیث کا پتہ نہیں چلتا تو پھر یہ بتانا نہایت ضروری ہو گیا کہ کس ناموزوں وقت پر اس کو بیان کیا گیا تھا۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ جناب فاطمہ نے ایسا آڑے ہاتھوں لیا تھا کہ ساری سٹی گم ہو گئی۔ کچھ نہ سوجھی کہ کیا کریں۔ جلدی میں منہ سے جو نکل گیا سو ہے۔ تفصیلات بہم نہیں پہنچائیں

(د) تکرارِ مضمون۔

جناب رسولِ خدا کی احادیث کے مطالعہ کرنے والے پر یہ امر اچھی طرح واضح ہے کہ آپ ایک مضمون کو مختلف اوقات پر بیان فرمایا کرتے تھے۔ اور آپ کی احادیث ایک دوسرے کی تصدیق و توثیق کرنے والی ہوتی تھیں۔ مثلاً جناب امیر کی فضیلت کی احادیث، ان سے محبت کرنے کی تاکید کی احادیث بہت ہی ہیں اور بہت سے

طریقوں سے بیان کی گئی ہیں۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے کسی باب یا فصل کو اٹھا کر دیکھ لو ہر ایک میں ایک ہی ضروری مضمون پر مختلف عنوان کی احادیث پاؤ گے لیکن یہ حدیث "لا نورث" ہے کہ اس مضمون کی دوسری حدیث نہیں ملتی۔ اور اس کی توثیق کسی دوسری حدیث سے نہیں ہوتی۔

(ہ) تردید حدیث

جناب فاطمہ اور حضرت علی نے مفروضہ حدیث کی صریحاً تردید کی اور فرما دیا کہ یہ کلام رسول نہیں ہے۔

(و) معارضہ

اس لاوارث حدیث کا معارضہ آنحضرت کی ساری عمر کے طرز عمل سے اور آپ کے دیگر کلام سے ہے۔ اگر آنحضرت امت کو اپنی جائیداد کا وارث سمجھتے تو پھر اس میں سے نہ تو ہبہ کرتے۔ اور نہ بنو ہاشم کو دیتے اور اپنی اولاد کو جو اپنے تئیں آنحضرت کے وارث سمجھتے تھے۔ کہدیتے کہ تم میرے وارث نہیں ہو۔ میں تو نعوذ باللہ بقول کفار ابتر ہوں۔ لاوارث ہوں۔ میرے مرنے کے بعد میری امت آئے گی۔ اور میری جائیداد کی فہرست بنا کر لے جائے گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس لاوارث حدیث کا تعلق جناب ابوبکر کے دماغ میں کفار کے اس طعنہ نے ڈالا تھا کہ محمد تو ابتر ہیں۔ یہ کفار نے اس وقت کہا تھا کہ جب حضرت ابراہیم فرزند رسول کا انتقال ہوا تھا۔ ابتر ہی کی وراثت اس طرح گلیوں میں لٹتی ہے۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ واقعی درست ہے۔ ان کی وراثت اب امت لے گی۔ ابتر تو کہہ نہ سکے۔ اس کے معانی کو اس طرح دہرایا۔ حضرت علی و حضرت فاطمہ نے صاف کہدیا کہ جناب رسولخدا نے اس حدیث کا ذکر ہم سے کبھی نہیں کیا۔ یہ صاف و صریح ثبوت ہے۔ اس امر کا کہ یہ حدیث کلام رسول نہیں ہے۔ اگر آنحضرت نے یہ کہا ہوتا تو آنحضرت ضرور اس کا ذکر اپنے وارثوں سے کرتے۔

(ز) و (ح) تعداد و ثقہ رواۃ

اس حدیث کے راوی سوائے حضرت ابو بکر کے اور کوئی نہیں ہیں۔
اور آپ کا ذاتی مفاد آپ کی سیاستِ ملکی اور اپنی بات کا پاس (کیونکہ فدک پر پہلے ہی قبضہ کر لیا تھا) سب اس امر کے متقاضی تھے کہ جناب فاطمہ کو فدک واپس نہ کیا جائے۔

(ط) سابقہ انبیا کی نظائر

قرآن شریف ہی سے ان نظائر کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ ۲۷ : ۱۶

یعنی ورثہ پایا سلیمان نے اپنے باپ داؤد کا۔

(۲) قولہ تعالیٰ مخبراً عن ذکریا: وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِن وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ۔

ترجمہ:۔ حضرت زکریا نے بارگاہِ خداوندی میں اس طرح مناجات کی۔ میں اپنے ان وارثان بازگشت سے اندیشہ رکھتا ہوں جو میرے مرنے کے بعد میرے پیچھے رہیں گے۔ میری زوجہ بانجھ ہے۔ خداوندا اپنی درگاہ سے مجھے وارث عطا کر جو میرا اور آلِ یعقوب کا ورثہ پائے۔

آنحضرت سے پہلے تمام انبیا ورثہ پاتے آئے ہیں۔ اور ان سے ورثہ دوسروں نے پایا۔ ظاہر ہے کہ ان اوپر کی دونوں آیتوں میں ورثہ سے مال و دولت کا ترکہ مراد ہے۔ علم و نبوت اس سے مراد نہیں ہو سکتے۔ اگر اس سے علم و نبوت مراد ہوتے تو پھر حضرت زکریا کا ڈر بے معنی تھا۔ ان کے اقربا زبردستی علم و نبوت نہیں لے سکتے تھے۔ نبوت اور علم لدنی تو عطاءِ ربانی ہے۔

خود جناب رسالتمآب نے اپنے والد کا ترکہ ورثہ میں حاصل کیا تھا۔ دیکھو سیرۃ النبی شبلی نعمانی جلد اول صر ۱۲۲۔ یہ بحث درست نہ ہوگی کہ جب آنحضرت نے

ورثہ لیا تھا اس وقت نبی نہ تھے۔ ہم پہلے آنحضرت و حضرت عیسیٰ کی مثالوں اور دیگر دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ نبی اپنی مہد سے لحد تک نبی ہی ہوتا ہے۔ وہ پیدا ہی نبی ہوتا ہے

(۱۴) حضرت فاطمہ کے اس دعوے کی تردید میں حضرت ابو بکر نے تین عذر پیش کئے تھے۔

اوّل تو یہ کہ دعویٰ ہبہ ثابت نہیں۔

دوئم یہ کہ پیغمبر کی اولاد محروم الارث ہوتی ہے۔

سوئم یہ کہ میں اس طریقہ کو جو رسولخدا کے زمانہ میں رائج تھا۔ ہرگز نہ بدلونگا کونسی زمین مجھے اٹھائے گی اور کونسا آسمان مجھے اپنے سایہ تلے لیگا اگر میں آنحضرت کے طرز عمل میں تبدیلی کر دوں۔

چوتھا عذر حضرت ابو بکر کے وکلا ابزاد کرتے ہیں کہ اولاد کی شہادت اپنے والدین کے حق میں ناقابل قبول ہوتی ہے۔

عذرات اوّل و دوم و چہارم کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں۔ تیسرا عذر ان ہی عذرات کے تابع ہے۔ اگر ہبہ ثابت ہے اور اولاد رسول محروم الارث نہیں ہے تو پھر حضرت ابو بکر کو ان اراضیات و صدقات پر کوئی دسترس ہی حاصل نہ تھا۔ اور نہ وہ اس کے انتظام کرنے کے مجاز تھے۔ لہذا حضرت ابو بکر کے لئے طریقۂ رسول کو بدلنے یا نہ بدلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر ہم اس عذر کو دیگر عذرات سے علیحدہ بھی کر لیں تب بھی حکومت کو کچھ فائدہ نہیں پہنچتا روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ چند صدقات میں سے جب کچھ بچ رہتا تھا تو آنحضرت اس بقیہ کو بنو ہاشم کے غربا و مساکین پر تقسیم کر دیتے تھے۔ فدک کے علاوہ دیگر ذرائع آمدنی بھی تو جناب رسول خدا کے پاس تھے۔ غربا و مساکین کی پرورش ان دیگر ذرائع سے ہوتی تھی۔ یہ مطلقاً ثابت نہیں کہ فدک کے ہبہ کے بعد فدک کی آمدنی پر جناب رسولخدا نے تصرف کیا ہو۔ دیگر صدقات کا

دعوائے جناب سیدہ کا بذریعہ میراث کے تھا۔ جب تک آنحضرت خود زندہ رہے۔ ان کو حق حاصل تھا کہ اپنی اولاد کو دیں۔ اپنی بیویوں کو دیں۔ جو نیچ رہے اس کو جس طرح جی چاہے خرچ کریں۔ مرنے کے بعد تصرف ورثا کا ہوتا ہے۔ حاکم کو جائز نہیں کہ تصرف کرے یا اس کو ضبط کرے۔ حکومت کی وہ اراضی نہ تھی جیسا ہم بیان کر چکے ہیں۔ اب رہ گیا یہ عذر کہ رسول خدا کے عمل کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ ورنہ حضرت ابوبکر پر کوئی آسمان سایہ نہ کریگا اور کوئی زمین نہ اٹھائے گی۔ یہ لو دفع الوقتی کی گفتگو تھی۔ جیسی کہ حسبنا کتاب اللہ اول تو نظیر قائم نہیں ہوتی۔ یہ اراضی آنحضرت کی ملکیت تھی اور ابوبکر کی ملکیت نہ تھی لہذا طرز عمل ایک سا کیونکر ہو سکتا تھا۔ دوسرے یہ کہ بیان شدہ واقعیت سے بالکل معرا تھا۔ حضرت ابوبکر کے اعتقاد کے بموجب تو آنحضرت نے کسی کو اپنا جانشیں مقرر نہیں فرمایا تھا۔ انہوں نے کیوں حضرت عمر کو اپنا جانشیں مقرر کر دیا۔ اور آنحضرت کا طریقۂ عمل بدل دیا۔ خمس کو لیجیئے۔ آنحضرت خمس کو بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب میں تقسیم کرتے تھے اور بنو عبد الشمس و بنو نوفل کو مطلق حصہ نہیں دیتے تھے۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے خمس تقسیم کر کے ایرے غیرے کو دیدیا۔ لیکن قرابتداران رسول کو نہیں دیا ۱۴۰ؔ

علامہ شبلی فرماتے ہیں۔

"وہ (حضرت عمر) قرابتداران پیغمبر کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اہل بیت کو کبھی خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ ائمہ مجتہدین سے امام ابو حنیفہ بھی ذوی القربیٰ کے خمس کے قائل نہ تھے۔۔۔۔۔۔۔

احادیث و روایات کے استقرا سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔ ذوی القربیٰ میں سے آپ (جناب رسول خدا) صرف بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو حصہ دیتے تھے۔ بنو نوفل

۱۴۰ [illegible] الفاروق [illegible]

(بنو عبد شمس حالانکہ ذوی القربیٰ میں داخل تھے۔ لیکن آپ نے ان کو باوجود طلب کرنیکے بھی کچھ نہیں دیا۔

الفاروق حصہ دوم ص۶ نمبر ۲۴۷،۲۴۸

آنحضرت کے اس طرز عمل کو کیوں حضرت ابو بکر و عمر نے بدلا۔ وہ تو آسمان کے گرنے اور زمین کے پھٹنے سے ڈرتے تھے۔ آنحضرت کا ایک اور طرز عمل ہم آپ کو بتاتے ہیں جنگ بدر میں ابو العاص شوہر حضرت زینب گرفتار ہو گیا۔ حضرت زینب نے اُن کے فدیہ کے لیئے وہ ہار بھیجا جو حضرت خدیجہ نے ان کو بوقت نکاح دیا تھا۔ آنحضرت اس ہار کو دیکھکر رونے لگے۔ اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تم اجازت دو تو میں یہ فدیہ بھی واپس کردوں۔ اور ابو العاص کو بھی رہا کردوں۔ مسلمانوں نے خوشی سے اجازت دی۔ اور آنحضرت نے ابو العاص کو بغیر فدیہ لیئے ہوئے چھوڑ دیا۔ اور ہار بھی واپس کر دیا۔ اگر حضرت ابو بکر فدک کو مسلمانوں کا حق سمجھتے تھے تو جناب رسولخدا کے اس عمل کی پیروی کیوں نہ کی۔ اور دختر رسول کی دلجوئی کیوں نہ کی۔

(۱۴) اگر یہ لاوارث حدیث درست تھی تو حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کے وہ حجرے اور مکانات کیوں نہ لے لیئے گئے جو ان کو آنحضرت سے وراثت میں ملے تھے۔ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ یہ حجرے و مکانات آنحضرت کی ملک تھے۔ اور ازواج نبی کو ورثہ میں آنحضرت سے پہنچے تھے [۱۵]

(۱۵) حضرت فاطمہ و حضرت علی نے حضرت ابو بکر کے فیصلہ کو غلط بنی بر ظلم سمجھا

(۱۶) حضرت فاطمہ اتنی ناراض ہوئیں کہ پھر حضرت ابو بکر و حضرت عمر سے عمر بھر کلام نہ کیا۔ صاف وصریحاً کہدیا کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کر دیا ہے اور میں اپنے والد بزرگوار سے تمہاری شکایت کرونگی۔ حضرات شیخین ان کو راضی کرنے گئے۔ تو ان کی طرف سے منہ موڑ لیا۔ اور کلام نہ کیا۔ جو لوگ محمد مصطفےٰ کو رسول برحق سمجھتے ہیں اور آپ کے قول کو سچا جانتے ہیں۔ جب ان کو یہ یاد آئے گا کہ جناب رسولخدا نے فرمایا تھا کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے اسے ناراض کیا

(۱۵) [illegible] سمہودی: وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ، [illegible] ص ۲۵ ج ۲

اُسنے مجھے ناراض کیا۔ اور جس نے مجھے ناراض کیا وہ خدا کے غضب کا مستوجب ہوا۔ تو پھر وہ لوگ حضرت ابوبکر کے اس فعل سے لرزہ براندام ہو جائیں گے۔

(۱۷) غور تو کرو خدا کو جان دینی ہے۔ انصاف کو نہ ہاتھ سے چھوڑو حضرت ابوبکر اس حکومت پر قابض تھے جو جناب فاطمہ کے والدِ بزرگوار کی پیدا کردہ اور ان کے شوہر کی تلوار سے حاصل شدہ تھی۔ اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو حضرت ابوبکر کس حکومت پر قابض ہوتے۔ علاوہ اس کے جناب فاطمہ کے والد بزرگوار ان کے نبی و محسن اعظم تھے۔ کیا ان کے احسانوں کا یہی بدلہ تھا۔ اور یہی اجرِ رسالت تھا جو امت نے انکی اکلوتی پیاری بیٹی کو دیا۔ کتنا جناب رسولخدا کی روح کو صدمہ ہوا ہو گا جب جناب فاطمہ فریاد کرتی ہو نگی۔ جس دل نے اپنے چچا عباس کا چند گھنٹوں کا کراہنا برداشت نہ کیا وہ اپنی پیاری بیٹی کی فریاد و آہ و زاری کس لہجے کے ساتھ سنتا ہو گا۔ جناب فاطمہ اتنی ان سے ناراض ہوئیں کہ عمر بھر کلام نہ کیا سامنے آئے تو منہ موڑ لیا۔ اپنی ناراضگی صاف ان سے بیان کر دی۔ اور مرتے وقت وصیت کر دی کہ یہ دونوں اور عائشہ میرے جنازے پر نہ آئیں[۱۴۲]

(۱۸) مسلمانوں میں سے جو منصف مزاج ہیں وہ باوجود اپنی مذہب کی رکاوٹ کے قضیہ فدک میں حضرت فاطمہ کو حق بجانب سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے ان پر ظلم کیا۔ چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں۔

مشکل ترین قضایا قضیۂ فاطمہ زہرا است۔ زیرا کہ اگر بگوئیم کہ او جاہل بود یا یں سنتے یعنی حدیثے کہ ابوبکر نقل کردہ بعید است

---

۱۴۲ صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خیبر مطبوعہ مصر الجزء الثالث ص ۳۸ طبقات ابن سعد الجزء الثامن ذکر فاطمہ ص ۱۹۔ مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث ذکر فاطمہ ص ۱۶۲۔ الاستیعاب ابن عبد البر الجزء الثانی ص ۷۷۲ حسین دیار بکری: تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص ۱۹۳

از فاطمہ و اگر الزام کنیم شاید اتفاق نیفتاد او را سماع ایں حدیث از آنحضرت مشکل میشود کہ بعد از استماع از ابی بکر و شہادت سائر صحابہ براں چرا قبول نکرد و در غضب آمد و اگر غضب او بیش از سماع حدیث بود چرا برنگشت از غضب تا ایں کہ امتداد کشید و تا زندہ بود مہاجرت کرد ابوبکر را۔

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ مطبوعہ نولکشور جلد سوم ص ۵۲۳

ترجمہ:۔ تمام قضیوں سے زیادہ مشکل جناب فاطمہ زہرا کا قضیہ فدک ہے۔ کیونکہ اگر ہم کہیں کہ جناب فاطمہ اس سنت یعنی حدیث سے جاہل تھیں جو ابوبکر نے وراثت کے بارے میں فرمائی تو یہ بعید جناب فاطمہ سے ہے اور اگر ہم فرض کریں کہ شاید یہ حدیث سننے کا اتفاق نہ ہوا ہوگا تو جب حضرت ابوبکر نے بیان کر دی اور چند صحابہ نے ہاں میں ہاں بھی ملا دی تو پھر انھوں نے کیوں نہ قبول کر لیا اور غضبناک ہو گئیں۔ اور اگر آپ کا غصہ اس حدیث کے سننے سے پہلے تھا تو اس کے سننے کے بعد کیوں نہ ان کا غصہ فرو ہو گیا۔ یہاں تک کہ جب تک زندہ رہیں ابوبکر سے کلام نہ کیا۔

مولوی صدرالدین حنفی اپنی کتاب روائح المصطفیٰ میں جناب فاطمہ کا حال لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بعد از وفات پیغمبر واقعات بسیار گزشتہ مثل معاملہ فدک و سقط شدن حمل او و تہدید نمودن عمر خطاب بنی ہاشم را کہ در خانہ زہرا اجتماع نمودہ بودند و نالہ و شیون نمودن حضرت زہرا بپیش انصار طولے دارد و ذکرش ناکردن اولے تر ست وصیت نمودن حضرت زہرا کہ ہیچ کس بر جنازہ او حاضر نشود۔ دلیل صریح است براں کہ حضرت زہرا

آزردہ وملول از دنیا رفت ۔ اکنوں تاویل ہرچہ خواہند کنند و مرثیہ برائے پیغمبر انشا نمودہ یک بیت از اوّل آں قصیدہ این است ۔

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّھَا
صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

ترجمہ :- بعد از رحلتِ رسول بہت سے ایسے واقعات ہوئے مثلاً معاملہ فدک ، حضرت زہرا کا حمل ساقط ہونا ، عمر بن الخطاب کا ان بنو ہاشم کو ڈرانا و دھمکانا جو خانۂ فاطمہ زہرا میں جمع ہوئے تھے ۔ حضرت زہرا کا انصار کے مجمع میں نالہ و شیون کرنا جو بہت طوالت رکھتے ہیں اور جن کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے ۔ حضرت زہرا کا اپنی وفات کے وقت وصیت کرنا کہ کوئی ان کے جنازے پر نہ آئے ۔ صاف و صریح دلیل ہے اس امر کی کہ حضرت فاطمہ دنیا سے آزردہ و ناراض گئیں ۔ اب جو چاہے ان کی تاویل کریں ۔ حضرت زہرا نے آنحضرت کا ایک مرثیہ کہا تھا جس کا پہلا شعر یہ ہے ۔

میرے اوپر ایسی مصیبتیں پڑی ہیں کہ اگر وہ روز ہائے روشن پر پڑتیں تو مثل رات کے تاریک ہو جاتے

شاہ عبد الحق اور مولوی صدر الدین ہی پر کیا منحصر ہے ۔ اپنے پرائے جس نے اس قصے کو سُنا دانتوں میں انگلیاں دے لیں ۔ کہ ایسے بھی غلط فیصلے ہوا کرتے ہیں ۔ مامون الرشید نے جب یہ واقعہ سُنا حالات معلوم کئے تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت ابو بکر نے فدک چھین لینے اور پھر واپس نہ کرنے میں غلطی کی ۔ چنانچہ اس نے ایک فرمان جاری کیا کہ فدک اولاد فاطمہ کو واپس کر دیا جائے ۔ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں اس فرمان کو نقل کیا ہے اور ہم نے اپنی البلاغ المبین حصہ دوم میں اس کو نقل کیا ہے ۔ یہاں ہم اس کا ترجمہ درج کرتے ہیں ۔

جب سنہ ۲۱۰ھ ہوا تو امیر المومنین مامون عبداللہ ابن ہارون الرشید نے حکم دیا کہ فدک اولاد فاطمہ علیہا السلام کو دیدیا جائے۔ یہ حکم نامہ اس نے اپنے عامل مدینہ قثم بن جعفر کو لکھا: اما بعد امیر المومنین کا اپنی اس حیثیت کے بموجب جو اسے دین الہٰیہ میں حاصل ہے اور بطور خلیفہ و جانشین و قرابت دار رسول اللہ کے یہ فرض ہے کہ جناب رسولخدا کے طریقہ پر عمل کرے اور ان کے احکام کو جاری کرے۔ اور جو شے یا صدقہ رسولخدا نے کسی کو عطا کیا ہے امیر المومنین بھی وہ شے یا صدقہ اس شخص کو دیدے۔ امیر المومنین کی پرہیزگاری و توفیق سب خدا کی طرف سے ہے۔ اور امیر المومنین کی یہ خاص خواہش ہے کہ وہ کام کرے جس سے رضائے خداوندی حاصل ہو۔ بہ تحقیق کہ جناب رسولخدا نے اپنی دختر فاطمہ کو فدک ہبہ کیا تھا۔ اور بطور ملکیت کے دیدیا تھا۔ اور یہ ایک ایسا صاف و صریح واقعہ ہے کہ جس میں جناب رسولخدا کے رشتہ داروں میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ پس امیر المومنین اس کو حق سمجھتے ہیں کہ فدک جناب فاطمہ کے ورثار کو واپس دیدیں۔ تاکہ خداوند تعالےٰ کی صفت عدل و حق کو قائم کر کے اس کا تقرب حاصل کریں۔ اور جناب رسولخدا کے احکام کو جاری کر کے ان سے سرخروئی حاصل کریں۔ لہذا امیر المومنین نے حکم دیا ہے کہ یہ واپسی فدک رجسٹروں میں لکھی جائے۔ اور یہ احکام تمام عمال کے پاس بھیجے جائیں۔ جب سے جناب رسولخدا نے رحلت فرمائی ہے اب تک یہ رسم رہی ہے کہ موسم حج پر تمام لوگوں کو دعوت دیجاتی ہے کہ جس کسی کو جناب رسولخدا نے کچھ صدقہ

دیا ہے یا ہبہ کیا ہے وہ آنکر بیان کرے۔ اور اس کا قول قبول کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں جناب فاطمہ علیہا السلام زیادہ حق دار ہیں کہ ان کا قول در بارۂ ہبہ فدک منجانب رسول اللہ قبول کیا جائے۔ بہ تحقیق کہ امیر المومنین نے اپنے غلام مبارک طبری کو حکم دیا ہے کہ فدک حضرت فاطمہ کے وارثوں کو دیدے معہ اس کے تمام حدود و حقوق و پیداوار غلاموں کو واپس دیدے۔ محمد بن یحییٰ بن حسین بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب اور محمد بن عبد اللہ بن حسن بن حسین بن علی بن ابی طالب کو دیدے ان دونوں کو امیر المومنین نے اس اراضی کے مالکان یعنی ورثائے جناب فاطمہ علیہا السلام کی طرف سے ایجنٹ و کارکن مقرر کیا ہے پس تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ امیر المومنین کی رائے ہے اور یہ وہ ہے جو خداوند تعالےٰ کی طرف سے تمہیں حکم ہوا ہے تاکہ خدا اور اس کے رسول کی رضا حاصل کی جاوے۔ جو تمہارے ماتحت ہیں ان کو بھی اس سے آگاہ کردو۔ محمد بن یحییٰ و محمد بن عبد اللہ کے ساتھ بھی وہی عمل کرو جو اس سے پہلے امیر المومنین کے کارکن مبارک طبری کے ساتھ کیا کرتے تھے اور ان دونوں کو وہ مدد پہنچاؤ۔ جس سے اس اراضی کی زرخیزی و پیداوار و منافع میں ایزادی او رمشیت ایزدی کا اجرا ہو۔ مورخہ روز چہارشنبہ ذی قعدہ سنہ ۲۱۰ھ

فتوح البلدان ص ۴۶، ۴۷

اس مضمون کو ہم قرآن شریف کی اس آیت پر ختم کرتے ہیں وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ۱۱۳
ترجمہ:۔ اور مت جھکو ان لوگوں کی طرف جنھوں نے ظلم کئے ہیں۔ ورنہ تم کو جہنم کی آگ آلگے گی۔ اور تمہارا کوئی دوست نہ ہوگا اور نہ تمہاری مدد کی جائے گی۔

پنجدہم

باب چہاردہم

جناب فاطمۃ الزہرا کے مصائب و غموم و ہجوم رحلت رسولؐ کے بعد

جناب فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کو اپنے پدر بزرگوار کے انتقال کا اتنا
رنج ہوا کہ جس کی کوئی حد و انتہا ہی نہیں معلوم ہوتی۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔
ایک تو یہ کہ دو فطرتوں کو جو ایک دوسرے سے جاذبیت ہوتی ہے وہ ان
کے روحانی درجہ ارتقاء کی مناسبت سے ہوتی ہے۔ جس کو
آج کل کی زبان میں مقناطیسی جذب کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جس
لمحہ سے آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا اسی سے ہی امت نے بجائے تسلی
و تشفی دینے کے جناب فاطمہؑ کے زخمی دل میں اپنے عمل و گفتگو کے نشتروں
سے کچوکے دینے شروع کر دیئے۔ اگر امت کی طرف سے آپ کو تسلی ملتی
غم میں شرکت ہوتی، آپ کی دلجوئی کی جاتی جس طرح آپ کا اعزاز اپنے پدر بزرگوار
کے زمانے میں تھا اسی طرح قائم رکھا جاتا تو بہت حد تک آپ کے غم کی شدت و اثر
میں کمی ہو جاتی۔ لیکن امت تو اس پر تلی بیٹھی ہوئی معلوم ہوتی تھی کہ ہر ایک طریقہ
ایذا و ضرر رسانی کا استعمال کیا جاوے جس سے جناب فاطمہ اگر اپنے والد ماجد کی رحلت کا
غم بھولنا بھی چاہیں یا اس میں کمی کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں۔ آپ کو آپ کے والد ماجد کا
پرسا دینا تو کجا ان کے جسد اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر امت اپنے میں سے ایک حاکم
مقرر کرنے چلی گئی۔ آپ کے شوہر جن کا حق ہر طرح سے خلافت پر تھا نظر انداز کر دیئے
گئے۔ خلافت چھینی، فدک چھینا، گھر کو آگ لگانے آئے آپ کی ہر طرح سے تحقیر و
توہین کی۔ یہ ہیں اس امت کے کارنامے اپنے رسول کی دختر کے ساتھ جس کو ان
کے پدر بزرگوار نے خاک مذلت میں سے اٹھا کر یکلخت تخت انسانیت پر بٹھا دیا تھا
دین و دنیا کی راہ مستقیم دکھائی۔ ان کو انسان بنایا۔ اور انسان بنا کر ایک قوم بنایا

ان کے مخالفین کو مغلوب کیا۔ ان کی مذموم رسموں کو دور کیا۔ آپس کے عناد و عداوت دور کر کے انھیں آپس میں محبت کے ساتھ مل جل کر رہنا سکھایا۔ غرضکہ ان آئے دن کے بچوکوں نے یہی نہیں کہ زخم کو مندمل نہ ہونے دیا بلکہ اس کو اور گہرا کیا۔ یہاں تک کہ مزید برداشت کی طاقت نہ رہی اور آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ شیعہ مورخین کا کہنا ہے کہ جب حضرت علی کو گھر سے باہر نکالنے کے لئے آئے تو جناب فاطمہ زہرا نے دروازہ پر آکر ان کو برا بھلا کہا۔ اور انھوں نے دروازہ کو اس زور سے گرایا کہ آپ کا حمل ساقط ہو گیا۔ اور حضرت محسن کا انتقال ہوا۔ اور اسی صدمہ سے آخر کار موت واقع ہوئی۔ لیکن دیگر مورخین کہتے ہیں کہ نہیں یہ غلط ہے۔ آپ نے اپنے والد کے غم میں گھل گھل کر جان دی۔ بہر صورت امت کے صاحبان حل و عقد اس صورت میں بھی اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ یہ اعتراض پھر بھی قائم رہ جاتا ہے کہ جب جانتے تھے کہ ہمارے پیغمبر محسن کی اکلوتی بیٹی اپنے والد کے غم میں گھل رہی ہے تو پھر انھوں نے اس غم کو بھلانے میں اور انکی دلجوئی کرنے میں کیا کوشش کی۔ اس کو زیادہ ہی کیا کم تو نہ کیا۔ اور پھر طرفہ ماجرا یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے کیا سنت رسول کی پیروی میں کیا۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ حسین کو تو کربلا میں ان کے نانا کی تلوار نے قتل کیا۔ قابل تعریف ہے وہ منطق جس نے اپنے ظلموں کو اپنے نبی کے سر تھوپا۔ اس طرح وہ ہی قوم بحث کر سکتی ہے جس کی گمراہی اس کی عقل سے زیادہ گہری ہے۔ معلوم نہیں یہ بزرگوار اپنی بحث کو کاغذ پر لکھ کر اسے دوبارہ بھی ٹھنڈے دل سے پڑھتے ہیں یا نہیں پڑھتے اگر پڑھتے ہیں لیکن پھر بھی انہیں کوئی نقص اپنی بحث میں نظر نہیں آتا۔ تو دماغی امراض کے معالجین کے لیئے اپنے ہنر کے آزمانے کا یہ اچھا موقع ہے۔

علامہ ابن شہر آشوب مناقب میں حضرت محمد باقر علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہیں کہ جناب سیدہ کی وفات کے بعد کسی نے جناب فاطمہ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا یہاں تک کہ آپ نے رحلت فرمائی۔[۱۴۳]

---

۱۴۳ کتاب مناقب آل ابی طالب جلد رابع ص ۲۵

سیرۃ النبویہ والآثار محمدیہ میں سید احمد زینی دحلان کہتے ہیں کہ جناب فاطمہ آنحضرت کے بعد چھ مہینہ تک زندہ رہیں اور اس عرصہ میں وہ ایک دفعہ بھی نہیں ہنسیں [۱۴۴]

حلیۃ الاولیاء میں ابو نعیم حضرت محمد باقر علیہ السلام کی روایت نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ کی وفات کے بعد جناب فاطمہ کو کسی نے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ اتنے عرصہ میں صرف ایک دفعہ ذرا مسکرائی تھیں اور آپ آنحضرت کے بعد چھ مہینہ تک زندہ رہیں [۱۴۵] ابن شہر آشوب مناقب میں کہتے ہیں کہ آنحضرت کی وفات کے بعد جناب فاطمہ ہمیشہ سر بستہ درد کی وجہ سے پڑا باندھے رہتی تھیں۔ ہر وقت روتی رہتی تھیں۔ دمبدم آپ کو غش آتا تھا۔ جسم زار و نحیف ہو گیا تھا۔ آپ اکثر اپنے دونوں بچوں حسنین علیہما السلام سے کہا کرتی تھیں۔ کہاں ہیں تمہارے نانا جو تمہاری عزت کرتے تھے، بار بار تم کو گود میں اٹھاتے تھے، کہاں ہیں تمہارے نانا جو سب سے زیادہ تمہارے اوپر شفقت کیا کرتے تھے۔ تم کو نہیں چھوڑتے تھے کہ تم زمین پر چلو۔ اب میں کبھی ان کو اس دروازہ سے اندر آتے ہوئے نہ دیکھونگی اور نہ تمہیں اپنے کندھے پر سوار کرتے ہوئے ان کو دیکھونگی [۱۴۶]

آنحضرت کے انتقال کے بعد حضرت بلال نے ارادہ کر لیا تھا کہ اب کسی کے لیئے وہ اذان نہ کہیں گے۔ ایکدن جناب فاطمۃ الزہرا نے خواہش ظاہر کی کہ اپنے والد کے مؤذن کی اذان سنیں۔ اس کی خبر حضرت بلال کو پہنچی تو آپ نے اذان دینی شروع کی۔ جب انھوں نے اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تو جناب فاطمۃ الزہرا اپنے والد بزرگوار اور ان کے زمانہ کو یاد کر کے رونے لگیں۔ اور جب حضرت بلال نے کلمہ اشہد ان محمد الرسول اللہ کہا تو جناب فاطمہ نے ایک نعرہ لگایا۔ اور منہ کے بل گر پڑیں اور آپ پر غش طاری ہو گیا۔ لوگوں نے بلال سے کہا کہ بس اذان کو پورا نہ کرو، بنت رسول نے دنیا سے مفارقت کی۔ ان لوگوں کو گمان ہوا کہ شاید آپ نے رحلت کی۔ جب حضرت معصومہ

---

[۱۴۴] سیرۃ النبویہ احمد زینی دحلان برحاشیہ سیرۃ حلبیہ الجزء الثالث ص ۳۹۳

[۱۴۵] حلیۃ الاولیا و طبقات الاصفیا مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ بجوار محافظ مصر سنہ ۱۹۳۳ء المجلد الثانی ص ۴۳

[۱۴۶] کتاب مناقب مطبوعہ بمبئی مجلد الرابع ص ۲۵

کو اشارہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اذان کو پورا کرو لیکن بلال نے اذان کو پورا نہ کیا۔ اور عرض کی کہ اے سردارِ زنانِ عالم مجھے ڈر ہے کہ جب آپ میری آواز سنیں گی تو آپ کو بہت رنج ہوگا۔ پس جناب معصومہ نے ان کو معاف کیا۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ جس قمیص میں میں نے جناب رسولخدا کو غسل دیا تھا اس کو دیکھنے کا اکثر جناب معصومہ اشتیاق ظاہر فرمایا کرتی تھیں۔ اور جب وہ قمیص آپ کو دکھائی جاتی تھی تو آپ اس کو سونگھتی تھیں اور آپ پر غش طاری ہوجاتا تھا۔ آپ اپنے والد ماجد کے لیئے اتنا روتی تھیں کہ اہل مدینہ کو اس گریہ و بکا سے ایذا ہوتی تھی۔ پس انھوں نے جناب معصومہ سے گزارش کی کہ آپ کی گریہ و بکا نے تو ہم کو بہت ایذا پہنچائی ہے۔ یہ سنکر آپ نے یہ معمول کرلیا تھا کہ قبرستان شہدا کی طرف چلی جاتی تھیں اور وہاں دل کھولکر گریہ و بکا کرتی تھیں۔ جناب امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے جناب معصومہ کے لیئے قبرستان بقیع میں ایک مکان بنا دیا تھا اور اس کا نام بیت الاحزان رکھا تھا۔ اور وہ اب تک باقی ہے۔[۱]

باب ~~پنجدہم~~ ششدہم

مرض الموت میں جناب معصومہ کا خطبہ مستورات مہاجر و انصار کے سامنے

احتجاج طبرسی میں سوید بن غفلہ سے، معانی الاخبار و شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید میں فاطمہ بنت الحسین ؑ سے ان کے فرزند عبداللہ بن الحسن کی زبانی امالی شیخ مفید میں ابن عباس سے، کشف الغمہ میں کتاب السقیفہ ابی بکر احمد بن عبدالعزیز الجوہری کے حوالہ سے بروایت عبداللہ بن الحسن عن امہ فاطمہ بنت الحسین مروی ہے کہ جب جناب معصومہ کے مرض موت میں شدت ہوئی تو آپ کے پاس مہاجرین و انصار کی عورات جمع ہوئیں۔

[۱] اعیان الشیعہ للمحسن الامین العاملی الجزء الثانی ص ۴۸

سلام عرض کیا اور دریافت کیا کہ بنت رسول آپ نے کس حالت میں صبح کی جناب معصومہ نے حمد و ثنائے الٰہی و درود پیغمبر کے بعد فرمایا۔

اَصْبَحْتُ وَاللهِ عَائِفَةً لِدُنْيَاكُنَّ قَالِيَةً لِرِجَالِكُنَّ لَفَظْتُهُمْ بَعْدَ اَنْ عَجَمْتُهُمْ شَنَأْتُهُمْ بَعْدَ اَنْ سَبَرْتُهُمْ فَقُبْحًا لِفُلُولِ الْحَدِّ وَاللَّعِبِ بَعْدَ الْجِدِّ وَقَرْعِ الصَّفَاةِ وَصَدْعِ الْقَنَاةِ وَخَطَلِ الْآرَاءِ وَزَلَلِ الْاَهْوَاءِ (وَ بِئْسَمَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُوْنَ) لَاجَرَمَ وَاللهِ لَقَدْ قَلَّدْتُهُمْ رِبْقَتَهَا وَحَمَّلْتُهُمْ اَوْقَتَهَا وَشَنَنْتُ عَلَيْهِمْ غَارَتَهَا فَجَدْعًا وَعَقْرًا وَبُعْدًا لِلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَيْحَهُمْ اَنّٰى زَعْزَعُوْهَا عَنْ رَوَاسِي الرِّسَالَةِ وَقَوَاعِدِ النُّبُوَّةِ وَالدَّلَالَةِ وَمَهْبِطِ الرُّوْحِ الْاَمِيْنِ وَالطَّبِيْنِ بِاُمُوْرِ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ وَمَا الَّذِيْ نَقَمُوْا مِنْ اَبِي الْحَسَنِ نَقَمُوْا وَاللهِ مِنْهُ نَكِيْرَ سَيْفِهٖ۔

میں نے آج اس حالت میں صبح کی ہے کہ تمہاری دنیا سے بیزار ہوں اور تمہارے مردوں کی دشمن ہوں میں نے انہیں اس طرح دور کیا ہے جیسے فاسد خرمہ تھوک دیا جاتا ہے اور پوری طرح جانچ کر ان سے دشمنی کی ہے انکی تلوار کی باڑھ کے کند ہو جانے انکی عمدہ باتوں کے بعد مہملات بن جانے انکی سماتھ دوسری قوموں کے برا سلوک کرنے انکے نیزوں کے ٹوٹ جانے انکی رایوں کے خاسر اور انکی خواہشوں کے خراب ہو جانے کا خدا برا کرے (انکے نفسوں نے ان کے لئے ایسے اعمالوں کا توشہ بھیجا تھا کہ خدا ان پر غضبناک ہو گیا اور اب یہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے) تحقیق کہ حکومت و سلطنت نے انکی گردنوں میں اپنا پھندا اور اپنا بوجھ ڈال دیا ہے اور انھیں رہا بنا ہوا و غارت کر دیا ہے، خدا ظالموں کی ناک کاٹے اور انھیں اپنی رحمت سے دور کرے ان پر افسوس ہے کہ انہوں نے خلافت کو ایسے شخص سے دور کر دیا ہے جو رسالت کا مستحکم کرنے والا، نبوت و ہدایت کا سنبھالنے والا روح الامین کی منزل اور امور دین و دنیا میں ماہر ہے ان کا یہ عمل خسران مبین ہے۔ آخر یہ ابو الحسن سے کس بات سے ناراض ہیں ہاں بخدا۔ لوگ ابو الحسن کی تلوار کے منکر باتوں کو دور کرنے (ہدایت) ابو الحسن کو بے خوف سے بے پرواہ

وقلة مبالاته بحتفه وشدة
وطأته ونكال وقعته
وتنمّره في ذات الله عزّ
وجل وتالله لو تمالوا عن
المحجة اللائحة وزالوا عن
قبول الحجة الواضحة لردهم
اليها وحملهم عليها وتالله
لو تكافوا عن زمام نبذه
اليه رسول الله صلعم لاعتلقه
ولسار بهم سيرا سجحا
لا يكلم خشاشه ولا
يكل سائره ولا يمل
راكبه ولاوردهم
منهلا نميرا صافيا رويا
فضفاضا تطفح ضفتاه
ولا يترنق جانباه و
لاصدرهم بطانا ونصح
لهم سرا واعلانا ولم
يكن يتحلى من الغنى بطائل
ولا يحظى من الدنيا بنائل
غير ري الناهل وشبعة الكافل
ولبان لهم الزاهد من
الراغب والصادق من

ہونے (جرأت) انکی سخت جنگ (جہاد) اور
مثل عذاب حملوں کو خدا کے بارے میں انکی جرأت تہ
ہمت سے ناخوش ہیں۔ حالانکہ قسم بخدا اگر یہ لوگ کھلے
ہوئے صحیح راستہ سے ہٹ جاتے اور واضح دلیل کے قبول
کرنے سے کنارہ کشی کرتے تو ابوالحسن ان کو پھر ان باتوں
کی جانب پس لاتے اور انہیں اسی راہ پر لگاتے۔ اور
قسم بخدا اگر لوگ ابوالحسن سے اس مہار کو الگ کرتے جو
رسول خدا نے ان کے حوالہ کی تھی تو ابوالحسن اسے نہ چھوڑتے
بلکہ اس مہار کے سہارے بڑی نرم رفتاری سے انہیں
لے چلتے کہ نہ اس مہار کا حلقہ ہی چوبیں زخم پہنچاتا
نہ اس کا راہ رو تھکتا اور نہ سوار درماندہ ہوتا
اور ابوالحسن ان کو ایسے گھاٹ پر پہنچاتے جس کا
پانی مثل آب باراں صاف شفاف و کثیر ہوتا جس
گھاٹ کے دونوں کناروں سے پانی اوچھل کر بہتا
اور کبھی گندہ و مکدر نہ ہوتا اور پھر سیر و سیراب
واپس لاتے اور ان سے ظاہر و باطن ہر
حالت میں نصیحت کی بات کہتے۔ دولت سے
اپنی کوئی زینت نہ کرتے اور دنیا سے کوئی
حصہ نہ لیتے سوائے اتنی مقدار کے جو پیاسے کی
پیاس بجھائے۔ یا بھوکے کو سیراب کرے اور
اس دنیا سے منہ پھیرنے والے اور دنیا کے
طالب کا اور نیز صادق و کاذب
کا فرق ظاہر ہو جاتا۔ آیہ قرآنی

مِنَ الْكَاذِبِ (وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ
الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا
عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ
وَالْأَرْضِ وَلَكِنْ كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ
بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ وَالَّذِينَ
ظَلَمُوا مِنْ هَؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ
سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَمَا هُمْ
بِمُعْجِزِينَ) أَلَا هَلُمَّ فَاسْتَمِعْ
وَمَا عِشْتَ أَرَاكَ الدَّهْرُ عَجَبًا
(وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ)
لَيْتَ شِعْرِي إِلَى أَيِّ لَجَأٍ لَجَأُوا
وَإِلَى أَيِّ سِنَادٍ اسْتَنَدُوا
وَعَلَى أَيِّ عِمَادٍ اعْتَمَدُوا
وَبِأَيِّ عُرْوَةٍ تَمَسَّكُوا
وَعَلَى أَيِّ ذُرِّيَّةٍ قَدَّمُوا
وَاحْتَنَكُوا (لَبِئْسَ الْمَوْلَى
وَلَبِئْسَ الْعَشِيرُ بِئْسَ
لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا) اسْتَبْدَلُوا
وَاللَّهِ الذُّنَابَى بِالْقَوَادِمِ
وَالْعَجُزَ بِالْكَاهِلِ فَرَغْمًا
لِمَعَاطِسِ قَوْمٍ يَحْسَبُونَ
أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (أَلَا
إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ

(اور اگر اہل قریہ ایمان لاتے اور تقوائے
اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی
برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔
لیکن انھوں نے رسولوں کی تکذیب کی تو
ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے انھیں مبتلائے
عذاب کر دیا۔ اور انہیں سے جن لوگوں نے ظلم بھی کیا
تو ان کو عنقریب انکی برائی کا بدلہ ملے گا اور وہ
خدا کو عاجز نہیں کر سکتے۔) ہاں ہنسنے والے
ذرا ادھر متوجہ ہوں اور سن لیں کہ جب تک
تو زندہ رہیگا زمانہ تجھکو عجیب باتیں دکھاتا رہیگا۔
(اگر تم تعجب کرتے ہو تو سب سے زیادہ قابل تعجب ان کا
قول ہے) کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ یہ لوگ ابو الحسن
کو چھوڑ کر کسی کی پناہ کی طرف مائل ہوئے ہیں اور کس
سہارے سے ٹیکا لگایا ہے کس ستون پر بھروسہ کیا ہے۔
کس حلقہ رسن کو پکڑا ہے۔ رسول خدا کی ذریت کو
چھوڑ کر کس کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں۔ اور
ان سے وابستہ ہو سکے ہیں (کیسے برے ہیں پناہ
لینے والے اور کیسا برا ہے وہ قبیلہ جس کی پناہ میں
داخل ہوئے ہیں۔ اور ظالموں کو برا ہی بدلہ ملنا ہے)
انھوں نے بازوؤں کے پروں کے بدلے پروں کے
پروں کو پکڑا ہے۔ اور ران کے گوشت کے بجائے
کندھے کی ہڈیوں کو اختیار کیا ہے۔ خدا ایسی قوم
کی ناک رگڑے (جو ایسی برائیوں کے بعد بھی)

ولكن لا يشعرون) ويحهم
(أفمن يهدي إلى الحق أحق
أن يتبع أمن لا يهدي
إلا أن يهدى فما لكم كيف
كيف تحكمون) أما لعمري لقد
لقحت فنظرة ريثما تنتج
ثم احتلبوا ملء القعب
دما عبيطا وذعافا
مبيدا واطمئنوا للفتنة
جاشا وابشروا
بسيف صارم
وسطوة معتد
غاشم وبهرج دائم
شامل واستبداد من الظالمين
يدع فيئكم زهيدا وجمعكم
حصيدا فيا حسرة لكم وانى
بكم وقد عميت عليكم
انلزمكموها وانتم لها كارهون
قال سويد بن غفلة: فاعادت
النساء قولها على رجالهن
فجاء اليها قوم من المهاجرين
والانصار معتذرين و
قالوا يا سيدة النساء لو كان

خیال کرتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔
(آیۂ قرآنی - وہ یقیناً مفسد ہیں لیکن وہ
جانتے نہیں) ان کا برا ہو۔ (آیت قرآنی: آیا
وہ شخص پیروی کئے جانے کے قابل ہے جو حق کی طرف
ہدایت کرتا ہے یا وہ جو خود ہدایت کا محتاج ہو کیا ہے؟
برا فیصلہ ہے جو تم کرتے ہو۔) میری جان کی قسم
خلافت کی اونٹنی حاملہ ہو چکی ہے۔ مہلت دو
کہ بچہ جنے۔ پھر پیالے بھر بھر کے خون گندہ
اور زہر ہلاہل اس میں سے دھوؤ گے۔ فتنہ
کے لئے دل کو مطمئن کر لو اور تیغ براں اور ظالم
بیداد گر کے قلعہ کی خوشخبری لے لو اور ایسے فساد
کے منتظر رہو جو پائندہ اور سب کو لپیٹ لینے والا
ہوگا۔ اور ظالموں کے استبداد اور خود رائی کے
لئے آمادہ ہو جاؤ۔ جو تمہارے مالِ
غنیمت کو کم کر دے گا۔ اور تمہاری
جماعت کو کاٹ کے ڈال دے گا۔
تم پر افسوس ہے۔ اب کہاں تم راہ راست
پر آ سکتے ہو۔ راہ مستقیم تمہاری نظر سے
سوید بن غفلہ کہتے ہیں کہ جناب معصومہ کا
یہ قول ان عورتوں نے اپنے مردوں سے بیان کیا
تو ایک گروہ مہاجرین و انصار کا جناب
سیدہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معذرت کرکے
سب نے کہا کہ اے سیدۃ النساء اگر ابو الحسن

ابوالحسن ذکر لنا ھذا الامر من قبل ان یبرم العھد ویحکم العقد لما عدلنا عنه الی غیرہ" فقالت علیہا السلام" الیکم عنی فلا عذر بعد تعذیرکم ولا امر بعد تقصیرکم۔

(اعیان الشیعہ الجز الثانی ص ۵۳۷)

ہم لوگوں سے اس عہد وعقد خلافت کے مستحکم ہونیسے پہلے اس امر کا ذکر کرتے تو ہم ان کو چھوڑ کر دوسرے کو اختیار نہ کرتے حضرت فاطمہ نے فرمایا کہ تم میرے پاس سے چلے جاؤ۔ تمہاری تقصیر و کوتاہی کے بعد اب کوئی معذرت کی صورت باقی نہیں رہی۔

دختر رسول اسلام کی زندگی کے آخری چند مہینے جو انہوں نے اپنے پدر بزرگوار کے بعد گزارے صاحبانِ غور و فکر کے لیئے اپنے میں امت کے مستقبل کی پوری داستان مضمر رکھتے ہیں اور ایک ایسا آئینہ جہاں نما پیش کرتے ہیں کہ جس پر نظر غائر ڈالنے سے آج تک کے وہ سارے مراحل و منازل اچھی طرح نمایاں نظر آتے ہیں جو امت کو اس راستہ پر پیش آنیوالے تھے جو وہ اختیار کر چکی تھی۔ جناب معصومہ کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی کہ تم کو اس خلافت کی اونٹنی میں سے بجائے دودھ کے خون گندہ اور زہر ہلاہل ملے گا۔ تیغ بُرّاں اور ظالم بیداد گر کے تسلط کے ماتحت تم آجاؤ گے تم ایسے فساد کے منتظر رہو جو پائندہ اور تم سب کو لپیٹنے والا ہو گا۔ ظلم اور استبداد الحق تم میں رائج ہونگے۔ اب تم راہ راست پر نہیں آسکتے۔ راہِ مستقیم تمہاری نظر سے اوجھل ہو چکی ہے۔ مسلمانوں غور کرو اپنی تاریخ پر نظر ڈالو۔ کیا یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری نہیں ہوئی۔ جناب رسولخدا کے بعد کیا تمہاری تاریخ میں کوئی ایسا زمانہ گذرا ہے جب امن وامان ہو۔ ظلم رائج نہ ہو اور اسلام قوی ہو۔ تمہارے بہترین زمانہ حکومت میں اسلام غریب و بیدرسی ذمیوں کی سی زندگی گزارتا ہوا نظر آتا تھا۔

باب ششدہم
ہفتدہم

وصیت اور رحلت

ہمارے اصحاب کے نزدیک جناب معصومہ کی صحیح تاریخ رحلت ۳ جمادی الآخر سنہ ۱۱ھ مطابق ۲۶ اگست سنہ ۶۳۲ء ہے اور یہی تاریخ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ لیکن اور لوگوں نے مختلف تواریخ وفات بیان کی ہیں۔ مثلاً ۲۰ جمادی الآخر، ۱۳ ربیع الآخر، ۲۱ رجب سنہ ۱۱ھ ہجری ۔ مدائنی و واقدی اور ابن عبد البر کے نزدیک ۳ رمضان سنہ ۱۱ھ ہے۔ حاکم نے مستدرک میں ۳ ماہ رمضان ہی لکھا ہے۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ آپ جناب رسولخدا کی رحلت کے بعد کتنے دن زندہ رہیں۔ مندرجہ ذیل مختلف مدتیں بیان کی جاتی ہیں۔

۴۰ دن، ۴۵ دن، دو مہینے جیسا کہ حاکم نے مستدرک میں بسند حضرت عائشہ و جابر بیان کیا ہے، ۷۰ دن جیسا کہ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں ابن بریدہؓ سے نقل کیا ہے، ۷۲ دن، ۷۵ دن، ۸۵ دن، ۳ مہینے اس مدت کو ابو الفرج اصفہانی نے حضرت امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اور ابن عبد البر نے الاستیعاب میں بھی اس قول کو قابل اعتبار سمجھا ہے۔ علامہ دلابی نے ذریۃ الطاہرہ میں اس کی تصدیق کی ہے۔ ۱۰۰ دن بھی شمار کئے جاتے ہیں۔ حاکم نے مستدرک میں اور ابو نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیا میں چھ مہینے کی مدت بیان کی ہے۔ آٹھ مہینہ کی مدت بھی ابن عبد البر نے عمرو بن دینار اور حاکم نے مستدرک میں عبداللہ بن حارث سے نقل کی ہے۔ دو حدیں یقینی ہیں یعنی ۸ مہینہ سے زیادہ اور ۴۰ دن سے کم کی مدت کسی نے بیان نہیں کی۔ ہمارے اصحاب میں ۷۵ دن کی مدت روایات اہلبیت علیہم السلام سے مروی ہے۔ اور یہی درست ہے۔ لیکن اس میں یہ مشکل آن پڑتی ہے۔ ہمارے یہاں جناب رسولخدا کی وفات کی تاریخ ۲۸ صفر مسلم ہے۔ ۷۵ دن اس

کے بعد جناب فاطمہ کی تاریخ وفات ۱۳ جمادی الاوّل ہوتی ہے نہ کہ ۳ جمادی الآخر جو کہ مشہور ہے۔ اور صحیح ہے۔ علامہ سید محسن الامین کی بحث یہ ہے کہ ممکن ہے بلکہ بہت اغلب ہے کہ خمس و تسعین (۹۵) دن کی مدت صحیح ہو۔ کاتب نے تسعین کی جگہ سبعین (۷۰) لکھدیا۔ کیونکہ حروف ایسے ہیں کہ ان میں مغالطہ کا امکان ہے۔ لہٰذا غلط طور سے ۷۵ دن مشہور ہو گیا۔ اس زمانے میں نقطے بھی نہیں لگایا کرتے تھے۔ اب مطابقت ہو جاتی ہے۔ ۲۸ صفر کو آنحضرت کا انتقال ہوا۔ دو دن صفر کے اور ۳ دن جمادی الآخر کے۔ یہ دونوں ملکر ۵ دن ہوئے۔ ربیع الاول ربیع الثانی اور جمادی الاول ان تینوں مہینوں کے نوے دن ہوئے۔ پانچ اور نوے ملکر پچانوے ہو گئے۔ علامہ محسن الامین کے نزدیک جناب فاطمہ کا انتقال آنحضرت کے ۹۵ دن بعد ہوا۔

جناب فاطمۃ الزہرا کے انتقال کے بعد ان کے سرہانے سے ایک پرچہ نکلا تھا جس میں آپ کی یہ وصیت درج تھی۔

ھذا ما اوصت بہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہٖ وسلم اوصت وھی تشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ وان الجنۃ حق والنار حق وان الساعۃ آتیۃ لا ریب فیھا وان اللہ یبعث من فی القبور یا علی حنطنی وغسلنی وکفنی وصل علیّ وادفنی باللیل ولا تعلم احدا واستودعک اللہ واقرا علی ولدی السلام الی یوم القیمۃ۔

یہ وہ ہے جو وصیت کی فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم نے، وصیت کی کہ وہ شہادت دیتی ہے کہ کوئی خدا نہیں سوائے خدائے وحدہٗ لاشریک کے اور یہ کہ محمد اس کے بندے ہیں اور رسول ہیں اور یہ کہ جنت دوزخ حق ہیں۔ قیامت ضرور آنیوالی ہے اسمیں کچھ شک نہیں۔ اور یہ کہ خدا اٹھائیگا ان سب کو جو قبروں میں ہیں۔ اے علی مجھے حنوط کرنا۔ غسل دینا اور کفن پہنانا اور مجھ پر نماز پڑھنا اور مجھکو رات کو دفن کرانا اور کسی کو میری موت کی اطلاع نہ دینا۔ میں تم کو خدا کے سپرد کرتی ہوں اور اپنے بچوں کو سلام کہتی ہوں روز قیامت تک۔

آپ نے زبانی وصیتیں بھی فرمائیں، حضرت علی ام ایمن، اسماء بنت عمیس کو بلا کر حضرت علی سے تین وصیتیں کیں (پہلی) تو یہ کہ میری بھانجی امامہ بنت زینب سے نکاح کرنا۔ کیونکہ اس کو میری اولاد سے بہت محبت ہے۔ (دوسرے) یہ بتایا کہ جنازہ کس طرح اٹھایا جائے الاستیعاب میں اسناد کے ساتھ درج ہے کہ جناب فاطمہ نے اسماء بنت عمیس سے کہا کہ جس طریقہ سے عورتوں کا جنازہ اٹھایا جاتا ہے میں پسند نہیں کرتی۔ عورت کے جنازے پر چادر ڈالدیتے ہیں اور اس کا جسم اس چادر سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اسماء بنتِ عمیس نے کہا کہ اے بنتِ رسول میں آپ کو بتاتی ہوں جو میں نے حبش میں دیکھا تھا۔ پس اسماء بنتِ عمیس نے ایک لکڑی کا تختہ منگوایا اس کے چاروں کونوں پر چار ڈنڈے کھڑے کئے۔ جناب فاطمہ کو بہت پسند آیا۔ اسلام میں سب سے پہلی عورت جن کا جنازہ اس طرح اٹھایا گیا فاطمہ بنتِ رسول اللہ ہیں۔ اور دوسری عورت زینب بنت حجش ہیں [۱۴۹] جناب فاطمہ کو پردہ کا بہت ہی خیال تھا چنانچہ جب جناب رسولخدا نے ان سے دریافت کیا کہ عورت کے لئے سب سے بہتر کیا چیز ہے تو جناب فاطمہ نے فرمایا کہ وہ کسی نامحرم مرد کو نہ دیکھے اور کوئی نامحرم مرد اسے نہ دیکھے [۱۵۰] جب اسماء بنتِ عمیس نے اس قسم کا جنازہ تیار کر کے دکھایا تو معصومہ بہت خوش ہوئیں۔ یہانتک کہ آپ ہنس پڑیں۔ یہ پہلا اور آخری موقع تھا۔ جب اپنے پدر عالیمقام کی وفات کے بعد آپ ہنسی تھیں۔ پس دوسری وصیت یہ تھی کہ آپ کو اس قسم کے جنازہ میں اٹھایا جاوے (تیسری) وصیت یہ تھی کہ آپ کے جنازے پر ان میں سے کوئی نہ آئے جن سے آپ زندگی میں ناراض تھیں۔ ان میں سے کوئی آپ کی نماز جنازہ نہ پڑھے اور رات کو جنازہ اٹھایا جائے چنانچہ اسی وجہ سے حضرت ابوبکر کو اجازت نہ دی گئی [۱۵۱]

---

[۱۴۹] ابن عبدالبر: الاستیعاب ج ۲ ص ۷۷۲ ـ حلیۃ الاولیاء ابی نعیم اصفہانی الجزء الثانی ص ۴۳

[۱۵۰] حلیۃ الاولیاء ابی نعیم اصفہانی الجزء الثانی ص ۴۱ [۱۵۱] صحیح بخاری مطبوعہ مصر۔ کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر الجزء الثالث ص ۳۸ ـ طبقات ابن سعد الجزء الثامن ذکر فاطمہ ص ۱۹ مستدرک علی الصحیحین الجزء الثالث ذکر فاطمہ ص ۱۶۲ ـ حلیۃ الاولیاء ابی نعیم الجزء الثانی ص ۴۳

اور نہ حضرت عائشہ کو اجازت دی گئی ۱۵۲ تاریخ الخمیس کی عبارت کا ترجمہ نیچے درج ہے۔

"ام جعفر کہتی ہیں کہ جناب فاطمہ نے اسماء بنت عمیس سے کہا جب میں جاؤں تو تم اور علی مجھکو غسل دیں اور اپنے سوا کسی اور کو میرے جنازے پر نہ آنے دیں پس جب حضرت فاطمہ کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہ آئیں مگر اسماء بنت عمیس نے ان کو جنازہ پر نہ آنے دیا۔ حضرت عائشہ نے ابو بکر سے جاکر شکایت کی کہ یہ خثعمیہ ہمارے اور بنت رسول کے درمیان حائل ہوتی ہے اور ایک ہودج مثل ہودج عروس جنازے کے لئے بنایا ہے پس حضرت ابو بکر آئے اور باہر ہی ٹھہر گئے اور کہا کہ اے اسماء تو کیوں ازواج رسول کو بنت رسول کے جنازے پر آنے سے روکتی ہے۔ اور کیوں جنازے کے لئے دولھن کا سا ہودج بنایا ہوا ہے۔ اسماء نے کہا کہ حضرت فاطمہ نے مجھے وصیت کی تھی۔ کہ ان کے جنازے پر کوئی اور نہ آوے اور ایسا ہودج انھوں نے پسند کیا تھا۔ جب میں نے ان کو بنا کر دکھایا تھا۔ ابو بکر نے کہا کہ اچھا تم کرو جو تم کو انھوں نے وصیت کی ہے۔ یہ کہکر واپس چلے گئے۔ اور جسد اطہر کو علی و اسماء نے غسل دیا۔ ابو عمرو دلابی نے بھی اس روایت کا اخراج کیا ہے۔

تاریخ الخمیس الجزء الثانی ص ۳۱۳ مطبوعہ مصر

حضرت فاطمہ نے ہر ایک زوجہ نبی کے لئے ۱۲ اوقیہ دینے کی وصیت کی۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ اور اتنا ہی بنو ہاشم کی ہر ایک عورت کو دیا تھا۔ اور کچھ اپنی بہن زینب کی لڑکی امامہ کو بھی دیا تھا۔ جناب معصومہ کی اس وصیت سے ہمکو سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ حالانکہ آپ کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ پورا گھر ہی تھا لیکن پھر بھی اپنے اور اپنے رشتہ داروں کے حق میں وصیت کی۔ اب مسلمانوں میں تو یہ ہے

---

۱۵۲ حسین دیار بکری تاریخ الخمیس الجزء الثانی۔ ص ۲۱۳۔ الاستیعاب ج ۲ ص ۷۷۲

علامہ سمہودی وفاء الوفا مطبوعہ مصر الجزء الثانی ص ۹۳

کھر اپنی بیوی اور بچوں ہی کے لیئے سب کچھ چھوڑ جاتے ہیں دوسروں کا خیال بھی نہیں
کرتے۔ علامہ سید محسن الامین لکھتے ہیں کہ جناب فاطمہ کے سات باغ تھے۔ ان کو جناب
فاطمہ نے اولاد ہاشم اور اولاد عبدالمطلب پر وقف کر دیا۔ اور اس وقف کا متولی حضرت علی
کو اور ان کے بعد امام حسن اور ان کے بعد امام حسین کو مقرر کیا اور امام حسین کے بعد جناب فاطمہ کی اولاد میں سے
جو بھی سب سے بڑا ہو گا وہ ولی و متولی ہو گا۔ آپ نے یہ وصیت تحریر کر دی تھی۔ ان سات باغوں
کے نام یہ تھے۔ العواف، الدلال، البرقہ، والمبیت، والحسنی، الصافیہ اور وہ جو ام ابراہیم
کے پاس تھا۔ اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص ۵۳۹

حافظ ابو نعیم حلیۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ جب وقت رحلت نزدیک آیا تو جناب
فاطمہ نے حضرت علی سے کہا کہ میرے غسل کا انتظام کرو۔ پس حضرت نے انتظام کیا۔ جناب
فاطمہ نے غسل کیا۔ طہارت کی۔ جدید کپڑے منگوا کر پہنے، حنوط لگایا اور پھر حضرت
علی سے کہا کہ ان ہی کپڑوں میں بعد رحلت غسل دے دینا۔ یہ کپڑے نہ اتارنا [۱۵۳]
ابن سعد نے طبقات الکبرےٰ میں اور ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں ابو رافع سے اور انہوں نے
سلمیٰ سے روایت کی ہے کہ جس دن آپ نے انتقال کیا ہے۔ انتقال سے تھوڑی
دیر پہلے سلمیٰ سے کہا کہ اے اماں میرے اوپر غسل کے لیئے پانی ڈالو۔ پس انہوں نے
پانی ڈالا جدید پوشاک منگوائی وہ پہنی۔ پھر فرمایا کہ میرا بچھونا بیچ گھر میں بچھا دو۔ پس
اس پر آپ لیٹ گیئں۔ قبلہ کی طرف رخ کیا اور پھر کہا کہ اے اماں جان میں ابھی
مرنے والی ہوں۔ میں نے غسل کر لیا ہے۔ اس کے بعد غسل کے لیئے میرے کپڑے
نہ اتارے جایئں۔ یہ کہا اور انتقال فرمایا۔ جناب معصومہ کی رحلت کی خبر فوراً
مدینہ میں پھیل گئی۔ اہل مدینہ نے مل کر گریہ و زاری کی۔ بنو ہاشم کی عورتیں آپ کے
گھر میں جمع ہوئیں اور اس شدت کے ساتھ گریہ و زاری کی کہ تمام مدینہ لرز گیا
اور وہ کہتی جاتی تھیں اے سیدہ، اے بنت رسول اللہ، اہل مدینہ حضرت علی
کے پاس جمع ہوئے۔ وہ لوگوں سے پرسا لے رہے تھے۔ اور جناب حسن اور

---

۱۵۳ حلیۃ الاولیاء الجزء الثانی ص ۴۳

اور حسین ان کے پاس بیٹھے رو رہے تھے اور ان دونوں کے رونے سے وہ سب لوگ رونے لگے۔ ام کلثوم گھر سے برقعہ پہن کر نکلیں اور قبر رسول کی طرف یہ کہتی ہوئی چلیں کہ اے رسول اللہ ہم نے محسوس کیا کہ آپ ہم سے جدا ہو گئے ہیں۔ اب اس کے بعد ہمیں آپ کی زیارت نصیب نہ ہوگی۔ لوگ جمع ہوئے اور اس انتظار میں تھے کہ جنازہ نکلے تو نماز جنازہ پڑھیں۔ اتنے میں ابوذر واپس آئے اور ان سے کہا کہ آپ سب چلے جائیں کیونکہ بنتِ رسول کا جنازہ ابھی نہیں اٹھے گا۔ یہ سنکر لوگ اٹھے اور چلے گئے۔ جناب فاطمہ نے ہر طریقہ سے امت پر ظاہر کر دیا کہ وہ دنیا سے ان لوگوں سے ناراض گئی ہیں۔ کیا اس وقت کہ جب ان لوگوں نے جناب معصومہ کی وصیت سنی ہوگی تو اپنے دل میں قائل نہ ہوے ہوں گے۔ کہ واقعی بنت رسول پر ظلم ہوا۔ اور وہ ہم سے ناراض ہونے میں حق بجانب تھیں۔

صحیح روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ غسل تو درحقیقت صرف حضرت علی نے دیا اور اسمار بنت عمیس اوپر کے کاموں میں مدد دیتی تھیں۔ اس طرح لوگوں کا یہ اعتراض بھی باقی نہیں رہتا کہ اس وقت تو اسمار بنت عمیس زوجہ ابی بکر تھیں۔ اور علی نامحرم تھے پھر دونوں نے مل کر غسل کیونکر دیا ہوگا۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت علی غسل دے رہے تھے اور جناب حسنین علیہما السلام پانی لا رہے تھے۔ اور اس وقت جناب زینبؑ ام کلثوم، فضہ و اسمار بنت عمیس کے علاوہ کوئی موجود نہ تھا۔ اور یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جناب فاطمہ کا لباس غسل کے وقت نہیں اتارا گیا۔ یہ بھی وصیت حضرت فاطمہ کی۔ اس وصیت سے جناب فاطمہ کی حیا کا درجہ معلوم ہوتا ہے

حضرت علی نے سات کپڑوں میں کفن دیا اور جناب رسولخدا کے کفن سے جو کافور باقی رہ گیا تھا وہ سب حنوط کیا۔ پھر نماز پڑھی پانچ تکبیروں کے ساتھ۔ آدھی رات کو دفن کیا اور قبر کا نشان بھی مٹا دیا۔ دفن و نماز کے وقت حضرت علی، حسنین علیہم السلام، عمار، مقداد، عقیل، زبیر، ابوذر، سلمان، بریدہ و چند بنو ہاشم کے۔ علاوہ اور

کوئی موجود نہ تھا۔ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ آدھی رات کو دفن کیا گیا اور دفن نماز جنازہ کے وقت حضرات شیخین موجود نہ تھے۔

مقام دفن میں اختلاف ہے۔ بہت سی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنے ہی گھر میں دفن ہوئیں اور یہ روایات صحیح اور قابل اعتبار ہیں۔ اور بعض روایات یہ ہیں کہ قبرستان بقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔ اور حضرت علی نے سات قبریں اسی طرح کی اور اس کے ارد گرد بنا دیں کہ آپ کی قبر کی شناخت نہ ہو سکے۔ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبر کا نشان مٹا کر زمین کو ہموار کر دیا۔ تاکہ مقام قبر کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں کیا اس کی وجہ وہی جناب فاطمہ کی وصیت معلوم ہوتی ہے کہ قبر پر کوئی وہ شخص نہ آئے جس سے آپ زندگی میں ناراض تھیں۔

بعض روایات میں تو یہ ہے کہ حضرت ابو بکر کو تو یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ نے انتقال فرمایا۔ اگرچہ ان روایات کی تنقید علامہ سمہودی نے اس طرح کی ہے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ حضرت ابو بکر کو جناب معصومہ کی رحلت کا بھی علم نہ ہوا حالانکہ ان کی زوجہ غسل جنازہ میں حاضر تھیں۔ لیکن اس بات کو وہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ حضرت ابو بکر کو یہ نہ معلوم ہوا کہ جناب معصومہ کو کب دفن کیا گیا ؎۱۵ لیکن ہم کہتے ہیں کہ ان دونوں امور میں کوئی ضد نہیں ہے۔ جناب اسماء بنت عمیس تو تیمارداری میں بھی شامل تھیں اور رحلت سے کئی دن پہلے سے آتی جاتی تھیں اور تیمارداری کرتی تھیں۔ جب جناب فاطمہ کی رحلت ہوئی تو اس وقت کونسا وقت اور موقع تھا کہ سب سے پہلے جا کر اس کی اطلاع وہ حضرت ابو بکر کو دیتیں۔ حضرت ابو بکر کو کونسی رفاقت و محبت جناب فاطمہ سے تھی یا ہمدردی حضرت علی سے تھی کہ ان کو فوراً ہی اطلاع دیجاتی۔ اپنے شوہر و اہلبیت رسالت کے تعلقات سے وہ آگاہ تھیں۔ ہاں اگر حضرت عائشہ ہوتیں تو شاید وہ سب سے پہلے حضرت ابو بکر ہی کو اطلاع دیتیں کہ لو یہ ایک کانٹا تھا وہ بھی نکل گیا

؎۱۵ وفاء الوفا باخبار دار المصطفٰی مطبوعہ مصر الجزء الثانی ص ۹۲

کوئی یہ خیال نہ کرے کہ چونکہ حضرت اسماء بنت عمیس کے تعلقات حضرت فاطمہ سے اچھے تھے تو ان کے شوہر بھی ان کے دوست ہی ہونگے۔ حضرت عائشہ و جناب رسولخدا کی مثال اس خیال کی تردید کرتی ہے۔ حضرت عائشہ حضرت فاطمہ و حضرت علی کی کتنی مخالف تھیں حضرت علی کا ذکر خیر نہیں سن سکتی تھیں۔ لیکن برخلاف اس کے حضرت رسولخدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ان دونوں حضرات سے کتنی محبت تھی۔ جب جناب رسولخدا کے اثر سے حضرت عائشہ کی طبیعت نہ بدل سکی تو حضرت ابو بکر کے اثر سے جناب اسماء بنت عمیس کی طبیعت کیونکر بدلجاتی۔ اور اپنی بیوی کو حضرت فاطمہ کے گھر جانے سے ان کی بیماری کے موقع پر جبراً روکنا حضرت ابو بکر کی سیاسی مصلحتوں کے خلاف تھا۔

امام المحدثین ابو عبد اللہ المعروف بالحاکم کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رات کو دفن ہوئیں۔ حضرت علی نے غسل دیا۔ جنازہ اٹھایا۔ اور رات کو دفن کیا اور ابو بکر کو اس کی اطلاع نہ ہوئی[۱۵۵]

علامہ طبری نے دلائل النبوۃ میں محمد بن ہمام سے روایت نقل کی ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے حضرت فاطمہ کے جسد اطہر کو رات کو بقیع میں دفن کیا اور ان کی قبر کا نشان مٹا دیا۔ جس رات کو آپ کو دفن کیا گیا اس رات کو چالیس اور قبریں بقیع میں بنائی گئیں دفن کرنیکے بعد جناب امیر علیہ السلام کھڑے ہوئے اور اپنا منہ قبر رسول کی طرف پھیر کر اس طرح فریاد کی۔

السلام علیک یا رسول اللہ عنی وعن ابنتک وزائرتک النازلۃ فی جوارک والبائتۃ فی الثری ببقعتک والمختار اللہ لہا سرعۃ اللحاق بک قل یا رسول اللہ عن صفیتک صبری ورق عنہا تجلدی الا ان فی التاسی بعظیم فرقتک وفادح

اے رسول اللہ آپ پر میرا اور آپکی دختر کا سلام ہو جو اب آپ سے ملنے اور آپ کے ہمسایہ میں رہنے آئی ہیں۔ اور آپکے بقعہ میں تہ خاک آرام کرینگی اور خدا نے ان کو آپ سے بہت جلد ملا دیا۔ اے رسول اللہ آپ کی محبوبہ دختر کی جدائی سے میرا صبر جاتا رہا ہے لیکن آپکی جدائی کا صدمہ و تکلیف جو میں نے برداشت کیا اس کی میں اب تقلید کرتا ہوں۔ میں نے آپ کو

مصیبتک موضع تعزفلقد
وسدتک فی ملحود قبرک وفاضت
بین نحری وصدری نفسک
بلی وفی کتاب اللہ لی انعم
القبول انا للہ وانا الیہ راجعون
قد استرجعت الودیعۃ واخذت
الرھینۃ واختلست الزھراء
فما اقبح الخضراء والغبراء یا
رسول اللہ اما حزنی فسرمد
واما لیلی فمسھد الی ان یختار
اللہ لی دارک التی انت فیھا
مقیم کمد مقیح وھم مھیج
سرعان ما فرق بیننا والی اللہ
اشکو وستنبئک ابنتک بتضافر
امتک علی ھضمھا فاحفھا
السوال واستخبرھا الحال
فکم من غلیل معتلج بصدرھا
لم تجد الی بثہ سبیلا و
ستقول ویحکم اللہ وھو
خیر الحاکمین والسلام علیکما
سلام مودع لا قال و لا
سئم فان انصرف فلا
عن ملالۃ وان اقم فلا عن

لحد میں سلایا۔ اور آپ کی روح و بدن
کی جدائی اس وقت ہوئی کہ جب آپ کا
جسم میری گردن و سینے کے درمیان تھا
قرآن شریف کا حکم میرے لئے کافی ہے۔ انا
للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ نے اپنی
ودیعت واپس لے لی اور اپنی پارہ جگر کو
جو میرے پاس چھوڑا تھا آپ نے اپنے پاس
بلا لیا۔ زمین و آسمان میرے لئے اندھیر ہو گئے
اب میرا غم دائمی ہو گیا۔ اور میری راتیں
نیند و آرام سے خالی ہو گئیں جب تک کہ
خداوند تعالیٰ مجھے بھی اس مقام پر بلا لے جہاں
آپ ہیں میرے دل میں زخم پیپ آلود پڑ گئے ہیں
اور غم کی موجیں جوش میں آگئیں۔ کتنی جلدی ہمارے
ایک دوسرے کے درمیان جدائی ہوئی ہے
میں خدا سے شکایت کرتا ہوں اور آپ کی بیٹی
آپ کو آگاہ کریگی کہ آپ کی امت نے آپ کی
دختر کے حق کو آپس میں غصب کرنے میں آپس
میں مدد کی۔ آپ ان سے سوال کریں اور وہ
آپ کو سارا حال بتائیں گی۔ ان کے سینے
میں شدید غم و الم بھرا ہوا تھا جس کے ظاہر کرنیکا
موقع انہیں اس دنیا میں نہ ملا۔ اب وہ آپ
کو بتائیں گی۔ اور خدا سب سے بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے
تم دونوں پر میرا سلام ہو وداع کرنیوالا سلام
[illegible]

سوءِ ظن بما وعد اللہ الصابرین
واھا واھا والصبر ایمن و
اجمل فلولا غلبۃ المستولین
لجعلت المقام واللبث لزاما
معکوفا ولا غولت اعوال الثکلی
علیٰ جلیل الرزیۃ فبعین اللہ
تدفن ابنتک سرا وتھضم حقھا
وتمنع ارثھا ولم یطل العھد
ولم یخلق منک الذکر الی
اللہ یا رسول اللہ المشتکی و
فیک یا رسول اللہ احسن العزا
صلے اللہ علیک وعلیھا و
علیھا السلام والرضوان
(اعیان الشیعہ سید محسن الامین
الجزء الثانی ص ۷/۴/۵/۸،۵۴۵

تو وہ اس وجہ سے نہ ہوگا کہ جو وعدہ
صابرین کے ساتھ خدا نے کیا ہے اس پر
میرا یقین نہیں۔ ہائے ہائے صبر ہی بہتر
ہے اور اگر جابر و ظالم لوگوں کا غلبہ نہ ہوتا
تو بس قبر پر مقیم ہو جاتا اور اس
مصیبت عظیم پر گریہ و زاری کرتا۔ کہ جیسے
مادر مردہ پسر گریہ و زاری کرتی ہے۔ پس
خدا کے سامنے آپ کی دختر پوشیدگی
کے ساتھ دفن کی گئی۔ ان کا حق تلف کر لیا
گیا۔ اور ان کو میراث بھی نہ دی۔ درانحالیکہ
ابھی آپ کی یاد لوگوں میں پورانی نہیں ہوئی
اے رسول خدا خدا سے ہم شکایت کرتے ہیں اور
آپ سے بہتر کون ہے جس سے فاطمہ زہرا
کے رحلت کی تعزیت کی جائے۔

. . . .

جناب فاطمہ کی قبر کے کنارے پر کھڑے ہو کر حضرت علی مرتضےٰ نے یہ دو شعر
اسی وقت انشا کر کے پڑھے

(۱) لکل اجتماع من خلیلین فرقۃ — وکل الذی دون الفراق قلیل
(۲) وان افتقادی فاطما بعد احمد — دلیل علی ان لا یدوم خلیل

ترجمہ:۔ دو دوستوں کے ایک جگہ جمع ہونے کے بعد فرقت ضرور ہوتی ہے۔ فراق کے
علاوہ جو زمانہ ہوتا ہے یعنی (زمانہ وصال) وہ بہت ہی قلیل ہوتا ہے۔
(۲) میرے دوستوں یعنی فاطمہ و احمد کا یکے بعد دیگرے کھو جانا اس بات کی دلیل ہے
کہ دوست ہمیشہ نہیں رہتا۔

علامہ طبری نے دلائل الامامۃ میں محمد بن ہمام سے نقل کیا ہے کہ جب مسلمانوں کو جناب فاطمہ زہرا کے انتقال کی خبر ملی تو وہ سب بقیع میں آ گئے۔ تو وہاں ان کو چالیس قبریں جدید نظر آئیں اس وجہ سے ان کو نہ معلوم ہو سکا کہ ان قبروں میں سے کونسی قبر جناب فاطمہ کی ہے تو ان کو بہت رنج ہوا اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ تمہارے نبی نے فقط ایک لڑکی ہی تو چھوڑی تھی۔ وہ مر بھی گئی۔ دفن بھی ہو گئی اور تم نہ اس کی رحلت کے وقت حاضر آئے۔ نہ اس پر نماز پڑھی۔ یہاں تک کہ تم اس کی قبر سے بھی واقف نہیں۔ کہ وہ کہاں ہے۔ اس پر حکام خلافت نے کہا کہ جاؤ مسلمانوں کی عورتوں کو بلا لاؤ۔ اور وہ ان قبروں کو کھودیں تاکہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ فاطمہ کی کونسی قبر ہے تو پھر ہم ان پر نماز پڑھیں اور ان کی زیارت کریں۔ یہ خبر حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کو بھی پہنچی۔ آپ غصے میں بھرے ہوئے، آنکھیں سرخ ہوئی ہوئی، رگِ گردن غصہ سے پھولی ہوئی، وہ زرد قبا اوڑھے ہوئے جو آپ ہمیشہ گھمسان کی لڑائی میں اوڑھا کرتے تھے۔ اپنی ننگی تلوار ذوالفقار پر تکیہ کیئے ہوئے بقیع میں تشریف لائے۔ لوگوں پر رعب وخوف چھا گیا۔ اور کہنے لگے دیکھو کس غصے کی حالت میں علی ابن ابی طالب آئے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں خدا کی قسم کھا کے کہ اگر کسی نے ایک پتھر بھی ان قبروں کا اکھاڑا تو میں اس کی گردن اس تلوار سے اڑا دونگا۔ اب حکام خلافت ٹھنڈے پڑ گئے اور ان میں سے ایک شخص نے حضرت علی کو مخاطب کر کے کہا کہ اے ابو الحسن آپ کو کیا ہوا ہے۔ اور آپ کا کیا حرج ہے۔ ہم تو اسلئے قبر فاطمہ کو اکھیڑنا چاہتے ہیں کہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں۔ حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اپنے کپڑوں پر مکا مارا۔ اور برہنہ تلوار کو زمین پر زور سے دے مارا۔ اور فرمایا کہ میں نے اپنا حق تو محض اس وجہ سے چھوڑا اور اس کے لینے کے لئے تلوار نہ اٹھائی کہ لوگ مرتد ہو جاتے۔ لیکن قبر فاطمہ تو اس قادر مطلق کی قسم ہے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں علی کی جان ہے کہ اگر تو نے یا تیرے اصحاب نے ایک ڈھیلا بھی اس قبر سے اٹھایا تو میں اس زمین کو تم سب کے خون سے سیراب کر دوں گا۔ بس اگر چاہتا ہے تو لے سامنے آجا۔ اب

دوسرے صاحب جو نرمی سے گفتگو کر رہے تھے حضرت علی سے مخاطب ہو کر بولے کہ رسولخدا کی
حق کی قسم اور اس کے حق کی قسم جو عرش کے اوپر ہے ہم اب یہ کام نہ کرینگے۔ کہ جس سے تم ناراض
ہوتے ہو۔ یہ کہہ کر وہ لوگ چلے گئے اور پھر کسی نے ادھر کا خیال نہ کیا۔[۱۵۶]

ہم حیران ہیں ان لوگوں کی ذہنیت اور عقل پر جو حضرت فاطمہ و حضرت علی کے سوانح
حیات سے واقفیت رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت علی اس انتظام حکومت سے خوش تھے۔
جو آنحضرت کے انتقال کے بعد ہوا۔ اپنے تئیں حق دار نہیں سمجھتے تھے۔ اور اپنا حق نہیں جتایا
اگر حق دار تھے تو انھوں نے تلوار کیوں نہ اٹھائی۔ فاتح بدر و حنین و خیبر کی تلوار کو کیا ہو گیا
غور لو کرو ان کی تلوار ایسی ہی تھی کہ جیسے پہلے تھی۔ ہر موقع پر اپنا حق جتایا۔ دوسروں کے ظلم
کو آشکارا کیا اور یہ بھی بتایا کہ میں خلافت کے لئے تلوار کیوں نہیں اٹھاتا۔

باب ہفدہم

(ہشتدہم)

جناب معصومہ کے وہ اقوال و افعال و تحریکات جنکی صحت و واقعیت مسلمہ امت ہے اور جن پر معرفت ائمۂ حق و صراط مستقیم اور شناخت ائمۂ مضلین اور دشمنان رسول اور آل رسول مبنی ہے

جب آنحضرت کی رحلت کے بعد اسلام پر وہ مصیبت پڑی جس کا ذکر کتاب الفتن کے
عنوان کے تحت میں بخاری و صحیح مسلم و دیگر کتب احادیث میں موجود ہے تو سب سے پہلی داعیہ
الی الاسلام جناب فاطمہ ہیں۔ اور جس غم میں گھل گھل کر جناب معصومہ نے انتقال فرمایا۔
وہ یہی تھا کہ آنحضرت کے بعد کیسی جلدی لوگوں نے صراط مستقیم کو چھوڑ دیا۔ اسی سے آنحضرت
کی جدائی کا رنج اور زیادہ شدید ہو گیا۔ آپ کی زندگی کے مندرجہ ذیل واقعات

---

[۱۵۶] اعیان الشیعہ الجزء الثانی ص ۴۹۵۔ طبع ثانی۔

غور طلب ہیں۔

(۱) والیانِ ریاست سے اپنی میراث طلب کرنا۔

(۲) اس دعوے کی پیروی خود ارباب حکومت میں آ کر کرنی تاکہ لوگوں کو یہ شبہ نہ ہو کہ انہیں تو اس کا خیال نہیں۔ دوسرے لوگ خواہ مخواہ یہ تنازعہ کھڑا کر رہے ہیں

(۳) اس معاملہ کو اپنی طرف نسبت دینے میں اتنا مبالغہ کرنا کہ حضرت علی سے بھی شکایت کی کہ آپ خاموش کیوں ہیں۔

(۴) اس دعوے کے انکار پر وہ عظیم الشان خطبہ لوگوں کے مجمع میں ادا کرنا جس سے حق و ناحق صاف طور سے نمایاں ہو گیا۔

(۵) جناب معصومہ اور حضرت علی نے حکومت کے فیصلۂ فدک کو ہمیشہ غلط سمجھا اور اس کو ظلم سے تعبیر کیا۔

(۶) جناب فاطمہ زہرا نے صاف طور سے برملا ان لوگوں کے منہ پر کہدیا کہ خلافت حضرت علی کا حق تھا اور ان کو خلافت سے محروم رکھنا ان کے اوپر ظلم عظیم ہے اور اسلام کے لیئے باعث بربادی ہے۔

(۷) ان لوگوں سے آپ نے صاف فرما دیا کہ میں تم سے ناراض ہوں اور تمہاری شکایت جا کر خدا اور رسول سے کرونگی۔ اور پھر مرتے دم ان سے گفتگو نہ کی۔

(۸) جناب فاطمہ نے وصیت کی کہ جنازہ رات کو اٹھے، چنانچہ جنازہ آپ کا رات کو اٹھا تھا۔

(۹) یہ بھی وصیت تھی کہ جنازہ پر وہ لوگ نہ آئیں جنہوں نے آپ پر ظلم کیا تھا اور جن سے آپ ناراض تھیں چنانچہ وہ لوگ جنازے پر آنے سے روک دیئے گئے۔ اور انھوں نے جس طرح رسولخدا کے دفن و کفن میں شریک ہونیکی سعادت حاصل نہ کی تھی اسی طرح بنتِ رسول کی تجہیز تدفین و تکفین کی شرکت سے محروم رہے۔

(۱۰) جناب رسولخدا کا قول کہ جسنے فاطمہ کو ایذا دی اور ناراض کیا، اس نے مجھے ایذا دی اور ناراض کیا۔ اور جس نے مجھے ناراض کیا اس نے خداوند تعالےٰ کو ناراض کیا۔

باب ہشتدہم (نوزدہم)

جناب فاطمۃ الزہرا کے اوقاف و صدقات

جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے سات باغ تھے، بوقت رحلت آپ نے بروئے وصیت تحریری اون کو بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب کے حق میں وقف کر دیا۔ ان کا انتظام و تولیت جناب علی مرتضٰی کے ہاتھ میں رکھی گئی۔ ان کے بعد امام حسن اور ان کے بعد امام حسین بروئے وصیت متولی مقرر کئے گئے۔ امام حسین کے بعد جناب فاطمہ کی اولاد میں جو سب سے بڑا ہو وہ مقرر کیا گیا۔ جب امام محمد باقر علیہ السلام سے اس وصیت کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپ نے ایک تحریر نکالی اس وصیت کی نقل ہم باب شانزدہم میں درج کر چکے ہیں۔

جناب ابوالحسن الثانی علیہ السلام سے ان سات باغوں کی نسبت سوال کیا گیا جو جناب فاطمہ کو ورثہ میں جناب رسولخدا کی طرف سے ملے تھے تو آپ نے فرمایا کہ وہ ساتوں باغ وقف تھے۔ جن کی آمدنی میں سے جناب رسولخدا اپنے مہمانوں اور متعلقین پر خرچ کیا کرتے تھے۔ جب آنحضرت کا انتقال ہوا تو اس میراث کا تنازعہ عباس نے جناب فاطمہ سے کیا۔ اس پر حضرت علی اور دیگر لوگوں نے گواہی دی کہ وہ ساتوں باغ جناب فاطمہ کے حق میں بروئے وصیت جناب رسولخدا نے وقف کر دیئے تھے۔ صاحب اعیان الشیعہ لکھتے ہیں کہ ان خبروں میں ذرا شک کی گنجائش رہ جانے کا امکان ہے۔ کیونکہ بعض روایات سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ جناب فاطمہ نے بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب پر وقف کر دیا تھا۔ اگر یہ ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آپ کی ملکیت میں تھے۔ کیونکہ وقف تو اس وقت ہی ممکن ہے کہ جب واقف ملکیت کا حامل ہو۔ اور بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسولخدا نے یہ جناب فاطمہ کے حق میں وقف کئے تھے۔ اگر ایسا ہے تو پھر جناب فاطمہ ان کو بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب پر وقف نہیں کر سکتی تھیں۔ کیونکہ وقف میں پھر دوبارہ وقف نہیں ہوتا۔ ان دونوں قسم کی روایات میں اس طرح مطابقت

ہو سکتی ہے کہ یہ وقف جناب رسول خدا ہی نے اس طرح کر دیا ہو کہ جناب فاطمہ کی حیات تک تو وہ ان کے حق میں رہے اور ان کے بعد بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کی طرف عود کر آوے۔ اور اسی ترتیب سے اس کا انتظام اور تولیت رکھا ہو جو جناب فاطمہ کی وصیت میں درج ہے[۱۵۷]

باب نوزدہم

اولاد

اس پر تمام امت اسلامیہ کا اتفاق ہے کہ جناب فاطمہ کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں۔ اولاد نرینہ میں حضرت امام حسن و حسین و محسن تھے۔ اور اولاد اناث میں حضرت زینب و ام کلثوم تھیں۔ ہم ان میں سے ہر ایک کا مختصر حال لکھتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوگا کہ جناب فاطمہ نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کس طرح کی تھی۔ اور یہ بھی ظاہر ہوگا کہ جناب معصومہ کی اولاد کو اپنے والدین کی طرف سے دنیاوی ورثہ میں سے صرف ایک چیز ملی تھی اور وہ امت کا سلوک تھا۔ یہ بات ضرور ہے کہ امت نے سب کے ساتھ یکساں ہی سلوک کیا۔ اگرچہ اختلاف حالات کی وجہ سے طریقۂ سلوک کی مختلف صورتیں ہو گئیں۔ لیکن نوعیت ایک ہی رہی ظلم و تعدی۔

امام حسن علیہ السلام۔

پیدائش۔ بمقام مدینہ منورہ شب درمیانی ۱۴، ۱۵ ماہ رمضان المبارک سنہ ۳ھ مطابق ۲۹ فروری سنہ ۶۲۵ء روز جمعہ۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شاید سنہ ۲ھ ہو۔ لیکن زیادہ مشہور سنہ ۳ھ ہے۔ آپ اپنی والدین کی سب سے پہلی اولاد تھے۔

---

۱۵۷ اعیان الشیعہ طبع دوم۔ الجزء الثانی ص ۵۴۰

سوانح حیات جناب امام حسن اہلبیت رسول میں ہیں اور انکی اولاد میں شمار ہوتے ہیں۔ جناب رسولخدا فرمایا کرتے تھے کہ تمام انبیاء کی اولاد ان کے اپنے صلب میں ہوتی ہے لیکن میری اولاد صلب علی ابن ابی طالب میں ہے — امام حسن آیۂ تطہیر میں شامل اور آلِ عباء میں داخل ہیں۔ آیت مباہلہ میں ابناءنا کی جگہ آپ نے اور آپ کے بھائی امام حسین نے لے تھی۔ اور اس بڑے معرکہ مباہلہ میں آپ منتخب کئے گئے تھے۔ جناب رسولخدا کو امام حسن و حسین سے بہت ہی محبت تھی۔ امام حسن کی عمر آٹھ سال سے چند ماہ کم تھی کہ جناب رسولخدا کا انتقال ۲۸ ماہ صفر سنہ ۱۱ھ مطابق ۲۵ مئی سنہ ۶۳۲ء کو ہو گیا اور ابھی تین ہی مہینے گذرے تھے کہ جمادی الآخر سنہ ۱۱ھ کی تین تاریخ مطابق ۲۶ اگست سنہ ۶۳۲ء کو آپ کی مادر گرامی حضرت فاطمہ کا انتقال ہو گیا۔ ۲۴ محرم سنہ ۳۵ھ مطابق ۲۳ جون سنہ ۶۵۶ء کو حضرت علیؑ تخت خلافت ظاہری پر متمکن ہوئے۔ روز اول ہی سے طلحہ و زبیر و معاویہ کی بغاوت شروع ہو گئی۔ حضرت عائشہ نے بھی اپنی مخالفت کا اعلان جنگ جمل کی صورت میں کر دیا۔ جنگ جمل و جنگ صفین میں امام حسن شامل تھے۔ ۲۱ رمضان سنہ ۴۰ھ مطابق ۳۰ جنوری سنہ ۶۶۱ء میں حضرت علی کی شہادت پر امام حسن علیہ السلام اپنے والد کے جانشین ہوئے۔ لیکن معاویہ کے دونوں ہتھیار یعنی زہر و فریب اپنا کام کر چکے تھے۔ اور امام حسن کی فوج میں علانیہ بغاوت ہو گئی۔ شوال سنہ ۴۱ھ مطابق ۳۰ جولائی سنہ ۶۶۱ء میں معاویہ سے صلح ہوئی۔ صلح کی شرائط میں سے تین شرطیں یہ تھیں کہ (۱) معاویہ جناب علی مرتضےٰ کو امام حسن کے سامنے برا نہیں کہے گا (۲) معاویہ کچھ رقم امام حسن کو ادا کریگا۔ (۳) معاویہ کے مرنے پر امام حسن کو خلافت ملے گی پھر امام حسین خلیفہ ہوں گے[۱۵۹]

---

[۱۵۹] امیر علی تاریخ انگریزی۔

ابن عبدالبر: الاستیعاب الجزء الاول ص ۱۴۳، ۱۴۴ ترجمہ حسن ابن علی

ابن قتیبہ: کتاب الامامت و السیاست الجزء الاول ص ۱۳۶

ابن حجر مکی صواعق محرقہ الباب العاشر فی خلافۃ الحسن ص ۸۱

مولانا جامی:۔ شواہد النبوۃ رکن سادس ص ۱۷۲ مطبوعہ نولکشور

مصباح الدین احمد: الہارون ص ۱۳۴

اس صلح کا شوال ۴۱ھ میں ہونا مسٹر امیر علی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ علامہ ابن عبدالبر اور علامہ حاکم اس صلح کو ۱۵ ربیع الاول؍ جمادی الاولے ۴۱ھ مطابق ۱۶ نومبر ۶۶۱ء میں ہونا بیان کرتے ہیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ کسی کتاب سے یہ نہیں پایا جاتا کہ امام حسن نے معاویہ کی بیعت کی۔ صرف تحریرات کے ذریعہ سے صلح ہوئی تھی۔ معاویہ نے بیعت پر اصرار نہیں کیا۔ اگر کیا ہوگا تو امام حسن نے انکار کیا ہوگا۔ چنانچہ جب معاویہ کوفہ میں آیا اور امام حسن بھی اس کے مقام پر تشریف لے گئے۔ تو اس نے یہ کہا کہ آپ خطبہ دیدیں تاکہ لوگوں پر ظاہر ہو جائے کہ آپ نے مجھ سے صلح کر لی ہے۔ اگر بیعت کر لیتے تو پھر معاویہ یہ بات نہ کہتا۔ اس کی اس خواہش کو امام حسن نے مان لیا۔ اور منبر پر تشریف لے جا کر یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

فحمد اللہ واثنیٰ علیہ وصلی علی النبی وآلہ ثم قال من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا الحسن ابن رسول اللہ انا ابن البشیر النذیر انا ابن المصطفیٰ بالرسالۃ انا ابن من صلت علیہ الملٰئکۃ انا ابن من شرفت بہ الامۃ انا ابن من کان جبرائیل السفیر من اللہ انا ابن من بعث رحمۃ للعالمین، فلم یقدر معاویہ ان یکتم عداوتہ وحسدہ فقال یا حسن علیک بالرطب	بعد حمد و ثنائے الٰہی و درود بر نبی اکرم آپ نے فرمایا کہ جو مجھکو جانتا ہے وہ جانتا ہی جو مجھ کو نہیں جانتا ہے اس کو میں بتاتا ہوں کہ میں پیغمبر خدا بشیر و نذیر کا بیٹا ہوں۔ اس شخص کا پسر ہوں جس کو خدا نے اپنی رسالت کے لیے منتخب کر لیا جس کے جنازے پر ملائکہ نے نماز پڑھی جس سے امت سرخرو ہوئی جس کے پاس جبرئیل خدا کی طرف سے سفیر بنکر آتے تھے۔ جو مخلوق کیلئے رحمۃ للعالمین بنا۔ معاویہ اس پر قادر نہ ہوا کہ نبی صلعم کی عداوت جو اس کے دل میں تھی چھپا لیتا۔ معاویہ نے کہا کہ اے حسن کچھ خرمائے تر کی صفات بیان کرو۔ امام حسن نے جواب میں کہا کہ اچھا اے معاویہ یہ فرمایا

فانعته لنا قال نعم یا معاویه
الریح تلقحه والشمس تنفحه
والقمر یلونه والحر ینضجه و
اللیل یبرده ثم ادبر علی
منطقه فقال انا ابن المستجاب
الدعوة انا ابن من کان من
ربه کقاب قوسین او ادنی
انا ابن الشفیع المطاع انا
ابن مکة ومنی انا ابن من
خضعت له قریش رغما انا
ابن من سعد تابعه وشقی
خاذله انا ابن من جعلت
الارض له طهورا ومسجدا
انا ابن من کانت اخبار السماء
الیه تتری انا ابن من اذهب
الله عنهم الرجس وطهرهم
تطهیرا فقال معاویه اظن
نفسک یا حسن تنازعک
الی الخلافة فقال ویلک یا
معاویه انما الخلیفة من
سار بسیرة رسول اللہ (ص)
وعمل بطاعته ولعمری انا
لاعلام الهدی ومنار التقی

کہ ہوا خرمائی بر کو بڑھاتی ہے
سورج اس کو خوشبو دیتا ہے۔ چاند
رنگ دیتا ہے۔ گرمی پکاتی ہے۔ رات
اس کو سرد کرتی ہے۔ پھر اپنے سابقہ
کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ کہ میں
فرزند ہوں اس کا جس کی دعا قبول ہوئی۔
جس کے اور اس کے خدا کے درمیان فاصلہ
صرف قاب قوسین کا رہ گیا تھا۔ یا اس سے بھی کم
جو شفیع روز جزا ہے جسکی اطاعت واجب ہے
میں مکہ و منی کا فرزند ہوں۔ میں اس کا فرزند ہوں
جس کے آگے قریش نے اپنی ناک رگڑ دی جس
کا پیرو نیکی پر فائز ہوا۔ اور جس نے اسکو چھوڑ دیا
وہ شقی ہوا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کیلئے
زمین طاہر و قابل سجدہ بنائی گئی جس کے پاس
آسمان کی خبریں لگاتار آتی تھیں جس کو خداوند
تعالیٰ نے پاک و پاکیزہ رکھا۔ معاویہ سے
نہ رہا گیا اور کہا کہ اے حسن کیا تمہارا دل
خلافت کے لیئے تنازعہ کرنا چاہتا ہے آپنے
جواب دیا کہ وائے ہو تجھ پر اے معاویہ خلیفہ
وہ ہے جو سیرت رسول پر چلتا ہے۔ اور
ان کے عمل و احکام کی اطاعت کرتا ہے۔
بخدا میں ہدایت کا علم پرہیزگاری کا
مینار ہوں۔

ولكنك يا معاوية ممن اباد السنن واحيا البدع واتخذ عباد الله خولاً ودين الله لعباً فكان قد خمل ما انت فيه فعشت يسيراً وبقيت عليك تبعاته

اور اے معاویہ تو ان میں سے ہے جنھوں نے سنت رسول کو برباد کیا اور بندگان خدا کو اپنا غلام بنا لیا اور خدا کے دین کو کھلونا بنا لیا جس میں تو ہے وہ بربادی ہے

یہ خطبہ ہم نے علامہ محسن الامین کی اعیان الشیعہ الجزء الرابع قسم اول ص ۷۰ سے لیا ہے تحف العقول میں بھی یہ درج ہے۔ اسی خطبہ کو ذرا تھوڑے اختلاف سے ابن الجوزی نے تذکرۃ الخواص الامۃ میں ابن الاثیر نے تاریخ الکامل میں، ابن عبد البر نے الاستیعاب میں اور ابو الفرج الاصفہانی نے مقاتل الطالبین میں نقل کیا ہے۔ انہوں نے اس طرح نقل کیا ہے۔ یہ بھی اعیان الشیعہ میں درج ہے۔

ايها الناس ان الله هداكم باولنا وحقن دماءكم بآخرنا نحن اهل بيت نبيكم اذهب الله عنا الرجس وطهرنا تطهيراً نحن حزب الله المفلحون وعترة رسوله المطهرون واهل بيته الطيبون الطاهرون واحد الثقلين الذين خلفهما رسول الله (ص) فيكم فطاعتنا مقرونة بطاعة الله فان تنازعتم في شيء فردوه الى الله والى الرسول وقال الا ان الكيس الكيس التقي واعجز العجز الفجور وان لهذا الامر مدة وان الدنيا دول انما الخليفة

اے لوگو! خدا نے تم کو ہمارے پہلے شخص (محمدؐ) کے ذریعے سے ہدایت دی اور آخری شخص (حسنؑ) سے تمہارے خون بہنے سے بچا لیا۔ ہم تمہارے نبی کے اہلبیت ہیں۔ ہم سے خداوند تعالےٰ نے رجس و ناپاکی دور رکھی ہے۔ اور پاک و صاف کیا ہے۔ ہم خدا کے فلاح پانے والے گروہ ہیں۔ اس کے رسول کی پاک اولاد ہیں۔ اور اس کے طیب و طاہر اہلبیت ہیں۔ دو گرانبہا چیزوں میں سے ایک ہیں۔ وہ دو چیزیں جن کو رسول خدا نے تمہارے درمیان بطور وراثت کے چھوڑا۔ اور ہماری اطاعت تمہارے اوپر فرض ہے۔ اور خدا کی اطاعت کے نزدیک ہے۔ اور حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم کسی شے میں تنازعہ کرو تو اس تنازعہ کو خدا و رسول

من سار بكتاب الله وسنة
نبيه (ص) وليس الخليفة من
سار بالجور ذلك ملك ملكا
يمتع فيه قليلا ثم تنقطع لذته
وتبقى تبعته ثم التفت الى
معاويه فقال وان ادرى
لعله فتنة لكم ومتاع الى حين
فضج الناس بالبكاء فالتفت
معاويه الى عمرو وقال هذا
رايك ثم قال الحسن حسبك
يا ابا محمد۔

کے پاس لے جاؤ۔ آپنے فرمایا خبردار ہو جاؤ میں نے
تقوائے کا لباس پہن لیا ہے۔ اور میں فجور کی چیزیں
اکھاڑ کر پھینک دیتا ہوں۔ حکومت و دولت
کی ایک میعاد ہوتی ہے۔ اور دنیا ہرتی پھرتی
چھاؤں ہے۔ خلیفہ وہ ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول
کی پیروی کرتا ہے۔ وہ خلیفہ نہیں ہے جو جور و
ظلم کرتا ہے۔ یہ بادشاہوں کا ملک بہت قلیل
عرصہ کے لیئے فائدہ پہنچاتا ہے۔ اور پھر اسکی
لذت منقطع ہو جاتی ہے۔ اور اسکی برائیوں
کے نتائج باقی رہتے ہیں۔ پھر آپ معاویہ کی
طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کہ آیا تجھے کچھ
معلوم بھی ہے کہ تم لوگ کس فتنے میں ہو۔ اور اس سرمایہ کی مدت بہت قلیل ہے۔ یہ خطبہ سنکر لوگ بہت
روئے اور معاویہ نے عمرو بن العاص کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ یہ تیری رائے کا نتیجہ ہے۔ پھر امام حسن سے کہا کہ اے ابو محمد بس کیجئے

اس خطبہ کا بہت بڑا حصہ طبری نے اپنی تاریخ میں بھی نقل کیا ہے۔ دیکھو تاریخ
طبری عربی الجزء السادس ص ۹۳، ۹۴

ابو الحسن المدائنی نے امام حسن کا ایک اور خطبہ نقل کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔

الحمد لله الذى توحد فى
ملكه وتفرد فى ربوبيته
يؤتى الملك من يشاء وينزعه
عمن يشاء والحمد لله الذى
اكرم بنا مومنكم واخرج من
الشرك اولكم وحقن دماء
آخركم فبلاؤنا عندكم

تعریف ہے اس خدا کی جو اپنی قدرت و سلطنت
میں واحد ہے اور صفت ربوبیت میں کوئی اس کا
شریک نہیں جس کو چاہتا ہے اپنا ملک دیتا ہے اور
جس سے چاہتا ہے اپنا ملک واپس لے لیتا ہے تعریف
ہے اس خدا کی جس نے تمہارے مومنوں کو ہماری وجہ سے
بزرگی دی اور تمہارے پہلے لوگوں کو ہماری وجہ
سے شرک سے نکالا اور آخری لوگوں کا خون ہماری وجہ سے

قد بما وجد بينا احسن البلاء
ان شكرتم او كفرتم ايها الناس
ان رب علی كان اعلم بعلی
حين قبضه اليه ولقد اختصه
بفضل لم تعتد وا بمثله ولم
تجد وا مثل سابقته فهيهات
هيهات طالما قلبتم له
الامور حتی اعلاه الله عليكم
وهو صاحبكم وعدوكم فی
بدر واخواتها جرعكم رنقا
وسقاكم علقا واذل رقابكم
واشرقكم بريقكم فلستم
بملومين على بغضه وايم الله
لا ترى امة محمد خفضا ما
كانت سادا تهم وقادتهم
بنی امیه ولقد وجه الله اليكم
فتنة لن تصدروا عنها
حتی تهلكوا لطاعتكم طواغيتكم
والضوائكم الى شياطينكم
فعند الله احتسب ما مضی
وما ينتظر من سوء رعيتكم
وحيف حكمكم ثم قال
يا اهل الكوفه فارقكم

بھنے کو بچایا۔ پس تمہارا امتحان ہمارے ذریعہ قدیم بھی
ہے اور جدید بھی ہے۔ یہ بہترین امتحان ہے خواہ تم
شکر کرو یا کفران نعمت کرو۔ اے لوگو علی کا خدا
علی سے اچھی طرح واقف تھا جب اس نے علی کو
اپنے پاس بلایا اور خدا نے علی کو ایسے فضائل سے مخصوص
کیا کہ جو کسی اور کو نہ دیئے گئے اور تم ان فضائل کو
نہ پاؤ گے۔ ان میں جو علی سے پہلے گزر گئے ہیں
تم نے علی کے امور کو پلٹ دیا یہاں تک کہ خدا نے
ان کو تمہارے اوپر پلٹ دیا۔ وہ تمہارے ساتھی بھی
تھے اور بدر وغیرہ کی جنگ میں تمہارے دشمن
بھی تھے۔ انھوں نے تم کو نہایت گندہ پانی پلایا
اور خون سے تمہیں سیراب کیا تمہاری گردنوں
کو ذلیل کیا پس تم جو علی کے ساتھ بغض رکھتے ہو
تو اسکی وجہ ہے۔ بخدا تم امت محمدؐ کو کبھی آرام سے
سے نہ دیکھو گے۔ جب تک بنو امیہ اس کے سردار
اور رہنما ہیں۔ بہ تحقیق کہ خداوند تعالےٰ نے
فتنہ کا رخ تمہاری طرف کر دیا ہے۔ تم اس سے
خلاصی و رہائی نہ پاؤ گے۔ یہاں تک کہ تم اپنے
گمراہ کرنیوالوں شیطانوں کی اطاعت کرنیکی وجہ
سے ہلاک ہو جاؤ۔ پس خدا کے یہاں تمہاری
ان برائیوں کا حساب لیا جائے گا۔ جو گذر گئی
ہیں اور ان برائیوں کا جو تمہاری رعیت کے
کردار اور تمہارے فاجرانہ اور ظالمانہ احکام

بالامس سهم من مرامی الله صائب علی اعداء الله نکال علی فجار قریش لم یزل آخذا بحناجرها جاثما علی انفاسها لیس بالملومة فی امر الله ولا بالسروقة لمال الله ولا بالفروقة فی حرب اعداء الله اعطی الکتاب خواتمه وعزائمه دعاه فاجابه وقاده فاتبعه لا تاخذه فی الله لومة لائم صلوات الله علیه ورحمة

کی وجہ سے آگے آنیوالے ہیں۔ پھر آپنے فرمایا پھر آپنے فرمایا کہ اے اہل کوفہ خدا کے ترکش کے اس تیر نے تم سے کل جدائی کی ہے جو ہمیشہ خدا کے دشمنوں کو مجروح کرتا تھا۔ جو قریش کے فاجروں کے لیۓ مصیبت تھا جس نے ہمیشہ قریش کے گلوں کو پکڑا تھا۔ جس نے خدا کے امور میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ خدا کا مال نہیں لیا۔ خدا کے دشمنوں سے لڑنے میں کبھی کمی نہیں کی۔ اس کے عزائم خدا کی کتاب کے موافق تھے۔ قرآن کے احکام کی ہمیشہ پیروی کی۔ خدا کے امور میں وہ لوگوں کی ملامت سے نہیں ڈرتا تھا۔ اس کے اوپر خدا کی صلوات و رحمت ہو۔

ان خطبوں کو غور سے پڑھیں۔ یہ صاف صاف باتیں وہ نہیں کہہ سکتا جس نے بیعت کرلی ہو۔ معاویہ نے اتنا ہی غنیمت سمجھا کہ حسن اس کے سامنے سے ہٹ گئے۔

جناب امیر علیہ السلام کی شہادت پر جناب امام حسن علیہ السلام نے مندرجہ ذیل خطبہ کوفہ والوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔ اس خطبہ کو علامہ حافظ جمال الدین الزرندی المدنی نے اپنی کتاب درر السمطین میں نقل کیا ہے۔ اور نیز علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے جلاء العیون میں درج فرمایا ہے۔ اور شیخ سلیمان قندوزی مفتی اعظم قسطنطنیہ نے اپنی کتاب ینابیع المودۃ مطبوعہ اسلامبول الباب التسعون ص ۴۸۰ پر لکھا ہے۔

ان الحسن ابن علی ابن ابی طالب علیهما السلام

امام حسن نے اپنے خطبہ میں بعد حمد و ثناء الہی و درود بر رسول اکرم

قال فی الخطبۃ الاخری
بعد الحمد والثناء علی اللہ
التصلیۃ علی رسول اللہ انا
اھل بیت اکرمنا اللہ و
اختارنا واصطفانا اذھب
عنا الرجس وطھرنا تطھیرا
ولم تفترق الناس فرقتین
الا جعلنا اللہ فی خیرھما
من آدم علیہ السلام
الی جدی محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ والہ وسلم فلما
بعثہ للنبوۃ واختارہ
للرسالۃ وانزل علیہ
کتابہ فکان ابی اول
من آمن وصدق باللہ
ورسولہ قد قال اللہ تعالی
فی کتابہ المنزل علی نبیہ
المرسل افمن کان علی
بینۃ من ربہ ویتلوہ
شاھد منہ وقد قال
لہ جدی رسول اللہ
حین امرہ ان یسیر
الی مکۃ بمنی موسم الحج

فرمایا کہ ہم اہلبیت کو خداوند تعالے
نے بزرگی عطا کی اور ہم کو پسند
اور منتخب کرلیا۔ تمام مخلوق میں۔ اور تمام
آلائشوں سے ہم کو پاک و پاکیزہ رکھا۔
انسان فرقوں میں تقسیم ہوگئے
اور فرقہ اخیار میں سے خدا نے
جناب آدم سے لے کر میرے نانا
محمد رسول اللہ کو منتخب و برگزیدہ
کرلیا۔ اور ان پر اپنی کتاب
نازل کی۔ جس پر ہمارے والد
بزرگوار فوراً ایمان لے آئے۔ چنانچہ
قرآن شریف میں آیت نازل
فرمائی۔ افمن کان علی بینۃ من
ربہ ویتلوہ شاھد منہ اسمیں
علی بینۃ سے مراد میرے نانا ہیں
اور یتلوہ شاہد منہ سے ہمارے والد علی ابن
ابی طالب مراد ہیں۔ اور میرے نانا نے میرے
والد کو سورۃ براۃ دی اور یہ کہکر
مکہ بھیجا کہ علی یہ لیکر مکہ
جاؤ۔ کیونکہ مجھے خداوند تعالے کا
حکم پہنچا ہے کہ اس کو یا تو میں
لیجاؤں یا وہ شخص لے جائے جو
مجھ سے ہے۔ اور اے علی

لبسورۃ براۃ لا سر بہا یا
علی فانی امرت ان لیسیر بہا
الا انا او رجل منی وانت منی
فانی من جدی وجدی
من اللہ فقال لہ جدی
حین قضی بینہ وبین اخیہ
جعفر ومولاہ زید ابن حارثہ
فی ابنۃ عمہ حمزۃ اما انت
یا علی فمنی وانا منک وانت
ولی کل مومن ومومنۃ
بعدی فلم یزل ابی وقی
جدی بنفسہ وفی کل موطن
یقدمہ جدی ولکل شدۃ
یرسلہ ثقۃ منہ طمانیۃ الیہ
وقال اللہ تعالی (والسابقون
والسابقون السابقون اولئک
المقربون) فکان ابی سابق
السابقین واقرب المقربین
الی اللہ والی رسولہ وذالک
انہ لم یسبقہ الی الایمان
احد غیر خدیجہ سلام اللہ
علیہا فکما ان اللہ عزوجل
فضل السابقین علی المتاخرین۔

تم مجھ سے ہو میں میرے باپ علی نانا سے
ہیں۔ اور میرے نانا خدا سے قریب ہیں
اور پھر میرے باپ کی شان میں میرے
نانا نے اس وقت ارشاد فرمایا کہ جب
دختر حضرت حمزہ کے متعلق میرے والد
جناب جعفر اور زید بن حارثہ میں
بحث ہوئی۔ یا علی تم مجھ سے ہو اور
میں تم سے ہوں اور میرے بعد تم
تمام مومن اور مومنہ کے ولی ہو۔
اور تمام معرکوں میں اور نہایت سخت
لڑائی میں میرے والد نے اپنی
جان کو فدا کر کے میرے نانا کی
حفاظت کی۔ اور تمام لڑائیوں میں
میرے نانا میرے باپ کو آگے رکھتے
تھے۔ اور تمام تکلیف وخطرے کے
موقعوں پر میرے نانا میرے باپ کو
بھیجتے تھے۔ کیونکہ ان کو میرے والد پر
بھروسہ ہوتا تھا۔ اور ان سے اطمینان تھا
خداوند تعالے فرماتا ہے والسابقون السابقون
اولئک المقربون۔ میرے والد سابقین سے سابق
تھے۔ مقربین خدا و رسول میں سب سے زیادہ اقرب
تھے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ سوائے جناب خدیجہ کے کسی
شخص نے اسلام میں علی پر سبقت نہیں کی

میرے والد نے خدا اور رسول کی اطاعت کرنے میں سب سابقین سے سبقت کی اور سب متقدمین پر فضیلت پائی

فضل سابق السابقين وقد
قال الله عز وجل اجعلتم
سقاية الحاج وعمارة المسجد
الحرام كمن آمن بالله واليوم
الآخر وجاهد في سبيل
الله نزلت هذه الآية
في ابي وكان حمزة وجعفر
قتلا شهيدين في قتلاء كثيرة
من الصحابة فجعل الله حمزة
سيد الشهداء من بينهم
وجعل لجعفر جناحين يطير
بهما في الجنة مع الملائكة
كيف يشاء من بينهم
وذالك لقرابتهما من
جدي صلى الله عليه وآله
وسلم وصلى جدي على
عمه حمزة سبعين صلوٰة
من بين الشهداء يوم
احد وكذالك جعل الله
تعالى لنساء نبيه المحسنة
منهن اجرين وللمسيئة
منهن وزرين ضعفين
لمكانهن من جدي

کیونکہ ایمان لانے میں سوائے حضرت خدیجہ
میری نانی کے کسی اور نے علی پر سبقت
نہیں کی۔ پس جس طرح خداوند تعالیٰ نے
سابقین کو تاخیر کرنیوالوں پر فضیلت دی۔
اسی طرح سابقین میں آپس میں بھی فضیلت کے
درجے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ نے فرمایا
اجعلتم سقایۃ الحاج الآیۃ یہ آیت
میرے والد کے حق میں نازل ہوئی ہے اور
جناب حمزہ و جعفر اکثر صحابہ کے ساتھ قتل ہوئے
تھے۔ لیکن بمقابلہ ان شہدا کے خداوند تعالیٰ
نے جناب حمزہ کو سید الشہدا کا خطاب عطا کیا۔
اور میرے عم نامدار جعفر کو اپنی عنایت سے دو پر
عطا کئے کہ وہ ان کے ذریعہ سے بہشت
میں ملائکہ کے ساتھ جس طرح چاہتے ہیں
اڑتے پھرتے ہیں۔ اور میرے نانا نے میرے
چچا حمزہ پر ستر دفعہ یوم احد نماز پڑھی
تھی۔ اسی طرح خداوند تعالیٰ نے ازواج
نبی میں سے جو نیکی کرے اسے دوگنا ثواب
عطا فرمایا۔ اور جو بدی کرے اس کے لئے
دوگنی سزا تجویز کی۔ یہ میرے نانا رسول اللہ
کے تعلق کی وجہ سے ہے۔ جو شخص مسجد
رسول میں نماز پڑھے اس کی ایک نماز
کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے

برسول اللہ صلے اللہ علیہ
والہٖ وسلم وجعل اللہ الصلوٰۃ
فی مسجد بنیہ صلے اللہ علیہ
وآلہٖ وسلم بالف صلوٰۃ
من بین سائر المساجد الا
المسجد الحرام لمکان رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
فلما نزل ان اللہ وملئکتہ یصلون
علے النبی یا ایھا الذین آمنوا
صلوا علیہ وسلموا تسلیما
قالوا یا رسول اللہ کیف نصلی
علیک فقال قولوا اللھم
صل علی محمد وآل محمد فحق
علی کل مسلم فریضۃ واجبۃ
ان یصلی علینا مع الصلوٰۃ
علی جدی رسول اللہ صلے
اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واحل
اللہ تعالیٰ خمس الغنیمۃ
لرسولہ واوجبھا فی کتابہ واوجب لنا
من ذالک ما اوجب لہ وحرم علیہ
الصدقۃ وحرمھا علینا
فللہ الحمد نزھنا مما نزھہ
وطیب لنا ما طیب لہ

برابر جناب احدیت نے مقرر
مقرر فرمایا۔ یہ اس وجہ سے کہ
اس کو جناب رسولخدا میرے
جد سے نسبت تھی۔ اور جب
یہ آیت نازل ہوئی ان اللہ
وملئکتہ یصلون علے النبی الآیۃ
تو لوگوں نے آنحضرت سے دریافت
کیا۔ کہ آپ پر کس طرح صلوٰۃ بھیجیں تو آپ نے
فرمایا کہ کہو اللھم صل علے محمد
وآل محمد اور ہر ایک مسلمان کے
لئے فریضہ واجب ہے کہ ہر ایک
نماز میں میرے نانا جناب رسولخدا
کے ساتھ ہمارے اوپر بھی صلوٰۃ
بھیجے خداوند تعالےٰ نے غنیمت
میں سے خمس ہمارے لئے اور جناب
رسولخدا کے لئے واجب کیا
اسی طرح صدقہ جناب رسولخدا پر
بھی حرام ہے اور ہم پر بھی حرام ہے پس خداوند
تعالےٰ کا شکر ہے کہ ہمیں پاک
و پاکیزہ فرمایا۔ اسی
طرح جیسا کہ اپنے رسول یعنے
ہمارے نانا کو پاکیزہ فرمایا۔
اور ہم کو بھی وہی جو ظاہر

كرامتہ اکرمنا اللہ بھا
وفضیلۃ فضلنا علی سائر
عبادہ وقال اللہ لجدی محمد
حین جحدہ کفرۃ اھل
الکتاب وحاجوہ فقل
تعالوا ندع ابنائنا وابنائکم
ونسائنا ونسائکم وانفسنا
وانفسکم ثم نبتھل فنجعل
لعنۃ اللہ علی الکاذبین)
فاخرج جدی صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم معہ
من الانفس ابی ومن
البنین انا واخی الحسین
ومن النساء امی فاطمۃ فنحن
اھلہ ولحمہ ودمہ ونفسہ
ونحن منہ وھو منا وقد قال
اللہ تعالی وتبارک انما
یرید اللہ لیذھب عنکم
الرجس اھل البیت
ویطھرکم تطھیرا فلما
نزلت ھذہ لاجمعنا
جدی ابی واخی
وامی وانفسہ فی

فرمایا۔ جیسا کہ ان کو ظاہر فرمایا۔
اور یہ ایسا خاص شرف اور ظاہر
کرامت ہے اور ایسی فضیلت ہے
کہ جس سے ہمکو تمام بندگان خدا پر
فضیلت حاصل ہے۔ اور خداوند تعالے
نے میرے نانا اپنے رسول سے خطاب
کرکے فرمایا۔ جب نصارائے نجران ان سے
مناظرہ کرنے آئے کہ تم ان سے کہدو ندع
ابناءنا وابناءکم ونساءنا و
نساءکم وانفسنا وانفسکم
ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علے
الکاذبین پس میرے جد بزرگوار اپنے
ساتھ مجھکو میرے بھائی حسین کو میرے والد
علی اور میری والدہ فاطمہ کو ساتھ لیکر
بیت الشرف نبوۃ سے باہر تشریف لائے
اور ہمیں لوگ ان کے اہل بیت ان کے
گوشت پوست ان کے خون اور ان
کے نفس تھے۔ اور ہمیں لوگ ان سے
تھے۔ اور ہمیں لوگوں میں سے وہ تھے
اور خدا نے آیت نازل فرمائی انما یرید اللہ
لیذھب عنکم الرجس الآیہ تو میرے
جد بزرگوار نے، مجھے میرے بھائی حسین
میری ماں اور میرے باپ کو

كساء خيبري في حجرة ام
سلمه فقال اللهم هؤلاء
اهلبيتي وخاصتي اذهب
عنهم الرجس وطهرهم
تطهيرا فقالت ام سلمه
انا ادخل معهم يا رسول
الله فقال لها في مكانك
يرحمك الله انت على خير
وانها خاصة لي ولهم
ولما نزلت (وامر اهلك
بالصلوٰة واصطبر عليها)
ياتينا جدي كل يوم
عند طلوع الفجر يقول الصلوٰة
يا اهل البيت يرحمكم الله
انما يريد الله ليذهب
عنكم الرجس اهل البيت
ويطهركم تطهيرا وامر
بسد الابواب في مسجده
غير بابنا فكلموه في ذالك
فقال اني لم اسد ابوابكم
ولم افتح باب علي من تلقاء
نفسي ولكن اتبع ما اوحي
الي ان الله امرني بسدها

ایک کمل خیبری کے نیچے ام المومنین حضرت
ام سلمہ کے گھر میں جمع کر کے فرمایا کہ خداوندا
یہی لوگ میرے اہلبیت ہیں۔ اور یہی میرے
مخصوصین ہیں۔ تو ان سے ہر قسم کی آلائش کو دور
رکھ اور ان کو ایسا پاک و پاکیزہ رکھ جیسا کہ پاک و
پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔ ام سلمہ نے کہا کہ میں بھی اس کے اندر آ
سکتی ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ تو اپنی مقام پر ٹھہری رہ یہ تو
خاص میری اور ان کے لئے ہے اگرچہ تو بھی خیر پر ہے۔
جب یہ آیۃ نازل ہوئی وامر اھلک بالصلوٰۃ
واصطبر علیھا تو جناب رسول خدا ہر روز طلوع
فجر کے وقت ہمارے مکان پر آ کر فرمایا کرتے
تھے کہ اے اہلبیت الصلوٰۃ خدا تم پر رحم کرے۔
اور آیۂ تطہیر کی تلاوت فرماتے تھے۔ معاملہ سد ابواب
میں سب لوگوں کے دروازے ماسوائے دروازے
کے علاوہ مسجد رسول کی طرف سے بند کر دیئے گئے۔
اس پر بعض لوگوں نے نکتہ
چینی کی۔ تو آنحضرت نے فرمایا
کہ میں نے اپنی ذاتی خواہش
سے تمہارے دروازے بند
نہیں کئے ہیں اور نہ علی کا
دروازہ کھلا رکھا ہے بلکہ یہ
تو خدا کا حکم ہے اور میں
نے اس کی تعمیل

الوا بكم وفتح باب علي
وقد سمعت هذه الامة
جدي يقول ما ولت
امة امرها رجلا وفيهم
من هو اعلم منه الا لم
يزل يذهب امرهم سفالا حتى
يرجعوا الى ما تركوه وسمعوه صلى
الله عليه وآله وسلم يقول لابي
انت مني بمنزلة هارون من موسى
الا انه لا نبي بعدي وقد رأوه وسمعوه حين اخذ
بيد ابي بغدير خم وقال لهم
(من كنت مولاه فعلي مولاه اللهم
وال من والاه وعاد من عاداه)
ثم امرهم ان يبلغ الشاهد
منهم الغائب ثم قال الحسن
عليه السلام ايها الناس
انكم لو التمستم ما بين
جابلقا وجابلسا رجلا
جده نبي وابوه وصيه لم
تجدوا غيري وغير اخي
فاتقوا الله ولا تضلوا ايها الناس
لو اذكر الذي عطانا الله
تبارك وتعالى وخصنا به

کی ہے۔ خدا نے وحی بھیجی کہ تمام لوگوں
کے مکانوں کے دروازے جو مسجد کے
اندر کھلتے ہیں بند کردیئے جاویں لیکن
علی کا یہ دروازہ کھلا رہنے دیا جاوے میں نے
اس حکم کی تعمیل کی ہے۔ تمام امت نے
جناب رسولخدا کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے
کہ اگر یہ امت اپنے امر پر ایسے شخص کو حکم
بنائیگی۔ جو علم میں کمتر درجہ رکھتا ہو اور
سب سے زیادہ علم کا رکھنے والا ان میں موجود
ہے۔ تو اس امت کا امر ہمیشہ پراگندہ رہیگا
جب تک یہ اسکی طرف رجوع نہ کرینگے۔ جو
انھوں نے چھوڑ دیا ہے۔ اور انھوں نے رسولخدا
کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا ہے کہ اے علی تمہاری
منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارون کی موسیٰ
کے نزدیک تھی۔ صرف فرق یہ ہے کہ میرے بعد
کوئی نبی نہ آویگا۔ اور بہ تحقیق امت نے
جناب رسولخدا کو بمقام غدیر خم علی کا ہاتھ
پکڑ کر یہ کہتے ہوئے بھی سنا ہے کہ جس کا
میں ولی وحاکم ہوں اس کا یہ علی حاکم و ولی ہے
خداوندا دوست رکھ اس کو جو علی کو دوست
رکھے۔ اور دشمن رکھ اس کو جو علی کو دشمن رکھے
اور پھر آنحضرت نے یہ حکم دیا کہ ان میں کے اس بیان
کو جو حاضر ہیں انھیں سنادیں جو غائب ہیں

من الفضائل في كتابه وعلى
لسان نبيه صلى الله عليه وآله
وسلم احصه وانا ابن البشير
وانا ابن النذير وانا ابن
السراج المنير الذي جعله
رحمة للعالمين واقسم بالله
لو تمسكت الامة بالثقلين
لاعطتهم السماء قطرها
والارض بركتها ولا كلوا
نعمتها خضراء من فوقهم
ومن تحت ارجلهم من
غير اختلاف بينهم الى
يوم القيمة قال الله عزوجل
(ولو ان اهل القرى آمنوا
واتقوا لفتحنا عليهم بركات
من السماء والارض ولكن
كذبوا فاخذناهم بما
كانوا يكسبون) نحن
اولى الناس بالناس في كتاب الله
وعلى لسان نبيه صلى
الله عليه وآله وسلم
يا ايها الناس اسمعوا و
دعوا واتقوا الله وارجعوا

اور اپنے وہ خصائص جو مخصوص ہماری ذات
کے لئے خالق عالم کی طرف سے ودیعت
فرمائے گئے ہیں۔ اور جس کی وجہ سے ہمکو
تمام دنیا کے لوگوں پر فضیلت حاصل ہے
بیان کریں تو ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ میں
بشیر کا فرزند ہوں، میں نذیر کا فرزند ہوں
میں اس سراج منیر کا پسر ہوں جس کو خدا نے
رحمۃ للعالمین بنایا ہے۔ پھر آپ نے خدا کی
قسم کھا کر بیان کیا کہ اگر امت ان دونوں
ثقلین یعنی عترت رسول و قرآن خدا سے تمسک
کرتے تو آسمان اپنی نعمتیں اور زمین اپنی
برکتیں ان کو عطا کرتے۔ اور وہ ان تمام
نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے اور یہ نعمتیں
ان کے اوپر سے۔ ان کے نیچے پیروں
میں سے ان کے دائیں ان کے بائیں سے
آکر قیامت تک انھیں گھیرے رہتیں
اور ان میں کبھی اختلاف نہ ہوتا۔ پھر آپ
نے یہ آیت تلاوت فرمائی
ولو ان اهل القرى آمنوا واتقوا
الآیہ اور فرمایا ایہا الناس
ہم تمام لوگوں سے از روئے
کتاب اللہ و حدیث رسول اولے
و بہتر ہیں۔ پس اے

الیہ هیهات منکم الرجعۃ الی الحق وقد صدعکم النکوص وخامرکم الطغیان والجحود انلزمکموها وانتم لھا کارهون والسلام علی من اتبع الهدی	گروہ مسلمین ہمارے احکام کو سنو اور ہماری اعانت کرو۔ اور خدا سے ڈرو اور اسی کی طرف رجوع کرو

اس خطبہ کا اعادہ ذرا اختلاف کے ساتھ جناب امام حسنؑ نے اس وقت بھی کیا تھا کہ جب بعد صلح آپ کوفہ سے مدینہ آنے لگے ہیں۔

انتقال :- جناب امام حسن نے ۲۸ صفر ۵۰ھ مطابق ۲۷ مارچ ۶۷۰ء کو جعدہ بنت اشعث ابن قیس کے زہر دینے کی وجہ سے انتقال فرمایا۔ اس سے پہلے بھی آپ کو کئی دفعہ زہر دیا جا چکا تھا۔ لیکن یہ بہت ہی سم قاتل تھا۔ جس کے اثر سے آپ جانبر نہ ہو سکے۔

امیر معاویہ نے والی مدینہ کے ذریعہ سے جعدہ بنت اشعث کو اس بات پر آمادہ کیا۔ کہ وہ امام حسن کو زہر دے۔ اور وعدہ کیا کہ وہ اس کو ایک ہزار دینار دے گا۔ اور اس کا نکاح اپنے بیٹے یزید سے کر دے گا۔ اور اس غرض کے لئے اس کے پاس سم قاتل بھجوایا۔ جب جعدہ حضرت امام حسن کو زہر دے چکی اور آنجناب کا اس زہر سے انتقال ہو گیا تو اس نے معاویہ کے پاس ایفاء وعدہ کا پیغام بھیجا۔ معاویہ نے ایک ہزار دینار تو بھجوا دیئے۔ لیکن نکاح سے یہ کہکر انکار کر دیا کہ مجھے اپنے بیٹے یزید کی زندگی پیاری ہے۔ جب تو نے حسن جیسے فرزند رسول کو زہر دیدیا تو میرا بیٹا یزید کس گنتی میں ہے [۱۶۰]

---

۱۶۰ مروج الذہب مسعودی الجزء الثانی ص ۳۰۳ - ابن عبدالبر: الاستیعاب ذکر امام حسن ربیع الابرار زمخشری۔ تاریخ ابی الفداء: الجزء الاول ص ۱۸۳ - سبط ابن الجوزی تذکرہ خواص الامۃ ذکر امام حسین۔ روضۃ المناظر۔ تاریخ حبیب السیر جلد دوم جزو اول ص ۱۷ سیرۃ الاولیا۔ امیر خورد۔

انتقال کے وقت امام حسن نے اپنے بھائی امام حسین سے وصیت کی کہ مجھے میرے نانا کے پہلو میں دفن کرنا۔ لیکن اگر کوئی مانع ہو تو جدال و قتال نہ کرنا۔ بلکہ بقیع میں مجھے دفن کر دینا۔ چنانچہ جب آپ کا انتقال ہوا تو امام حسین علیہ السلام آپ کا جنازہ قبر رسول کی طرف لے چلے۔ لیکن بنو امیہ مزاحم ہوئے۔ اور اس مزاحمت میں والی مدینہ سعید بن العاص اور حضرت عائشہ بھی شامل تھیں۔ جھگڑا بڑھ گیا۔ ان لوگوں نے جنازے پر تیر بھی مارے۔ لہذا امام حسین وصیت برادر کے مطابق خاموش ہو گئے اور بقیع میں جنازے کو لے جا کر دفن کر دیا۔[۱۶۱]

تاریخ ابو الفدا کی عبارت یہ ہے۔

وكان الحسن قد اوصى ان يدفن عند جده رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فلما توفي ارادوا ذلك وكاد يقع بين بني امية وبني هاشم بسبب ذلك فتنة فقالت عائشة البيت بيتي ولا اذن ان يدفن فيه فدفن بالبقيع۔

ترجمہ: امام حسن نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کو ان کے نانا رسول اللہ کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ پس جب آپ نے رحلت فرمائی تو اس امر کی کوشش کی گئی۔ اور اس وجہ سے بنو ہاشم اور بنو امیہ میں فتنہ برپا ہونے لگا پس جناب عائشہ نے فرمایا کہ یہ گھر میرا گھر ہے اور میں اجازت نہیں دیتی کہ حسن یہاں دفن کیے جائیں۔ پس ان کو بقیع میں دفن کر دیا گیا۔ تاریخ روضۃ الصفا کی عبارت یہ ہے۔ در بعضے روایات آمدہ است کہ چون امیر المومنین

حسن علیہ السلام قبرے را نزدیک بقبر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنند و جنازہ را بر سر قبر نہادند و قبل از دفن عائشہ برین معنی وقوف یافتہ بر استرے سوار شدہ بآں موقع رفت و بر منع مشغول گشت شیعہ علی علیہ السلام بنیاد بر غوغا کردہ گفتند اے عائشہ روزے بر شتر نشستہ محاربت می کنی۔ و روزے بر استر سوار شدہ بر سر جنازہ نبیرہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممانعت آغاز می نمائی

۱۶۱ [illegible]

دلگزاری کہ او را دفن کنند۔ چندانکہ سعی نمودند مفید نیفتاد و مردم بدو فرقہ متفرق شدہ بجانب دیگر تیر انداختند۔ چند تیر بجنازہ رسید آنگاہ جناب حسین علیہ السلام بنا بر وصیتے کہ سابقاً مرقوم گشت جنازہ بہ بقیع بردند۔

ترجمہ:۔ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب امام حسن کے لیئے ایک قبر جناب رسولخدا کے نزدیک کھودی گئی۔ اور جنازہ کو دفن کرنیکے لیئے اس کے کنارے پر رکھا۔ قبل اس کے کہ دفن کریں حضرت عائشہ کو یہ معلوم ہو گیا۔ وہ ایک خچر پر سوار ہو کر موقع پر تشریف لائیں اور دفن کرنے سے منع کرنے لگیں۔ حضرت علی کے شیعوں نے شور و غل کیا اور کہا کہ اے عائشہ کبھی اونٹ پر سوار ہو کر جنگ کرتی ہو۔ کبھی زن خچر پر سوار ہو کر لواسۂ پیغمبر صلوات اللہ علیہ کے جنازہ پر آکر تنازعہ برپا کرتی ہو۔ اور انہیں دفن نہیں ہونے دیتی ہو۔ ان لوگوں نے بہت کوشش کی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ لوگ دو جماعتوں میں متفرق ہو گئے۔ اور ایک دوسرے کی طرف تیر پھینکنے لگے۔ چند تیر آکر جنازہ امام حسن پر بھی لگے۔ اس وقت اس وصیت کے بموجب جس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔ امام حسین جنازہ کو برائے دفن بقیع میں لے گئے۔

اس موقع پر حضرت عبداللہ ابن عباس و محمد بن حنفیہ کی لفظی بحث حضرت عائشہ سے ہو گئی۔ اس موقع پر عبداللہ ابن عباس نے یہ شعر کہا۔ اور پڑھا۔

تجملتِ تبغلتِ ولو عشتِ تفیلتِ ۔۔۔ لکِ الثُمن من التسع وبالکل تصرفتِ

ترجمہ:۔ آپ اونٹ پر بھی سوار ہوئیں اور خچر پر بھی سوار ہو چکیں اور اگر زندہ رہیں تو ہاتھی پر سوار ہو جائے گا۔ تمہارا تو نو حصوں میں آٹھواں حصہ ہوتا ہے۔ لیکن آپ نے سارے پر تصرف کر لیا ہے۔

معلوم نہیں یہ گھر حضرت عائشہ کا گھر کیونکر ہو گیا۔ کیونکہ ان کے والد ماجد فرما چکے تھے کہ پیغمبر کو نہ ترکہ ملے اور نہ پیغمبروں کے وارثوں کو ان کا ترکہ ملتا ہے۔ حضرت ابوبکر کو خیال نہ آیا ورنہ تمام امہات المومنین سے ان کے مکان چھین لیتے کیونکہ ان کے مکانات جناب رسولخدا کا ترکہ تھا۔ دیکھو نورالدین سمہودی کی وفاءالوفا باخبار دار المصطفٰے الجزءالاول باب الرابع فصل التاسع ص ۳۲۵

چند اعتراضات۔ وہ لوگ جو تاریخ کو غور سے نہیں پڑھتے جناب امام حسن علیہ السلام کے عمل پر دو اعتراض کرتے ہیں۔ (۱) ایک تو یہ کہ آپ عورتوں کو بہت طلاق دیا کرتے تھے۔ (۲) دوسرا یہ کہ آپ آرام و راحت کے دلدادہ تھے۔ اس وجہ سے معاویہ سے صلح کرلی۔ ورنہ امام حسین کی طرح جان دیدیتے صلح نہ کرتے۔ اس کے ضمن ہی میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امام حسن اور امام حسین کے عمل میں آپس میں ضد تھی۔ لہذا دونوں میں سے ایک غلطی پر تھے۔ امام حسین علیہ السلام کے طرز عمل کی بنا پر بحث کرکے یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر حضرت علی اپنے زمانہ کے خلیفہ کو حق بجانب نہ سمجھتے۔ تو وہ بھی امام حسین کی طرح لڑائی کرکے جان دیدیتے۔

جو لوگ واقعات کا مطالعہ غور سے نہیں کرتے اور اپنی عقل سلیم کو کام میں نہیں لاتے وہ اسی طرح کی بے ربط باتیں کرتے ہیں۔ ہم ان اعتراضات کا جواب دیتے ہیں۔

امیر معاویہ کے حالات کو جاننے والے جانتے ہیں کہ دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے ان کے پاس بہترین حربہ زہر کا تھا۔ اور اس کے بعد روپیہ کا امیر معاویہ ہی پر منحصر نہیں ہے۔ دنیا کے بادشاہ اور امراء جو خدا و آخرت پر اعتقاد نہیں رکھتے اور ہمت و جرات سے عاری ہوتے ہیں ایسے ہی اوچھے ہتھیار استعمال کرنے لگتے ہیں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ امام حسن کو چھ دفعہ زہر دیا گیا تھا اس سے صاف عیاں ہے کہ امام حسن خفیہ دشمنوں میں گھرے

ہوئے تھے۔ اور چونکہ صلح کی شرط یہ تھی کہ معاویہ کے بعد امام حسن کو خلافت ملے گی۔ لہذا امیر معاویہ کی دلی خواہش یہ تھی کہ امام حسن اس کی زندگی میں انتقال کر جائیں۔ اب قیاس کیا جا سکتا ہے کہ امام حسن کی موت کی کتنی کوششیں کی جاتی ہونگی۔ زہر عموماً عورتوں کے ذریعے سے دیا جاتا تھا۔ امام حسن کے لئے ضروری ہوا کہ جب کبھی ذرا سا شبہہ بھی کسی عورت پر ہو اس کو اپنے سے علیحدہ کر دیں۔ شبہہ پر سزا تو دی نہیں جا سکتی تھی۔ طلاق ہی کے ذریعے سے جس کی اجازت شریعت نے دیدی تھی یہ علیحدگی ہو سکتی تھی۔ اندریں صورت تعجب یہ نہیں ہے کہ امام حسن نے طلاق کیوں دی بلکہ تعجب ہے کہ اتنی کم طلاق کیوں دی۔ واقعات نے ثابت کر دیا کہ واقعی طلاق کم تھے۔ جب ہی تو انکی زد سے جعدہ بچ گئی۔

دوسرا اعتراض زیادہ غور چاہتا ہے۔ اس کی بحث میں اقلیدس کی اشکال کی بحث کی طرح چند اصول موضوعہ و علوم متعارفہ قائم کر لینے ضروری ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

(۱) ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی زندگیاں ان کے لئے نہ تھیں انھوں نے اپنا نفس خدا کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ لہذا بیفائدہ کا غرور جاہلیت کا پندار ان کے عمل پر اثر پذیر نہیں ہو سکتا تھا۔

(۲) وہ انسان کی جان خصوصاً مومن کی جان کی اسی طرح حفاظت کرتے تھے جس طرح قرآن نے حکم دیا ہے۔ قرآن مومن کی جان کو دنیا کی ہر شے سے ادبر رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ جان بچانے کے لئے حرام بھی حلال کر دیا گیا ہے لہذا مومن کی جان کو محض جاہلیت کے پندار یا دنیا کی وجاہت کے لئے خطرہ میں نہیں ڈال سکتے تھے۔

(۳) ان کی عقل سلیم نے دنیا کی اشیا کو ان کی مناسب قدر پر رکھا تھا۔ ان کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی شے دین اسلام تھا۔ اس دین کے لئے ہر شے

یہاں تک کہ جان و عزت کو بھی قربان کر دیتے تھے۔

اب ان تین اصول موضوعہ کو مدنظر رکھ کر ہم اپنی بحث شروع کرتے ہیں۔ دنیاوی امور کے لحاظ سے واقعی حضرت علی کی عزت پر بھی حرف آتا تھا۔ انکی جرات پر بھی نکتہ چینی ہو سکتی تھی۔ اور ہوئی۔ خودداری کو بھی زد پہنچی اور سلطنت ہاتھ سے نکل گئی وہ الگ۔ واقعات پر غور کرنے سے یہ نتیجہ صریح نکلتا ہے کہ اگر اوروں کی طرح حضرت علی بھی پہلوئے رسول کو چھوڑ کر سقیفہ سازی کے لیئے چلے جاتے تو جیسا انصار نے اور نیز بہت سے مہاجرین نے بھی بعد میں کہا کہ علی کے وہاں ہوتے ہوئے کسی اور سے بیعت ہو ہی نہیں سکتی تھی جس بحث کی بنا پر انصار نے آخرکار مہاجرین کے حق کو مان لیا۔ وہ مہاجرین کی قرابت رسول تھی۔ اور علی سے زیادہ وہاں کوئی اور قریب نہ تھا۔ دیگر فضائل تو ایک جگہ رہے یہی بات کافی تھی۔ علی کو سلطنت تو ملجاتی۔ لیکن اسلام ہاتھ سے جاتا رہتا۔ منافقین اور دشمنان اسلام کو یہ بحث ملجاتی کہ نبوت و وحی سب پردہ تھا جس کی آڑ میں حکومت حاصل کرنا مقصد تھا۔ اولاد تک رسول کے جسم کو چھوڑ گئی۔ ضرور یہ رسول کی وصیت ہوگی۔ کہ دیکھو سلطنت بڑی مشکل سے حاصل کی ہے۔ یہ نہ ہاتھ سے نکلے۔ میرے دفن کا خیال نہ کرنا۔ دفن تو میں ہو ہی جاؤنگا۔ برعکس اس کے ہم اوپر معلوم کر آئے ہیں کہ رسولخدا نے علی کو وصیت کی تھی کہ تم میرے پہلو سے جدا نہ ہونا جب تک مجھکو دفن نہ کرلو اور لوگ دنیا کی طرف جائیں تو جانے دینا۔ تم دین کو نہ چھوڑنا۔

اگر حضرت ابو بکر کی بیعت کے بعد حضرت علی تلوار اٹھاتے تو اگر کسی کی فتح یقینی نہ ہوتی تو بھی نتیجہ مشکوک تو ضرور ہو جاتا۔ دنیا کے آدمیوں کے لیئے یہ موقع تجربہ کرنیکے قابل تھا۔ لیکن اس تجربہ میں اسلام یقیناً برباد ہو جاتا۔ اور آج کو صدائے اللہ اکبر لا الہ الا اللہ نہ سننے میں آتی۔ حضرت علی نے تو دب کر صبر کر لیا۔ لیکن ان کے مخالفین اس فطرت کے آدمی تھے کہ خاموش نہ بیٹھتے۔ اور اگر بہت مجبور ہوتے تو اسلام کی پرواہ نہ کرتے رہو۔ وہ کام کرتے کہ جس سے اسلام مطلقاً نہ رہتا

منافقین سے ملکر ایک عام صدا بلند ہو جاتی کہ محمدؐ کے پاس نہ نبوت تھی نہ وحی یہ سب دھوکہ بازی حکومت حاصل کرنے کے لئے تھی۔ پھر وہ ہی قبیلوں کے حسد اور آنحضرت کے زمانے کی جنگوں کی عداوت کو اتنا پھیلایا جاتا کہ علی کے پاس حکومت نہ رہتی اور لوگوں کے پاس اسلام نہ رہتا۔ حضرت علی نے نتیجہ پر نظر ڈالی اور خاموش رہے۔ ہمیں تو حضرت علی کی دور بینی کی تعریف کرنی چاہیئے۔ اتنی دور تک ہر ایک آدمی نہیں دیکھ سکتا۔

حضرت امام حسن کی بھی یہی حالت تھی۔ دنیا کے بادشاہ رہ چکے تھے۔ معاویہ کی تقریباً فتح ہو چکی تھی۔ زہر اور روپیہ اپنا پورا کام کر چکا تھا۔ بہت ممکن تھا کہ امام حسن ہی کی فوج کے باغی آپ کو قید کر کے معاویہ کے پاس لے جاتے۔ اور اگر ہاتھ میں تلوار لے کر اودے پور اور جے پور کے راجپوتوں کی طرح دشمن کی فوج میں گھس جاتے تو کیا ہوتا۔ جانیں سب کی ضائع ہو جاتیں۔ تھوڑی دیر کے لئے دنیا یہ کہدیتی کہ بہادر تھے ایسے ہی بہادر تھے کہ جیسے بعد میں راجپوتوں نے اپنے تئیں ثابت کیا۔ بس آخری تعریف یہ ہوتی لیکن دین پر اثر نہ پڑتا۔ لوگ یہ نہ کہتے کہ دین کے لئے جان دی۔ یہ کہتے کہ دنیا کیلئے جان دی۔ ہاتھی والوں کے مقابلہ میں یہ تعریف ہیچ تھی۔ یہ بھی تو غور کرو کہ امام حسن نے دی حکومت دی جس کو عرف عام میں خلافت کہا جاتا ہے۔ یہ وہ چیز تھی جو امام حسین کے پاس پہنچتے پہنچتے ایک زہر ہلاہل کا پیالہ بن چکی تھی۔ تمام گناہوں کا مجموعہ بن چکی تھی کثافت اور گندگی کی ایک پوٹ تھی کہ جس کو محض مس کرنے سے انسان نجس ہو جاتا تھا۔ یہ شیطان کا ایٹم بم بن چکی تھی۔ دنیا کی تمام بدیوں کا مرکب تھی۔ اس کو نیکی سے وہ ہی مخالفت تھی جو تاریکی کو روشنی سے ہوتی ہے۔ جہاں یہ تھی وہاں نیکی کا نام نہ تھا۔ ہم متنازعہ بالوں کو یہاں نہیں لیتے۔ ہم اس خلافت کو وہاں سے شروع کرتے ہیں کہ جس کے نامور خلیفہ امیر معاویہ تھے۔ انھوں نے خلافت راشدہ کے ایک بہت بڑے رکن کے خلاف بغاوت کی۔ لہذا اس خلافت کی بنیاد بغاوت پر تھی۔ اور یہ خلافت راشدہ کے مخالف تھی۔ آپ فرمائیے

کہ جو حکومت یا خلافت خلافتِ راشدہ کے خلاف ہوگی۔ وہ کیسی ہوگی۔ کیا ہوگی اسلام ہوگی یا کفر ہوگی۔ اگر وہ اسلام ہے تو خلافتِ راشدہ کفر۔ اور اگر خلافتِ راشدہ اسلام ہے تو یہ خلافت کفر۔ ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ اس خلافت کو نیکی سے عناد تھا خلافتِ بنی امیہ میں دو ہی نیک بادشاہ ہوئے ہیں۔ معاویہ ابن یزید اور عمر ابن عبدالعزیز ان دونوں کو اس خلافت نے زندہ نہ چھوڑا۔ اور فوراً قتل کر دیا۔ اس خلافت نے امام حسین کے ساتھ جو کیا وہ تو ظاہر ہے۔ ممکن ہے کہا جائے کہ خلافت بچاری کا کیا قصور ہے۔ بنو امیہ تھے ہی ایسے اور بنو ہاشم سے جو ان کو عناد تھا وہ سب ان امور کا باعث ہوا۔ اچھا دیکھئے اب یہی خلافت بنو ہاشم میں جاتی ہے۔ وہاں اس نے کیا گل کھلائے۔ سب جانتے ہیں کہ بنو عباس نے کیا کیا ظلم کئے ہیں۔ اور ان کی سلطنت کس طرح اسلام سے دور جا پڑی تھی۔ بنو عباس تو پھر دور تھے۔ جب خاص بنو فاطمہ میں یہ خلافت پہنچی ہے تو وہاں بھی اس کا رنگ ایسا ہی رہا ہے۔ اور جب ترکی میں آئی تو آخر کار لوگوں نے اس کو زندہ رہنے کے قابل بھی نہ سمجھا۔ اور ختم ہی کر دیا۔ غرضکہ قاہرہ بغداد، دمشق اور قسطنطنیہ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ واقعات نے ثابت کر دیا کہ جس کو تم نے جانشینیٔ رسول کا لقب دیکر لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے سنبھالا ہوا ہے وہ دراصل جانشینیٔ رسول نہیں ہے۔ جانشینیٔ رسول ہوتی تو اس میں یہ ظلم رائج نہ ہوتے۔ اور اسلام ذلیل نہ ہوتا۔ رسول نے تو اپنا جانشین کسی اور ہی کو بنایا تھا۔ اس خلافت نے اس اصلی جانشین رسول سے اعراض کر کے اپنے تئیں ایسا بنا لیا۔ کہ جیسی وہ ہر دور میں نظر آتی ہے۔ امام حسن نے دیکھا کہ اس میں سے یہ صلاحیت بھی جاتی رہی تھی کہ نیک آدمیوں کے پاس آ کر کچھ ان سے اثر لیتی۔ حضرت علی نے لوگوں کے اصرار پر جبکہ کوئی اسے لینے کے لئے تیار نہ تھا اس کو سنبھال لیا۔ لیکن ان کے پاس اس طرح رہی کہ جیسے سونے چاندی کی تیلیوں کے پنجرے میں کوے کو بند کر دو۔ ہمیشہ پھڑکتی رہی اور نکلنے کے لئے بیقرار رہی۔ اور آخر نکل کر ہی چین لیا۔ یہ تھی وہ چیز جو امام حسن نے امیر معاویہ کو دی۔

امام حسین کی حالت بالکل مختلف تھی۔ لہذا ان کا طرزِ عمل بھی مختلف تھا۔
امام حسین کے پاس حکومت نہ تھی۔ باپ اور بھائی کے تجربات سامنے تھے۔ بھائی کے بعد بیس سال کی زندگی بتا رہی تھی کہ حکومت سے کچھ سروکار نہیں رکھا تھا۔ حکومت کے لئے کسی سے سازش نہ کی تھی۔ مدینہ سے اسلئے نکلے کہ والی مدینہ نے وہاں رہنے دیا۔ مکہ سے اسلئے نکلے کہ یزیدی خفیہ ایجنٹ آپ کی جان کے درپے تھے۔ نکلے تو کس سامان سے۔ چند بڈھے، کچھ جوان بہت سے بچے اور عورتیں لے کر۔ راستہ میں کہتے رہے کہ میں تو مرنے کیلئے جا رہا ہوں جس کا جی چاہے مجھ سے علیحدہ ہو جائے چنانچہ بہت سے لوگ جو محض مال و دولت کی خاطر شامل ہوئے تھے علیحدہ ہو گئے۔ شب قتل تک آپ نے اپنی اس اجازت کو دہرایا ہے۔ بلکہ یہاں تک فرمایا کہ میں نے اپنی بیعت تمہاری گردنوں سے اٹھالی ہے۔ تم یہاں سے نکل کر جا سکتے ہو۔ یہ لوگ تو صرف میرے درپے ہیں۔ اس پر بھی اگر کوئی یہ کہے کہ امام حسین حکومت کیلئے اٹھے تھے تو اس کا علاج ہمارے پاس نہیں ہے۔ وہ ہم سے بحث نہ کرے۔ بلکہ ایسے حکیم یا ڈاکٹر کی طرف رجوع کرے جو ماہر امراض دماغیہ ہووے۔ یزید کا بیعت کا مطالبہ تھا۔ حسین کو اُس سے قطعی انکار تھا۔ محض بیعت نہ کرنے پر سارا گھر لٹا دیا۔ عزیز و اصحاب قتل کرا دیئے۔ بچوں کو راہِ خدا میں دیدیا۔ لیکن اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں نہ دیا۔ دنیا کی آنکھیں کھل گئیں کہ یزید اسلام کو کس طرف لے جا رہا تھا۔ سب کو معلوم ہو گیا کہ اصلی اسلام کیا ہے۔ اور کس طرف ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ ان بزرگواروں کا عمل ایک ہی اصول پر مبنی تھا۔ اسلام کو بچانے کیلئے جان دیدو۔ لیکن دنیا کی وجاہت کی پرواہ نہ کرو۔ امام حسن اور امام حسین کا طرز عمل اس وجہ سے مختلف تھا کہ ان کے زمانہ کے حالات مختلف تھے یوں عمل یا یوں کہو کہ باعث عمل ایک ہی تھا طرز عمل مختلف تھا۔ مقصد ایک تھا۔ طریقے جدا تھے۔ اور یہ سب ایک ہی ظلم کے مظلوم تھے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام :-

مقام وتاریخ پیدائش - بمقام مدینہ بتاریخ سوم شعبان ۴ھ مطابق ۸/ جنوری ۶۲۶ء

مقام وتاریخ شہادت - بمقام کربلا - دہم ماہِ محرم الحرام ۶۱ھ مطابق ۱۰/ اکتوبر ۶۸۰ء -

اپنوں نے اور غیروں نے امام حسین علیہ السلام کے حالات اور خصوصاً واقعہ کربلا پر اتنا لکھا ہے۔ کہ اس جگہ اس کا اعادہ بالکل غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ امام حسین کے حالات پر لکھا بہت گیا ہے۔ غور کم کیا گیا ہے۔ سانحہ کربلا تاریخ عالم کا وہ واقعہ ہے کہ جو اپنی نوعیت اور نتائج میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ کبھی فرصت ملی اور اجل نے مہلت دی تو ہم اس پر ایک مبسوط رسالہ تحریر کرینگے۔ یہاں یہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب غیر مسلم مخالفین نے دیکھا کہ محض اس ایک ہی واقعہ سے محمد مصطفےٰ کی رسالت و نبوت ثابت ہوتی ہے۔ اور ہمارا دین و مذہب حسین کا نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے تو انہوں نے وہ کیا جو اس صورت میں کر سکتے تھے۔ یعنی حسین کی قربانی کی اہمیت کو کم کرنا چاہا۔ کم کرنے کا اور تو کوئی ذریعہ نظر نہ آیا۔ زمانہ حال کی ذہنیت اور لا مذہبیت اور حب ملک جاہ کو دیکھکر یہ کہنا شروع کیا ہے کہ حسین نے تو یزید کے خلاف بغاوت کی تھی۔ بغاوت بھی دانشمندانہ نہ تھی۔ لہذا شکست ہوئی۔ مارے گئے۔ یہی بغاوت کا نتیجہ ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے واقعات کا مطالعہ نہیں کیا۔ اور اگر مطالعہ کیا ہے تو عمداً اغماض کرتے ہیں۔ یہ واقعات غور طلب ہیں۔

(۱) حسین نے مدینہ چھوڑا کیونکہ وہاں کا حاکم یزید کے حکم اور مروان کے اثر سے امام حسین کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ مدینہ میں حسین کے لئے جائے پناہ نہ تھی۔ مدینہ کو حفاظتِ جان کے لئے چھوڑا نہ کہ شام پر حملہ کرنیکے لئے۔

(۲) مدینہ چھوڑ کر کوفہ کی طرف نہیں گئے بلکہ مکہ کی طرف گئے۔ کیونکہ وہ خدا

کا گھر سمجھا جاتا تھا۔ اور حرم میں کبوتر کا مارنا بھی حرام تھا۔

(۳) یزید کے کارکنوں اور ایجنٹوں نے وہاں بھی تعاقب کیا۔ اندیشہ تھا کہ حرم میں قتل کر دینگے۔ اور حرم کی حرمت ضائع ہو جائے گی۔ لہذا مکہ مجبوراً چھوڑنا پڑا۔

(۴) سب سے بڑی بات دیکھنے کی یہ ہے کہ کس سازوسامان کے ساتھ حسین نے مدینہ و مکہ چھوڑا۔ گھر کی ساری عورتوں، بچوں، بوڑھوں، اور چند قریبی جوانوں کے ساتھ۔ نہ کوئی قوم ہمراہ تھی۔ اور نہ کسی فوج کے جمع کرنیکی کوشش کی کیا باغی لوگ اسی طرح حکومت پر حملہ کرنے کے لئے نکلتے ہیں۔

(۵) جناب امام حسن کی رحلت اور اس واقعہ کوچ کے درمیان امام حسین کی زندگی جس طرح گزری ہے۔ اس کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ اس دوران میں نہ تو امام حسین نے حکومت کے دشمنوں اور نکتہ چینوں کے ساتھ سازباز کی، نہ فوج جمع کرنیکی کوشش کی اور نہ اپنے حقوق اور بنو امیہ کے مظالم کو شہرت دی۔

(۶) مکہ سے نکلنے کے بعد جب امام حسین چھٹی منزل زبالہ پر پہنچے ہیں تو وہاں خبر آئی کہ تمام کوفی آپ کے خلاف ہو گئے ہیں۔ اور حضرت مسلم ابن عقیل، ہانی بن عروہ اور آپ کے قاصد کو قتل کر دیا گیا ہے۔ تو آپ نے اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کر کے ایک خطبہ ادا فرمایا جس میں ان کو ان حالات سے مطلع کیا اور صاف طور سے کہدیا کہ میں تو قتل ہونے کے لیئے جا رہا ہوں۔ ہمارا کوئی دوست نہیں رہا۔ تم میں سے جو چاہتا ہے وہ چلا جائے میں نے تمہاری گردنوں میں سے اپنی بیعت کا طوق نکال لیا ہے میرے ساتھ رہنے میں تم کو سوائے موت کے اور کچھ نہ ملے گا۔ یہ سنکر بہت سے لوگ چلے گئے۔ صرف وہی رہ گئے جو مدینہ سے آپ کے ساتھ ہوئے تھے۔ [۱۶۲]

---

۱۶۲ تاریخ طبری الجزء السادس ص ۲۲۶

البدایہ والنہایہ فی التاریخ لابن کثیر شامی الجزء الثامن ص ۱۶۹

اردو ترجمہ تاریخ کامل خلافت بنو امیہ حصہ اول ص ۱۶۵

ہم اہل انصاف سے انصاف طلب ہیں جذرا لگتی کہیئے۔ کیا دنیا کے کسی ملک کے کسی زمانہ کی تاریخ میں آپ نے دیکھا ہے کہ جو شخص ملک فتح کرنے اٹھتا ہے اور جس کا مقصد ملک چھینا ہوتا ہے وہ اپنے ساتھیوں اور مددگاروں کو موت سے ڈرا کر انھیں جدا کرتا ہے۔ یا سچ و جھوٹ ملا کر اور فتح و فائدہ کی امید دلا کر انھیں اپنی مدد پر آمادہ کرتا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ مددگار جمع کرتا ہے۔

دو تاریخ ماہ محرم ۶۱ھ بروز جمعرات امام حسین علیہ السلام کربلا میں وارد ہوئے۔ وہاں عمر سعد سے کئی ملاقاتیں ہوئیں اور صلح کی کوشش بھی کی گئی۔ امام حسین نے صرف دو شرطیں پیش کی تھیں۔ ایک تو یہ کہ میں وہیں چلا جاؤں جہاں سے آیا ہوں یا تم مجھ کو اس وسیع زمین میں کہیں اور چلا جانے دو۔ امام حسین نے کبھی نہیں کہا کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو۔ تاکہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ دوں۔ اگر یہی ماننا تھا تو وطن سے ہی کیوں نکلتے۔ عقبہ ابن سمعان ہمیشہ امام حسین کے ساتھ رہا۔ یہ ام رباب کا غلام آزاد کردہ تھا۔ وہ کہتا ہے کہ امام حسین نے کبھی یہ شرط پیش نہیں کی کہ مجھے دمشق لے چلو اور یزید کے سامنے پیش کر دو۔[۱۶۳]

آخر کار جب ان لوگوں نے کسی بات کو نہ مانا اور لڑائی یقینی ہو گئی تو پھر امام حسین نے خطبہ دیا اور لوگوں کو اجازت دی کہ رات کے اندھیرے میں جہاں چاہیں چلے جائیں۔ آپ نے صاف صاف کہہ دیا کہ موت یقینی ہے۔ لیکن آپ کے اصحاب و اقارب میں سے کسی نے نہ مانا۔ اور آپ کے ساتھ قتل ہو جانے کو اپنی حیات ابدی کی ابتدا سمجھا۔ امام حسین کی یہ اجازت عین قتل کی رات کو اور ان اصحاب و اقارب کا انکار اور موت کے لیئے اصرار فطرت انسانی کے ارتقا اور ارتقاء کی انتہائی منزل کا نمونہ ہے۔ وہ لوگ جو دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام

---

۱۶۳ اردو ترجمہ تاریخ کامل خلافت بنو امیہ حصہ اول ص ۱۷۸ - تاریخ طبری الجزء السادس ص ۲۳۵ - البدایہ والنہایہ الجزء الثامن ص ۱۷۵

نے کیا سکھایا اور کیسے آدمی پیدا کیئے وہ آئیں اور کربلا کے میدان میں دیکھیں۔ یہ نمونہ انھیں سقیفہ بنی ساعدہ میں نظر نہیں آئے گا۔ لشکروں کو فتح کرلینا آسان ہے دوسروں کے ملکوں کے چھیننے کی شعبدہ بازی بہت سے حریصوں نے کر دکھائی ہے۔ لیکن موت کو فتح کرنا حسین اوران کے اصحاب کے لیئے باقی رہ گیا تھا۔ اس اجازت اور اس انکار کے لیئے دیکھو ۱۶۴

اتنی بحث کے بعد بھی اگر کوئی یہی گمان کرتا ہے کہ امام حسین نے یزید پر خروج کیا تھا۔ اور اس سے ملک چھین لینے کے لیئے اٹھے تھے تو اب مباہلہ کا نہ تو زمانہ ہے اور نہ مباہلے والے آدمی ہیں۔ یہ ہی کہہ سکتا ہوں کہ ان لوگوں کی سمجھ کا علاج میرے پاس نہیں ہے۔ کسی ماہر امراض دماغیہ کی طرف رجوع کریں۔

حضرت محسن :۔ یہ تاریخی مسلمہ ہے کہ جناب فاطمہ زہرا کا ایک لڑکے کا حمل ساقط ہوا تھا۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ جب امت محمدیہ حضرت فاطمہ کے بیت الشرف کے جلانے کے لیئے آمادہ تھی اور جناب فاطمہ دروازے کے پیچھے آکر فریاد کر رہی تھیں۔ تو ایک شخص نے دروازہ پر زور سے لات ماری۔ جناب فاطمہ پر کواڑ گر پڑا جس کے صدمہ سے حمل ساقط ہو گیا۔ اور جناب فاطمہ نے اس ہی علت میں انتقال فرمایا۔ دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ کسی معتبر تاریخ میں یہ واقعہ درج نہیں ہے لہٰذا اس کو نہ ماننا چاہیئے۔ لیکن اس فرقے کے منصف مزاج اصحاب بھی دبی زبان سے اس کو مانتے ہیں۔ ملاحظہ ہو مولوی صدرالدین حنفی کی کتاب روائح المصطفےٰ کا اقتباس جو ہم نے اس کتاب کے صفحہ ۲۳۷ پر نقل کیا ہے۔ وہ معاملہ فدک اور حمل ساقط ہونے کو ایک ہی نوع یعنی امت کے ظلم میں رکھتے ہیں کہ ان امور کی وجہ سے حضرت فاطمہ امت سے ناراض دنیا سے گئیں۔ اب جو جی چاہے ان کی تاویل کر لو۔ بہر صورت یہ ایسی باتیں ہیں جن کا تعلق

---

۱۶۴ تاریخ طبری الجزء السادس ص ۲۳۸، ۲۳۹

البدایہ والنہایہ فی التاریخ لابن کثیر شامی الجزء الثامن ص ۱۷۶

اردو ترجمہ تاریخ الکامل خلافت بنو امیہ حصہ اول ص ۱۸۲

آخرت سے زیادہ ہے بہ نسبت اس دنیا کے اور آخرت کے حاکم کے علم میں سب کچھ ہے۔ ہمیں بحث کی ضرورت نہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ اسقاط حمل مسلم ہے اور اس کی وجہ نہیں بتائی جاتی۔ ان ہی ایام میں جناب فاطمہ کی رحلت مسلم ہے لیکن مرض کی نوعیت نہیں بیان کی جاتی۔ اور ان معتبر تاریخوں کا بنو امیہ کے زیر اثر مرتب ہونا ثابت ہے تو پھر پڑھنے والے کے دل میں شبہات پیدا ہوں تو وہ حق بجانب ہے۔

حضرت زینب علیہا السلام :۔ تاریخ و مقام پیدائش۔ بمقام مدینہ شعبان ۶ھ مطابق دسمبر ۶۲۷ء۔ تاریخ و مقام وفات مصر ۱۴ رجب ۶۲ھ مطابق ۲ پانچ ۶۸۲ء

یہ امر واقعہ ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تکمیل نبوت جناب امام حسین و امام حسن علیہما السلام کی شہادت سے ہوئی جیسا کہ مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ نے اپنی کتاب سر الشہادتین میں لکھا ہے۔ امام حسن کی شہادت جناب امام حسین کی شہادت کا پیش خیمہ ہے اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور شہادت کے مقصد کی تکمیل جناب زینب علیہا السلام سے ہوئی۔ ان کا صبر و استقلال درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ اور سب سے بڑی بات جو ہے وہ یہ ہے کہ واقعہ کربلا کی عظمت و شہرت جو اس زمانہ میں ہوئی وہ سب جناب زینب کی وجہ سے ہوئی۔ ورنہ شامی تو یہ سمجھ رہے تھے کہ ایک غیر مذہب والے باغی کو ہمارے بادشاہ نے قتل کرایا ہے کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق تک راستہ میں بازاروں میں درباروں میں آپ لوگوں کو بتاتی آئی ہیں کہ تم نے کس کو قتل کیا ہے۔ اس کی عظمت اسلام میں کیا تھی۔ وہ ایک اسلام کا علم تھا جس کو تم نے سرنگوں کر دیا۔ ہدایت کا چراغ تھا جس کو تم نے گل کر دیا۔ اس کے نانا شفیع روز محشر ہیں جن کو تم نے ہمیشہ کے لئے ناراض کر دیا۔ اب کس کی شفاعت کا تم کو بھروسہ رہا۔ اس جگہ ہم صرف جناب زینب کے چند خطبات نقل کرتے ہیں۔ جب امام حسین قتل ہو گئے۔ اور خیموں میں آگ لگا دی گئی۔ اولاد رسول کو قیدی بنا کر لیجانے لگے تو عورتوں نے ان لشکریان یزید سے کہا کہ ہم کو قتل گاہ حسین کی طرف نہ لیجانا۔ ورنہ عورتیں اور بچے تڑپیں گے۔ لیکن وہ لشکری

یزید ان مخدرات عصمت اور اولاد رسول کو قتل گاہ ہی کی طرف سے لے چلے جب وہاں پہنچے تو جناب امام حسین کی لاش کو دیکھکر حضرت زینب نے اس طرح فریاد کی

وا محمداہ، صلی علیک ملیک السماء، ھذا حسین مرمل بالدماء، مقطع الاعضاء، وبناتک سبایا، الی اللہ المشتکی والی محمد المصطفی والی علی المرتضی والی حمزۃ سید الشہداء، وا محمداہ ھذا حسین بالعراء تسفی علیہ الصبا قتیل اولاد البغایا، یا حزناہ یا کرباہ الیوم مات جدی رسول اللہ، یا اصحاب محمد ھؤلاء ذریۃ المصطفی یساقون سوق السبایا۔

فریاد ہے اے محمد مالک آسمان آپ پر درود بھیجے۔ یہ حسین خون آلودہ ریت پر پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے اعضا پارہ پارہ ہیں۔ اور آپ کی بیٹیاں اسیر ہو رہی ہیں۔ خدا سے شکایت ہے محمد مصطفی سے شکایت ہے، علی مرتضی سے شکایت ہے اور حمزہ سید الشہدا سے شکایت ہے فریاد ہے اے محمد، یہ حسین چٹیل میدان میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان پر ہوا نے خاک کی چادر اڑھائی ہوئی ہے۔ بدکار عورتوں کی اولاد نے ان کو قتل کر دیا ہے۔ ہائے کیسا غم ہے، ہائے کیسا کرب ہے۔ آج میرے نانا رسول نے انتقال فرمایا اے اصحاب محمد یہ لوگ ذریت مصطفی ہیں۔ جو قیدیوں کی طرح پھرائے جا رہے ہیں۔

اس طرح بھی فریاد کی

یا محمداہ بناتک السبایا وذریتک مقتلۃ تسفی علیہم ریح الصبا، وھذا حسین محزوز الراس من القفا، مسلوب العمامۃ

فریاد ہے اے محمد آپ کی بیٹیاں قید ہو گئیں۔ اور آپ کی ذریت بیطرح قتل کی گئی۔ ان پر ہوا خاک کی چادر اڑا رہی ہے۔ اور یہ حسین ہیں جن کا سر پس گردن سے کاٹا گیا ہے ان کا عمامہ اور ردا لوٹ لی گئی۔ میرے باپ اس پر فدا

وَالرِّدَاءِ، بِأَبِي مَنْ عَسْكَرُهُ
فِي يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ نَهْبًا، بِأَبِي
مَنْ فُسْطَاطُهُ مُقَطَّعُ الْعُرَى
بِأَبِي مَنْ لَا هُوَ غَائِبٌ،
فَيُرْتَجَى، وَلَا جَرِيحٌ فَيُدَاوَى
بِأَبِي مَنْ نَفْسِي لَهُ الْفِدَاءُ
بِأَبِي مَنْ لَهُ الْهُمُومُ حَتَّى
قَضَى، بِأَبِي مَنْ هُوَ الْعَطْشَانُ
حَتَّى مَضَى، بِأَبِي مَنْ شَيْبَتُهُ
يَقْطُرُ بِالدِّمَاءِ، بِأَبِي مَنْ
جَدُّهُ رَسُولُ إِلٰهِ السَّمَاءِ
بِأَبِي مَنْ هُوَ سِبْطُ النَّبِيِّ
الْهُدٰى، بِأَبِي مُحَمَّدٌ الْمُصْطَفٰى
بِأَبِي خَدِيجَةُ الْكُبْرٰى،
بِأَبِي عَلِيٌّ الْمُرْتَضٰى، بِأَبِي
فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءُ سَيِّدَةُ النِّسَاءِ
بِأَبِي مَنْ رُدَّتْ لَهُ الشَّمْسُ
حَتّٰى صَلّٰى۔

جس کا لشکر دوشنبہ کے دن لوٹا گیا۔ میرے
باپ اس پر قربان جس کے خیمہ کی طنابیں
کاٹ ڈالی گئیں۔ میرے باپ اس پر نثار جو ایسا
غائب نہیں ہے کہ اس کے واپس آنے کی امید
کی جا سکے۔ اور نہ ایسا زخمی ہے کہ جس کا علاج
کیا جا سکے۔ میرے باپ اس پر فدا جس پر میری جان
بھی قربان رہی۔ میرے باپ اس پر فدا جس کے
حصہ میں غم ہی غم تھا۔ یہاں تک کہ اس نے قضا
کی۔ میرے باپ اس پر نثار جو پیاسا ہی دنیا سے
اٹھا۔ میرے باپ اس پر فدا جس کی ریش مبارک
سے خون ٹپکتا رہا۔ میرے باپ اس پر فدا جس کے
نانا رسول خدا تھے۔ میرے باپ اس پر فدا جو
نبی ہدے کا نواسا تھا۔ میرے باپ محمد مصطفےٰ
پر فدا۔ میرے باپ خدیجہ کبریٰ پر نثار۔ میرے
باپ علی مرتضےٰ پر قربان۔ میرے باپ فاطمہ زہرا
سیدۃ النساء پر فدا۔ میرے باپ اس پر فدا جس کی
خاطر سے سورج کو لوٹایا گیا۔ یہاں تک کہ
اس نے نماز پڑھی۔

جب یہ قافلہ کوفہ میں پہنچا جہاں کے لوگ حضرت علی و حضرت امام حسن سے
غداری کر چکے تھے۔ اور حضرت مسلم کو بلا کر اور ان سے بیعت کر کے ان کو تنہا چھوڑ دیا تھا
اور حضرت امیر المومنین کی لڑکیاں اور بیویاں ان بازاروں میں بے چادر و مقنعہ زنجیروں
میں بندھی ہوئی لائی گئی ہیں۔ اور ان کو دیکھ کر لوگوں نے گریہ و زاری شروع کر دی۔
تو حضرت زینب نے ان کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ اور پھر فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّ آلِهِ الطَّاهِرِيْنَ اَمَّا بَعْدُ
يَا اَهْلَ الْكُوْفَةِ يَا اَهْلَ الْخَتْلِ
وَالْغَدْرِ اَتَبْكُوْنَ فَلَا رَقَأَتِ
الدَّمْعَةُ وَلَا قَطَعَةِ الرَّنَّةُ
وَلَا نَهَدَأَتِ الْمِنْ قُرَّةٌ اِنَّمَا
مَثَلُكُمْ كَمَثَلِ الَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا
مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ
اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ هَلْ فِيْكُمْ
اِلَّا الصَّلَفُ وَالْعُجْبُ وَالشَّنَفُ
وَالْكِذْبُ وَمَلَقُ الْاِمَاءِ
وَغَمْزُ الْاَعْدَاءِ اَوْ كَمَرْعًى
عَلٰى دِمْنَةٍ اَوْ كَفِضَّةٍ عَلٰى مَلْحُوْدَةٍ
اَلَا سَاءَ مَا قَدَّمَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ
اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ وَفِي الْعَذَابِ
اَنْتُمْ خَالِدُوْنَ اَيْ اَجَلْ
وَاللّٰهِ فَابْكُوْا فَاِنَّكُمْ وَاللّٰهِ اَحَقُّ
بِالْبُكَاءِ فَابْكُوْا كَثِيْرًا وَ
اضْحَكُوْا قَلِيْلًا فَقَدْ بُلِيْتُمْ بِعَارِهَا
وَمُنِيْتُمْ بِشَنَارِهَا وَلَنْ تَرْحَضُوْهَا
اَبَدًا وَاَنّٰى تَرْحَضُوْنَ قَتْلَ
سَلِيْلِ خَاتَمِ النُّبُوَّةِ وَمَعْدِنِ
الرِّسَالَةِ وَسَيِّدِ شَبَابِ

اے اہل کوفہ! اے غدار و مکارو! اب گریہ
کر رہے ہو۔ تمہارے آنسو کبھی نہ تھمیں۔ اور تمہاری
فریاد کبھی ختم نہ ہو۔ تمہاری مثال اس عورت
کی ہے جو سوت اچھی طرح کاتنے کے بعد توڑ
دیتی ہے۔ تم نے بھی رشتہ عہد کو توڑ ڈالا
اور اصلی کفر کی طرف لوٹ گئے۔ کیا تم اپنی
قسموں میں مکر و خیانت کو پیش نظر رکھتے ہوئے
ہو۔ تم لوگوں میں صرف غلط دعوے ہیں
اور تم سب کے سب عیب و کذب سے
وابستہ ہو۔ تم میں کنیزوں کی سی چاپلوسی
اور دشمنوں کی سی غمازی ہے۔ تمہاری
مثال اس ہری گھاس کی سی ہے جو کوڑے
پر لہلہا رہی ہو۔ یا اس چاندی کی طرح ہو
جس سے کوئی قبر سنواری گئی ہو۔ تم نے
اپنی آخرت کے لئے بہت خراب توشہ
بھیجا ہے۔ خدا کا غضب تمہارے لئے مہیا
ہے۔ اور تم عذاب میں ہمیشہ رہو گے۔ اب
تم ہم پر رو رہے ہو۔ ہاں قسم بخدا بہت روؤ
قسم بخدا تمہارے لئے یہی مناسب ہے کہ تم روتے رہو۔
زیادہ روؤ اور کم ہنسو یعنی خوشی تمہیں کم
نصیب ہو۔ عیب و ننگ تم نے اپنے لئے جمع کر
رکھا ہے اور اس ذلت کو تم اپنے سے کسی طرح
دور نہیں کر سکتے۔ اور کسی پانی سے اس دھبہ کو
نہیں دھو سکتے۔ اور تم کیونکر اس بات کی تلافی کر سکتے ہو کہ تم نے خاتم النبیین کے جگر گوشہ اور جوانانِ جنت کے سردار کو قتل کر دیا ہے۔

أَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَلَاذِ حَرْبِكُمْ
وَمَعَاذِ حِزْبِكُمْ وَمَقَرِّ سِلْمِكُمْ
وَآسِي كَلْمِكُمْ وَمَفْزَعِ
نَازِلَتِكُمْ وَالْمَرْجِعِ إِلَيْهِ
عِنْدَ مُقَاتَلَتِكُمْ وَمَدَرَةِ
حُجَجِكُمْ وَمَنَارَةِ مَحَجَّتِكُمْ أَلَا
سَاءَ مَا قَدَّمَتْ لَكُمْ
أَنْفُسُكُمْ وَسَاءَ مَا تَزِرُونَ
لِيَوْمِ بَعْثِكُمْ فَتَعْساً تَعْساً
وَنَكْساً نَكْساً لَقَدْ خَابَ
السَّعْيُ وَتَبَّتِ الْأَيْدِي
وَخَسِرَتِ الصَّفْقَةُ وَبُؤْتُمْ
بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ
عَلَيْكُمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ
أَتَدْرُونَ وَيْلَكُمْ أَيَّ
كَبِدٍ لِمُحَمَّدٍ فَرَيْتُمْ وَأَيَّ
عَهْدٍ نَكَثْتُمْ وَأَيَّ كَرِيمَةٍ
لَهُ أَبْرَزْتُمْ وَأَيَّ حُرْمَةٍ
لَهُ هَتَكْتُمْ وَأَيَّ دَمٍ لَهُ
سَفَكْتُمْ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئاً
إِدّاً تَكَادُ السَّمٰوَاتُ
يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ
الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدّاً

جو تمہاری جنگ میں تمہارا مقام امن تھا۔
جو تمہارے گروہ کیلئے جائے پناہ اور تمہاری صلح کی
جائے قرار تھا۔ تم مباحثہ میں جس کی طرف رجوع کر
سکتے تھے۔ جو تمہاری دلیلوں کا معدن اور
تمہارے دینی راستہ کا روشن کرنیوالا تھا۔ کتنے
بڑے گناہ کے تم مرتکب ہوئے ہو۔ رحمت خدا سے
دور ہو گئے ہو۔ تمہاری کوشش بیکار ہو کے
رہ گئی۔ تم دنیا و آخرۃ کے خسارے سے دوچار
ہو گئے ہو۔ عذاب الہی کے مستحق قرار پائے
ہو۔ اور ذلت و خواری کو تم نے اپنے لئے
خرید لیا ہے۔ اے اہل کوفہ تم پر وائے ہو،
جناب رسالتمآب کے کیسے جگر گوشہ کو پارہ پارہ
کر دیا ہے۔ خانوادہ کی کیسی کیسی
مخدرہ اور عصمت مآب بی بیوں کو بے پردہ
کر دیا۔ ان کے کیسے برگزیدہ فرزندوں کا
خون بہایا۔ اور آنحضرت کی کیا کیا حرمت
ضائع کی۔ ایسا قابل نفرت کام تم نے کیا ہے
کہ جس کی وجہ سے قریب ہے کہ آسمان شگافتہ
ہو جائے۔ اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ
ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر جائیں۔ تم نے
ایسی بری حرکت کی ہے کہ جس نے
زمین و آسمان کو گھیر لیا ہے۔ تم کو اس بات پر
تعجب ہے۔ کہ آسمان سے اس واقعہ پر خون

هَذَا لَقَدْ جِئْتُمْ بِهَا صَلْعَاءَ عَنْقَاءَ سَوْدَاءَ فَقْمَاءَ وَفِي بَعْضِهَا خَرْقَاءَ شَوْهَاءَ كَطِلَاعِ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ أَفَعَجِبْتُمْ أَنْ قَطَرَتِ السَّمَاءُ دَمًا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَى وَهُمْ لَا يُنْصَرُونَ فَلَا يَسْتَخِفَّنَّكُمُ الْمَهَلُ فَإِنَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَحْفِزُهُ الْبِدَارُ وَلَا يُخَافُ عَلَيْهِ فَوْتُ الثَّارِ كَلَّا إِنَّ رَبَّكُمْ لَنَا وَلَهُمْ لَبِالْمِرْصَادِ ثُمَّ أَنْشَأَتْ تَقُولُ

(۱) مَاذَا تَقُولُونَ إِذْ قَالَ النَّبِيُّ لَكُمْ
مَاذَا صَنَعْتُمْ وَأَنْتُمْ آخِرُ الْأُمَمِ

(۲) بِأَهْلِ بَيْتِي وَأَوْلَادِي وَمَكْرُمَتِي
مِنْهُمْ أُسَارَى وَمِنْهُمْ ضُرِّجُوا بِدَمِ

(۳) مَا كَانَ ذَلِكَ جَزَائِي إِذْ نَصَحْتُ لَكُمْ
أَنْ تَخْلُفُونِي بِسُوءٍ فِي ذَوِي رَحِمِي

(۴) إِنِّي لَأَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ يَحِلَّ بِكُمْ
مِثْلُ الْعَذَابِ الَّذِي أَوْدَى عَلَى إِرَمِ

برسا (یہ تو فقط نشانی ہے) دیکھو عذاب آخرت تمہیں اس سے بھی زیادہ رسوا کریگا۔ اور کوئی تمہاری مدد نہ کریگا۔ وہاں خدا کی نرمی اور مہلت تمہارے بوجھ کو ہلکا نہ کریگی (وہاں کے عذاب کے منتظر رہو) کیونکہ خداوند عالم عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ اسے وقت اور انتقام کے فوت ہوجانیکا اندیشہ نہیں ہے۔ تمہارا پروردگار گنہگاروں کی گھات میں ہے۔

پھر جناب زینب نے یہ اشعار انشا فرمائے۔

.. ..

.. ..

.. ..

(۱) تم اس وقت کیا جواب دوگے جب پیغمبر خدا تم سے کہیں گے کہ تم تو آخری امت ہو میرے بعد تم نے کیا کیا

(۲) میرے اہلبیت و میری اولاد میری حرمت کے کے ساتھ بعض کو انہیں سے قید کیا اور بعض کو قتل کر ڈالا

(۳) یہ تو صلہ نہ تھا میری نصیحت و رسالت و اصلاح کا جو میں نے تمہارے ساتھ کیا تھا کہ تم میرے بعد میرے قرابتداروں کے ساتھ ایسا برا سلوک کرتے۔

(۴) میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر بھی ویسا ہی عذاب نازل نہ ہو جائے جس نے ارم شداد والوں کو ہلاک کر ڈالا تھا۔

جناب زینب صلوٰۃ اللہ علیہا کی یہ تقریر سُنکر لوگ ڈاڑھیں مار کر روتے تھے۔

بشیر بن خزیم اسدی کہتا ہے کہ میں نے کوفہ کے لوگوں کو دیکھا کہ یہ تقریر سنکر زن پسر مردہ کی طرح روتے تھے۔ اور دانتوں سے اپنی انگلیاں چباتے تھے۔ ایک شخص ضعیف میرے پاس کھڑا تھا وہ کہنے لگا بابی و امی کہولہم خیر الکہول و شبابہم خیر شباب و نسلہم نسل کریم و فضلہم فضل عظیم۔ یعنی میرے باپ ان پر فدا ہوں۔ ان کے بڈھے لوگ دنیا کے بڈھوں سے اور جوان لوگ دنیا کے جوانوں سے بہتر ہیں۔ ان کی نسل بزرگ ہے اور ان کا فضل عظیم۔ جب جوش گریہ زیادہ ہوا تو جناب زین العابدین نے فرمایا کہ پھپھی بس اب خاموش ہو جاؤ۔ ماضی سے جو بچ گیا ہے اس پر بس کرو۔ خدا کا شکر کہ آپ ایسی عالمہ ہیں کہ جس کو کسی انسان نے علم نہیں دیا۔ اور آپ عقلمند ہیں بغیر دانائی سکھانے والے کے اور فرمایا کہ اِنَّ الْبُکَاءَ وَ الْحَنِیْنَ لَا یُرَدَّانِ مَنْ قَدْ اَبَادَہُ الدَّھْرُ یعنے گریہ و زاری ان لوگوں کو واپس نہیں لے آتے جن کو زمانہ فنا کر چکا ہے۔

جناب زید بن موسیٰ بن جعفر علیہم السلام فرماتے ہیں کہ جناب فاطمہ بنت حسین علیہ السلام نے بازار کوفہ میں یہ تقریر فرمائی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَدَدَ الرَّمْلِ وَ الْحَصٰی وَ زِنَۃَ الْعَرْشِ اِلَی الثَّرٰی اَحْمَدُہٗ وَ اُوْمِنُ بِہٖ وَ اَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ اَنَّ وُلْدَہٗ ذُبِحُوْا بِشَطِّ الْفُرَاتِ بِغَیْرِ ذَحْلٍ وَّ لَا تِرَاتٍ

ساری حمد خدا کے لیے ہے ایسی حمد جو ریگ بیابان اور سنگریزوں سے تعداد میں اور عرش سے لیکر تحت الثریٰ تک کے سارے اجسام سے وزن میں برابر ہو۔ میں اسکی حمد کرتی ہوں۔ اس پر ایمان رکھتی ہوں اور اسی پر مجھے بھروسہ ہے اور میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور یہ گواہی دیتی ہوں کہ محمد اس معبود کے بندے اور اس کے رسول ہیں

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ
اَفْتَرِیَ عَلَیْکَ الْکَذِبَ وَاَنْ
اَقُوْلَ عَلَیْکَ خِلَافَ مَا اَنْزَلْتَ
عَلَیْهِ مِنْ اَخْذِ الْعُهُوْدِ لِوَصِیِّهٖ
عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبِ الْمَسْلُوْبِ
حَقُّهُ الْمَقْتُوْلِ مِنْ غَیْرِ ذَنْبٍ
کَمَا قُتِلَ وَلَدُهٗ بِالْاَمْسِ
فِیْ بَیْتٍ مِنْ بُیُوْتِ اللّٰهِ تَعَالٰی
فِیْهِ مَعْشَرٌ مُسْلِمَةٌ بِاَلْسِنَتِهِمْ
تَعْسًا لِرُؤُوْسِهِمْ مَا دَفَعَتْ
عَنْهُ ضَیْمًا فِیْ حَیَاتِهٖ وَلَا عِنْدَ
مَمَاتِهٖ حَتّٰی قَبَضْتَهُ اِلَیْکَ
مَحْمُوْدَ النَّقِیْبَةِ طَیِّبَ الْعَرِیْکَةِ
مَعْرُوْفَ الْمَنَاقِبِ مَشْهُوْرَ
الْمَذَاهِبِ لَمْ یَاْخُذْهُ
اَللّٰهُمَّ فِیْکَ لَوْمَةُ لَائِمٍ
وَلَا عَذْلُ عَاذِلٍ هَدَیْتَهٗ
یَا رَبِّ لِلْاِسْلَامِ صَغِیْرًا
وَحَمِدْتَ مَنَاقِبَهٗ کَبِیْرًا وَلَمْ
یَزَلْ نَاصِحًا لَکَ وَلِرَسُوْلِکَ
حَتّٰی قَبَضْتَهُ اِلَیْکَ زَاهِدًا
فِی الدُّنْیَا غَیْرَ حَرِیْصٍ عَلَیْهَا
رَاغِبًا فِی الْاٰخِرَةِ مُجَاهِدًا لَکَ

نہ بدلا۔ خداوندا میں تیری مدد کے سہارے
اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ پر جھوٹ باندھوں
اور اس عہد کے خلاف بولوں جو تو نے اپنے
پیغمبر کے وصی علی ابن ابی طالب کے بارے میں نازل
کیا ہے۔ یعنی امر خلافت۔ وہ علی جن کا حق چھین لیا
گیا اور بغیر جرم کے قتل کر دیئے گئے جس طرح کل
روز عاشورہ ان کا فرزند قتل کر دیا گیا۔ وہ
علی جن کی شہادت خدا کے گھر (مسجد کوفہ) میں
واقع ہوئی۔ جہاں وہ لوگ موجود تھے جو صرف
زبان سے مسلمان تھے۔ خدا ان کا سر توڑے انھوں نے
نہ تو آنجناب کی زندگی میں انسے کسی ظلم کو دور کیا
اور نہ ان جناب کے مرتے وقت۔ تا اینکہ خدا نے
ان کو اپنی طرف بلا لیا۔ درانحالیکہ وہ طبیعت
کے پاک اور فطرت کے پاکیزہ تھے۔ ان کے
مناقب سب کو معلوم تھے۔ اور ان کا مسلک مشہور
تھا۔ خداوندا تیرے بارے میں ان جناب کو نہ تو کسی
ملامت کرنیوالے کا خوف ہوتا تھا اور نہ کسی
سرزنش کرنیوالے کا ڈر۔ پروردگارا تو نے
انھیں انکی طفلی ہی میں اسلام کی طرف رہبری
کی اور انکے بڑے ہونے پر ان کے مناقب
کی مدح فرمائی۔ وہ جناب ہمیشہ تیرے اور
تیرے رسول کی خدمت میں خالص بات پیش
کرتے رہے۔ تا اینکہ تو نے اس حالت میں اپنی طرف

فِي سَبِيلِكَ رَضِيتَهُ وَاخْتَرْتَهُ
وَهَدَيْتَهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ
أَمَّا بَعْدُ يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ
يَا أَهْلَ الْمَكْرِ وَالْغَدْرِ وَالْخُيَلَاءِ
فَإِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ ابْتَلَانَا
اللَّهُ بِكُمْ وَابْتَلَاكُمْ بِنَا
فَجَعَلَ بَلَاءَنَا حَسَنًا وَجَعَلَ
عِلْمَهُ عِنْدَنَا وَفَهْمَهُ لَدَيْنَا
فَنَحْنُ عَيْبَةُ عِلْمِهِ وَوِعَاءُ فَهْمِهِ
وَحِكْمَتِهِ وَحُجَّتُهُ فِي الْأَرْضِ
لِبِلَادِهِ وَلِعِبَادِهِ أَكْرَمَنَا
بِكَرَامَتِهِ وَفَضَّلَنَا بِنَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقَ
تَفْضِيلًا بَيِّنًا فَكَذَّبْتُمُونَا وَكَفَّرْتُمُونَا
وَرَأَيْتُمْ قِتَالَنَا حَلَالًا وَأَمْوَالَنَا نَهْبًا
كَأَنَّنَا أَوْلَادُ تُرْكٍ وَكَابُلَ كَمَا قَتَلْتُمْ
جَدَّنَا بِالْأَمْسِ وَسُيُوفُكُمْ تَقْطُرُ مِنْ
دِمَائِنَا أَهْلَ الْبَيْتِ لِحِقْدٍ مُتَقَدِّمٍ قَرَّتْ
لِذَلِكَ عُيُونُكُمْ وَفَرِحَتْ قُلُوبُكُمْ
افْتِرَاءً مِنْكُمْ عَلَى اللَّهِ وَمَكْرًا مَكَرْتُمْ
وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ فَلَا تَدْعُوَنَّكُمْ
أَنْفُسُكُمْ إِلَى الْجَذَلِ بِمَا أَصَبْتُمْ
مِنْ دِمَائِنَا وَنَالَتْ أَيْدِيكُمْ

فَإِنَّمَا اَتَانَا مِنَ الْفَضْلِ كَمَا ... اِذْ اَتَانَا اللهُ مُصْطَفٰى

تو ان سے راضی ہوا۔ تو نے ان کو منتخب کر لیا
اور صراط مستقیم کی طرف تو نے انکی رہبری فرمائی
اما بعد: اے اہل کوفہ، اے مکر و بیوفائی والو،
اے تکبر والو بے شک ہم اہلبیت وہ ہیں جن
کی آزمائش خدا نے تمہارے ذریعہ کی ہے۔ اور
تمہاری آزمائش ہمارے ذریعہ سے۔ اور ہماری
آزمائش کو اچھا قرار دیا۔ اس خدا نے اپنا علم
ہمیں بخشا۔ اپنی فہم ہمیں عنایت کی چنانچہ ہم
اس کے علم کا ظرف اور اس کے فہم و حکمت کا
مقام ہیں۔ اور ہم روئے زمین پر اس کے ملکوں
اور اس کے بندوں کے لیے اس کی حجت ہیں
خدا نے ہمیں اپنی کرامت کے ساتھ مخصوص کیا ہے
اور ہمیں اپنے نبی محمد مصطفےٰ کے ذریعہ اکثر مخلوقات
پر بین فضیلت دی ہے۔ باوجود اس کے تم نے
ہمیں جھٹلایا۔ ہمیں کافر کہا۔ اور ہمارے قتل کو حلال
جانا۔ اور ہمارے مالوں کو لوٹنا جائز سمجھا۔
گویا ہم ترک و کابل کی نسل سے ہیں! ایسے
ہی تم نے کل ہمارے جد بزرگوار علی ابن ابی طالب کو
قتل کر ڈالا۔ اور اب تک تمہاری تلواروں سے ہم
اہلبیت محمد کا خون ٹپک رہا ہے۔ یہ اس
کینہ کی وجہ سے ہے جو پہلے سے تمہارے دل میں
چلا آرہا ہے۔ اس قتل و غارت سے تمہاری
آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ تمہارے دل مسرور ہوئے

فی کتاب اللہ من قبل ان
نبرأھا ان ذالک علی اللہ
یسیر لکیلا تأسوا علی ما فاتکم
ولا تفرحوا بما اتاکم واللہ
لا یحب کل مختال فخور
تبا لکم فانتظروا اللعنۃ
والعذاب وکان قد حلت
بکم ولو اتوت من السماء
نقمات فیسحتکم بما
کسبتم ویذیق بعضکم
باس بعض ثم تخلدون
فی العذاب الالیم یوم
القیامۃ بما ظلمتمونا
الا لعنۃ اللہ علی الظالمین
ویلکم اتدرون ایۃ
ید طاعنتنا منکم وایۃ نفس
نزعت الی قتالنا ام بایۃ
رجل مشیتم الینا تبغون
محاربتنا قست قلوبکم
وغلظت اکبادکم و
طبع علی افئدتکم وختم
علی سمعکم وبصرکم
وسول لکم الشیطان

حالانکہ تمہارے یہ افعال سرتاسر خدا و رسول پر افترا و
بہتان تھے۔ اور یہ ایسا مکر تھا جو تم نے دیدہ و
دانستہ کیا ہے۔ خدا مکر کا اچھی طرح بدلہ لینے
والا ہے۔ لہذا خبردار تمہارے نفوس ہمارا
خون بہانے پر تم کو خوش ہونے پر آمادہ نہ کریں
اور ہمارا مال و اسباب لوٹنے پر تم کو فرح و سرور
کی طرف مائل نہ کریں۔ کیونکہ ہم پر جو بڑی بڑی
مصیبتیں نازل ہوئی ہیں۔ وہ خدا کی کتاب میں
خلقت دنیا سے پہلے ہی ثبت ہو چکی تھیں۔ یہ امر
خدا کے لئے سہل ہے۔ ہرگز فوت شدہ چیز پر
افسوس نہ کرو۔ اور جو نئی شے حاصل ہو اس پر
خوشی نہ کرو۔ خدا کسی اکڑ بیٹھنے والے اور فخر کرنے والے
کو دوست نہیں رکھتا۔ خدا تمہیں ہلاک کرے
لعنت و عذاب کے منتظر رہو۔ گویا لعنت تم پر
اتر چکی ہے جو تمہارے کرتوت کے سبب تم کو ہلاک
کر دیگی اور تم میں سے بعض کو بعض کی تعدی سے
دوچار کر دیگی۔ پھر قیامت کے روز تم لوگ دائمی
اور دردناک عذاب میں مبتلا رہو گے۔ کیونکہ
تم نے ہم آل محمد پر ظلم کیا ہے۔ آگاہ ہو کہ ظالموں
پر خدا کی لعنت ہے۔ تم برے ہو، تم جانتے
ہو کہ تمہارے کن ہاتھوں نے ہمیں نیزے مارے
ہیں۔ اور کیسے کیسے دل ہمارے قتال پر
کھنچ کر آئے تھے۔ اور کن پیروں سے ہم سے

وَ اَمْرًا لَکُمْ وَ جَعَلَ عَلٰی اَبْصَارِکُمْ
غِشَاوَۃً فَاَنْتُمْ لَا تَهْتَدُوْنَ
تَبًّا لَکُمْ یَا اَهْلَ الْکُوْفَةِ اَیَّ
تِرَاتٍ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ قِبَلَکُمْ
وَ ذُحُوْلٍ لَدَیْکُمْ بِمَا
غَدَرْتُمْ بِاَخِیْهِ عَلِیِّ
بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ جَدِّیْ
وَ بَنِیْهِ عِتْرَةِ النَّبِیِّ الطَّاهِرِیْنَ
الْاَخْیَارِ وَ افْتَخَرَ بِذٰلِکَ
مُفْتَخِرٌ

نَحْنُ قَتَلْنَا عَلِیًّا وَ بَنِیْ عَلِیٍّ
بِسُیُوْفٍ هِنْدِیَّةٍ وَ رِمَاحٍ
وَ سَبَیْنَا نِسَاءَهُمْ سَبْیَ تُرْکٍ
وَ نَطَحْنَاهُمْ فَاَیَّ نِطَاحٍ

بِفِیْکَ اَیُّهَا الْقَائِلُ الْکَثْکَثُ
وَ لَکَ الْاَثْلَبُ اَفْتَخَرْتَ
بِقَتْلِ قَوْمٍ زَکَّاهُمُ اللّٰهُ
وَ طَهَّرَهُمْ وَ اَذْهَبَ عَنْهُمُ
الرِّجْسَ فَاکْظِمْ وَ اَقْعِ
کَمَا اَقْعٰی اَبُوْکَ وَ اِنَّمَا
لِکُلِّ امْرِءٍ مَا قَدَّمَتْ
یَدَاهُ وَ حَسَدْتُمُوْنَا۔
وَیْلًا لَکُمْ عَلٰی مَا فَضَّلَنَا اللّٰهُ

تمہارے فعلوں کو تمہاری نظر میں خوشنما کر کے دکھایا
ہے اور تمہاری آنکھوں پر پردے ڈال دیئے
لہٰذا اب تم راہ ہدایت نہ پاؤ گے
اے اہل کوفہ خدا تمہیں ہلاک
کرے۔ رسول خدا کا کیسا کیسا خون بہا
تمہارے سروں پر اور کیسی کیسی
جانوں کا بدلہ تمہاری گردنوں پر
ہے۔ کیونکہ تم نے آنحضرت کے بھائی
اور میرے جد بزرگوار علی ابن ابی
طالب اور انکی اولاد اور نبی کی
عترت پاکیزہ کے ساتھ بے وفائی کی
ہے۔ اور اس پر ایک فخر کرنیوالے
نے یوں فخر بھی کیا ہے

ہم نے علی و اولاد علی کو ہندی
تلواروں اور نیزوں سے
قتل کیا۔ ان کی عورتوں کو ترک
کی عورتوں کی طرح قید کیا
اور بڑی بڑی ٹکر دی ہے۔

اے اس طرح بولنے
والے تیرے منہ
میں خاک اور ریت
تو اس قوم کے قتل پر
فخر کرتا ہے جسے خدا

عَلَیْکُمْ -
فَمَاذَنْبُنَا اِنْ جَاشَ دَهْرًا بُحُوْرُنَا
وَبَحْرُكَ سَاجٍ لَا يُوَارِي الدَّعَامِصَا
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ
مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ
الْعَظِيْمِ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ
لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ

سے نے پاکیزہ بنایا ہے طاہر کیا ہے اور ان سے ہر برائی کو دور رکھا ہے لہذا تو غصہ کے گھونٹ پیتا رہ۔ اور کتے کی نشست سے بیٹھ جس طرح تیرا باپ بیٹھا تھا۔

ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ ملے گا۔ تم برباد ہو۔ تم نے ہمارے فضل پر حسد کیا ہے ہمارا کیا قصور ہے اگر ہمارے سمندر جوش مارتے رہیں اور تیرا دریا عیب کے جانور کو چھپا نہ سکے۔ یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ وہ بڑا فضل والا ہے۔ اور خدا جسے نور نہیں دیتا اسے کہیں سے نور نہیں ملتا۔

جناب فاطمہ کی اس تقریر سے لوگوں میں کہرام مچ گیا اور ہر ایک بے ساختہ بلک بلک کر رونے لگا۔ وہ کہتے جاتے تھے کہ اے پاک و پاکیزہ لوگوں کی دختر تم نے ہمارے دلوں کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اور ہمارے جگر میں رنج و اندوہ کی آگ لگا دی۔ سید ابن طاؤس علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ حضرت ام کلثوم نے بھی ایک نہایت مؤثر تقریر فرمائی تھی۔ وہ خطبہ یہ ہے۔

يَا اَهْلَ الْكُوْفَةِ سُوْءَةً لَّكُمْ
مَا لَكُمْ خَذَلْتُمْ حُسَيْنًا وَ
قَتَلْتُمُوْهُ وَانْتَهَبْتُمْ اَمْوَالَهٗ
وَوَرِثْتُمُوْهُ وَسَبَيْتُمْ نِسَاءَهٗ
وَنَكَبْتُمُوْهُ فَتَبًّا لَّكُمْ وَسُحْقًا
وَيْلَكُمْ اَتَدْرُوْنَ اَيَّ
دَوَاهٍ دَهَتْكُمْ وَاَيَّ وِزْرٍ

اے اہل کوفہ خدا تمہارا برا کرے تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نے حسین کو چھوڑ دیا۔ ان کو قتل کر دیا۔ ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ اب ان پر تم افسوس کرتے ہو۔ حالانکہ تم نے اب بھی ان کی عورتوں کو اسیر کر رکھا ہے۔ اور پھر ان پر تم روتے بھی ہو تم پر ہلاکت نازل ہو۔ تم ناامید ہو جاؤ۔ تم پر وائے ہو۔ تم جانتے ہو کہ تم پر کیسی آفت آ گئی ہے

علیٰ ظہورکم حملتموا
وای دماءٍ سفکتموھا
وای کریمۃ اصبتموھا
وای صبیۃ سلبتموھا
وای اموالٍ انتھبتموھا
قتلتم خیر رجالات
بعد النبی ونزعۃ الرحمۃ
من قلوبکم الا ان حزب
اللہ ھم الفائزون و
حزب الشیطان ھم
الخاسرون ثم قالت

(۱) قتلتم اخی صبرا فویل لامکم
ستجزون نارا حرھا یتوقد

(۲) سفکتم دماءً حرم اللہ سفکھا
وحرمھا القرآن ثم محمد

(۳) الا فابشروا بالنار انکم غدا
لفی سقر حقا یقینا تخلدوا

(۴) وانی لابکی فی حیاتی علی اخی
علی خیر من بعد النبی لولد

(۵) بدمع غزیر مستھل مکفکف
علی الخد منی ذائباً لیس یجمد

اور کن مخدرات کی چادریں تم نے چھینی ہیں
اور کیسے محترم مال و اسباب کو لوٹا ہے۔
رسول کے بعد جو سب سے بہتر فرد تھے۔ ان کو
تم نے قتل کر ڈالا۔ تمہارے دلوں سے رحم
دور ہو گیا ہے۔ یاد رہے کہ خدا ہی کا گروہ
کامیاب رہتا ہے۔ اور شیطان کا لشکر
ناکامیاب ہے۔ پھر فرمایا

(۱) تم نے میرے بھائی کو مجبور کر کے
قتل کر ڈالا۔ تمہاری ماں ہلاک ہو
عنقریب اس کے بدلے میں
تم کو وہ آگ ملے گی جس کی گرمی
بھڑکتی رہے گی۔

(۲) تم نے ایسے خون بہائے ہیں
جن کو خدا نے محترم قرار دیا تھا،
جسے قرآن نے محترم بتایا ہے اور محمد مصطفیٰ
نے اس سے اُمت کو آگاہ کر دیا۔

(۳) خبردار تمکو جہنم کی خوشخبری ہو بیشک تم
قیامت کے دن سقر میں ڈالے جاؤ گے جس میں یقیناً
تم ہمیشہ رہو گے۔

(۴) میں زندگی بھر اپنے بھائی کو روتی
رہونگی جو بعد پیغمبر ہر مولود سے بہتر تھا۔

(۵) میں آنسو بہاؤنگی جو مسلسل ہوگا۔ برابر جاری رہیگا۔ جس سے ہمیشہ رخسارے
تر رہینگے۔ جو کبھی بند نہ ہوگا۔

خطبۂ زینب در مجلس یزید۔ یہ وہ خطبہ ہے جس نے دنیا کے سامنے ثابت کر دیا کہ حق ہمیشہ حکومت کی سطوت اور طاقت پر غالب رہتا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اہل حق کو نہیں دبا سکتی۔ کل کی بات تھی کہ حکومت نے اپنا سارا زور لگا کر کربلا کے میدان میں اپنی پوری طاقت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اور اس میں خاندان کے تمام افراد قتل ہو گئے۔ مال و اسباب جو کچھ تھا لٹ گیا۔ بہ ظاہر دنیا کی کوئی چیز ان کے پاس نہ تھی جس حاکم کے حکم سے یہ ساری مصیبتیں آئی تھیں وہ ہی اپنے پوری شان و شوکت کے ساتھ مسند زریں پر بیٹھا ہوا ہے۔ اور اس کے ارد گرد ننگی تلواریں لیئے ہوئے اس کے سپاہی کھڑے ہیں۔ اس حاکم کے سامنے چند کمزور اور نحیف بیکس قیدیوں کی لائن زنجیروں میں جکڑی ہوئی کھڑی ہے۔ ان کے سب مرد رشتہ دار کربلا میں کام آ گئے۔ اور اب بہ ظاہر دنیا میں یہ کسی کو اپنا مونس و ناصر نہیں پاتے۔ اس حاکم نے وقت نے چند ناجائز حرکات کیں۔ زبان سے غرور آمیز کلمے نکالے جو ایک بیکس و غریب و نزار عورت نے سُنے۔ جس کے سب عزیز بھائی اور جس کے اپنے بچے بھتیجے سب میدان کربلا میں قتل ہو چکے تھے۔ دنیاوی جرأت و ہمت کا آخری قطرہ ایسی عورت کے بدن سے نکل جاتا ہے۔ لیکن اس عورت نے جس نے فاطمہ کا دودھ پیا تھا۔ علی کی گود میں پرورش پائی تھی اور جناب رسول خدا کی زبان چوسی تھی۔ یہ کلمات ناحق سُنے اور تاب نہ لا سکی حق کی طاقت کے زور پر اور ہر حالت میں غالب رہنے والی جرأت کے ساتھ یہ تقریر فرمائی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَآلِہٖ اَجْمَعِیْنَ صَدَقَ اللّٰہُ کَذٰلِکَ ثُمَّ کَانَ عَاقِبَۃَ الَّذِیْنَ اَسَاؤُا السُّوْٓءٰی اَنْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَکَانُوْا بِھَا یَسْتَھْزِءُوْنَ تَقُوْلُ

حمد ہے واسطے رب العالمین کے۔ صلوٰۃ و درود ہے اسکے رسول پر اور انکی آل پر خداوند تعالےٰ نے سچ فرمایا ہے "پھر برا ہوا انجام ان لوگوں کا جو برائی کرتے تھے۔ خدا کی نشانیوں کو جھٹلاتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے"۔ اے یزید تو نے

اَظَنَنْتَ یَا یَزِیْدُ حَیْثُ اَخَذْتَ
عَلَیْنَا اَقْطَارَ الْاَرْضِ وَاٰفَاقَ
السَّمَآءِ فَاَصْبَحْنَا نُسَاقُ کَمَا تُسَاقُ
الْاُسَارٰی اَنَّ بِنَا عَلَی اللّٰہِ ھَوَانًا
وَبِکَ عَلَیْہِ کَرَامَۃً وَاَنَّ ذٰلِکَ
لِعِظَمِ خَطَرِکَ عِنْدَہٗ فَشَمَخْتَ
بِاَنْفِکَ وَنَظَرْتَ فِیْ عِطْفِکَ
جَذْلَانَ مَسْرُوْرًا حِیْنَ رَاَیْتَ
الدُّنْیَا لَکَ مُسْتَوْثِقَۃً وَالْاُمُوْرَ
مُتَّسِقَۃً حِیْنَ صَفَا لَکَ مُلْکُنَا
وَسُلْطَانُنَا مَھْلًا مَھْلًا اَنَسِیْتَ
قَوْلَ اللّٰہِ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ
کَفَرُوْا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ خَیْرٌ
لِّاَنْفُسِھِمْ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ
لِیَزْدَادُوْا اِثْمًا وَلَھُمْ عَذَابٌ
مُّھِیْنٌ اَمِنَ الْعَدْلِ یَا ابْنَ
الطُّلَقَآءِ تَخْدِیْرُکَ حَرَائِرَکَ
وَاِمَائَکَ وَسَوْقُکَ بَنَاتِ
رَسُوْلِ اللّٰہِ سَبَایَا قَدْ ھَتَکْتَ
سُتُوْرَھُنَّ وَاَبْدَیْتَ وُجُوْھَھُنَّ
تَحْدُوْ بِھِنَّ الْاَعْدَاءُ مِنْ
بَلَدٍ اِلٰی بَلَدٍ وَیَسْتَشْرِفُھُنَّ
اَھْلُ الْمَنَاھِلِ وَالْمَنَاقِلِ

ہم پر زمین کا ناکہ بند کر دیا۔ آسمان کی فضا تنگ
کر دی۔ یہاں تک کہ اہلبیت کی مخدرات عصمت کو
قید کر کے دیار بدیار پھرایا۔ اس وجہ سے کیا تجھے
یہ گمان ہو گیا ہے کہ ہم خدا کے نزدیک ذلیل و خوار
ہیں۔ اور تو اس کی نظر میں مکرم ہے۔ اور تیرا
یہ ظلم جو ہم پر گزرا ہے تو کیا یہ خیال کرتا ہے کہ تجھے اس
کی بارگاہ میں شان و منزلت حاصل ہو گئی ہے
اور تو اس گمان بد کے سبب سے متکبروں کی طرح
ناک پر شکن ڈالتا ہے اور دائیں بائیں متکبرانہ
انداز سے دیکھ رہا ہے۔ خوشی سے اپنے شانوں
کو حرکت دے رہا ہے، اور اترا اترا کر کولہے مٹکا رہا ہے
اور اس پر خوش ہے کہ تو نے دنیا کو اپنے لیے ہموار
پایا ہے۔ اور اپنے کام درست کر لیے ہیں اور
ہماری مملکت و سلطنت تجھ کو بے خار و خلش
مل گئی ہے۔ جلدی نہ کر ذرا دم لے۔ کیا تو نے یہ
بات فراموش کر دی ہے کہ خدا قرآن میں فرماتا ہے کہ
زنہار یہ گمان نہ کر کہ ہم نے کفار کو مہلت دیدی ہے
اور جو کچھ ان کو یہ ڈھیل ہے یہ خیر ہے۔ بلکہ ہم اس
جماعت کو زمانہ دراز تک چھوڑ رکھتے ہیں
تاکہ ان کا گناہ اور بڑھے۔ اور ان کیلئے ذلیل
کرنیوالا عذاب موجود ہے۔ (پ۴ ع۸ ۱۰) اے
طلقاء کے بیٹے (فتح مکہ کے دن رسول خدا نے
ابو سفیان وغیرہ کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا تھا۔

اذھبوا فانتم الطلقاء (جاؤ تم آزاد و غلام ہو) اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے) کیا یہ تیرا عدل و انصاف ہے کہ تو نے اپنی عورتوں اور کنیزوں کو پردے میں رکھا ہے۔ اور
دختران پیغمبر کو اسیر کر کے تشہیر کرایا ہے۔ انکی حرمت ضائع کر دی ہے۔ انکو سر برہنہ کر دیا ہے۔ دشمنوں نے ایک شہر سے دوسرے شہر میں انھیں پھرایا ہے۔

وَيَتَصَفَّحُ الْقَرِيبُ وَالْبَعِيدُ
وَالدَّنِيُّ وَالشَّرِيفُ لَيْسَ
لَهُنَّ مِنْ رِجَالِهِنَّ وَلِيٌّ وَلَا
مِنْ حُمَاتِهِنَّ حَمِيٌّ وَكَيْفَ يُرْتَجَى
مُرَاقَبَةُ مَنْ لَفَظَ فُوهُ أَكْبَادَ
الْأَزْكِيَاءِ وَنَبَتَ لَحْمُهُ
بِدِمَاءِ الشُّهَدَاءِ وَكَيْفَ
يُسْتَبْطَأُ فِي بُغْضِنَا أَهْلَ الْبَيْتِ
مَنْ نَظَرَ إِلَيْنَا بِالشَّنَفِ
وَالشَّنَآنِ وَالْإِحَنِ وَ
الْأَضْغَانِ ثُمَّ تَقُولُ غَيْرَ
مُتَأَثِّمٍ وَلَا مُسْتَعْظِمٍ
أَهَلُّوا وَاسْتَهَلُّوا فَرَحًا
ثُمَّ قَالُوا يَا يَزِيدُ لَا تُشَلَّ
مُنْتَحِيًا عَلَى ثَنَايَا أَبِي عَبْدِ اللهِ
سَيِّدِ شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ
تَنْكُتُهَا بِمِخْصَرَتِكَ وَكَيْفَ
لَا تَقُولُ ذٰلِكَ وَلَقَدْ
نَكَأْتَ الْقَرْحَةَ وَاسْتَأْصَلْتَ
الشَّافَةَ بِإِرَاقَتِكَ دِمَاءَ
ذُرِّيَّةِ مُحَمَّدٍ وَنُجُومِ الْأَرْضِ
مِنْ آلِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ
وَتَهْتِفُ بِأَشْيَاخِكَ

لوگ ان کے چہروں پر نظر کرتے ہیں اور دور و
نزدیک کے لوگ، شریف اور کمینے سب ان کے
رخساروں کو گھور گھور کے دیکھتے ہیں۔ اس پر
مصیبت یہ ہے کہ ان بیچاروں کے ساتھ کوئی
ان کی حمایت کرنیوالا یا اختیار مرد نہیں ہے ہاں
اس شخص سے کیونکر مراعات کی امید کی جائے
جس کے بزرگوں (یزید کی دادی) کے منہ نے
پاکیزہ لوگوں کا جگر چبا کے تھوکا ہو۔ اور جس کا
گوشت پوست شہیدوں کے خون سے پرورش یافتہ
ہو۔ کیوں یہ حالت نہ ہو۔ جو ہمیں بغض و دشمنی
اور کینہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔ وہ دشمنی کرنے
میں کیا کمی کرے گا۔ اے یزید پھر تو بغیر گناہ اور
امر عظیم کا خیال کیے ہوئے اپنے بزرگوں کو
یاد کر کے کہتا ہے لاهلوا واستهلوا فرحا:
ثم قالوا يا يزيد لا تشل دیکھ نزدیک
یہ منظر دیکھ کر خوشی سے اوچھل پڑتے اور
کہہ اٹھتے کہ اے یزید تیرا ہاتھ شل نہ ہو۔
حالانکہ سردار جوانان جنت ابو عبد اللہ الحسین
کے دانتوں سے تو بے ادبی کر رہا ہے۔ اے
یزید تو کیوں نہ خوش ہو۔ اور ایسے کلام
زبان پر کیوں نہ لائے۔ اس لئے کہ تو نے
زخم کو گہرا کر دیا ہے۔ اور شجرہ طیبہ کو اسکی
جڑ سے کاٹ کر پھینک دیا ہے۔ یعنی ذریت محمد

زعمت انك تناديهم
فلتردن وشيكاً موردهم
ولتودن انك شللت و
بكمت ولم تكن قلت ما قلت
وفعلت ما فعلت اللهم خذ
بحقنا وانتقم من ظالمنا واحلل
غضبك بمن سفك دماءنا
وقتل حماتنا فوالله ما فريت
الا جلدك ولا حززت
الا لحمك ولتردن على
رسول الله بما تحملت من
سفك دماء ذريته و
انتهكت من حرمته في
عترته ولحمته حيث يجمع
الله شملهم ويلم شعثهم
ويأخذ بحقهم ولا تحسبن
الذين قتلوا في سبيل الله
امواتا بل احياء عند
ربهم يرزقون حسبك
بالله حاكما وبمحمد خصيما
وبجبرئيل ظهيرا وسيعلم
من سوى لك ومكنك
من رقاب المسلمين بئس

کا خون بہایا ہے۔ اور آل محمد اور اولاد عبد المطلب
کی ان افراد کو جو مثل ستارہ ہائے زمین تھے قتل
کر ڈالا ہے اور اپنے اسلاف کو اپنی اس کامیابی
پر سنا رہا ہے۔ بس تو عنقریب ان سے ملحق
ہوگا۔ اور اس وقت آرزو کریگا کہ کاش دنیا
میں نہ تیرے ہاتھ ہوتے اور نہ تیری زبان ہوتی
تاکہ تو نے جو کچھ کیا وہ نہ کرتا۔ اور جو کچھ تو نے
کہا وہ نہ کہتا۔ اس کے بعد اس مخدرہ نے آسمان
کی جانب رخ کر کے عرض کی کہ اے معبود ہمارے
حق کا بدلہ ظالموں سے لے اور ستمگاروں سے
تو خود انتقام لے اور اس پر اپنا غضب نازل
کر جس نے ہمارا خون بہایا اور ہمارے جوانوں کو
تہ تیغ کیا۔ اے یزید قسم بخدا جو کچھ ظلم تو نے کیا ہے
وہ اپنے ساتھ کیا ہے۔ تو نے اپنی ہی کھال چاک
کی ہے۔ اور اپنا ہی گوشت کاٹا ہے۔
تو رسول خدا کے حضور میں بصورت مجرم لایا
جائیگا۔ کہ تو نے ان کی ذریت کا خون بہایا
ہے اور ان کی عترت اور پارہ ہائے جگر کی ناموس
کی ہتک حرمت کی ہے۔ اس وقت خداوند
عالم ان کی پریشانی کو دور کرے گا۔ ان کی
پراگندگی کو مبدل بہ سکون کرے گا۔ اور ستمگاروں
سے ان کا حق لے گا۔ تو ہرگز گمان نہ کر کہ
کشتگان راہ خدا مردہ ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں

لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا وَاَيُّكُمْ شَرٌّ
مَكَانًا وَاَضْعَفُ جُنْدًا وَلَئِنْ
جَرَتْ عَلَيَّ الدَّوَاهِي مُخَاطَبَتُكَ
اِنِّي لَاَسْتَصْغِرُ قَدْرَكَ
وَاَسْتَعْظِمُ تَقْرِيْعَكَ وَاَسْتَكْثِرُ
تَوْبِيْخَكَ لٰكِنَّ الْعُيُوْنَ عَبْرٰى
وَالصُّدُوْرَ حَرّٰى اَلَا فَالْعَجَبُ
كُلُّ الْعَجَبِ لِقَتْلِ حِزْبِ اللّٰهِ
النُّجَبَاءِ بِحِزْبِ الشَّيْطَانِ
الطُّلَقَاءِ فَهٰذِهِ الْاَيْدِيْ
تَنْطِفُ مِنْ دِمَائِنَا وَالْاَفْوَاهُ
تَتَحَلَّبُ مِنْ لُحُوْمِنَا وَتِلْكَ
الْجُثَثُ الطَّوَاهِرُ الزَّوَاكِيْ
تَنْتَابُهَا الْعَوَاسِلُ وَتُعَفِّرُهَا
اُمَّهَاتُ الْفَرَاعِلِ وَلَئِنْ
اتَّخَذْتَنَا مَغْنَمًا لَتَجِدُنَا
وَشِيْكًا مَغْرَمًا حِيْنَ لَا تَجِدُ
اِلَّا مَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ وَمَا
رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيْدِ فَاِلَى
اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى وَعَلَيْهِ الْمُعَوَّلُ
فَكِدْ كَيْدَكَ وَاسْعَ سَعْيَكَ
وَنَاصِبْ جُهْدَكَ فَوَاللّٰهِ
لَا تَمْحُوْ ذِكْرَنَا وَلَا تُمِيْتُ

اور اپنے پروردگار کے یہاں طرح طرح کی
نعمتوں سے بہرہ اندوز ہیں۔ اور خدا کا انصاف
کرنا، پیغمبر خدا کا تجھ سے دعویدار ہونا اور
جبرئیل کا ان کی ذریت کی مدد کے لیے مستعد
ہونا تیری سزا کے لیے کافی ہے۔ عنقریب وہ
شخص جس نے تیرے لیے بساطِ سلطنت بچھائی
تھی اور تجھے مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کیا تھا
بہت جلد معلوم کرے گا۔ کہ ظالموں کا بدلہ
برا ہوتا ہے اور جائے قیام کے لحاظ سے
تم میں سے کون بدتر ہے اور کس کے اعوان
و مددگار ضعیف تر ہیں۔ اگرچہ گردش زمانہ
اور حوادث روزگار نے مجھے تجھ سے ہمکلام
کر دیا ہے۔ یا اگر تجھ سے اس دلیری سے ہمکلام
ہوتا ہے تجھ پر ستم پر ستم ڈھائے۔ پھر بھی میں تجھکو
حقیر ہی سمجھتی ہوں اور سمجھتی رہونگی۔ اور میں
اپنی سرزنش اور شماتت کو جو تو ہمارے ساتھ
عمل میں لا رہا ہے بہت عظیم جانتی ہوں اور
جانتی رہونگی۔ افسوس ہے کہ آنکھیں گریاں
ہیں اور سینے آتش غم سے جل رہے ہیں۔
نہایت تعجب ہے کہ رحمان کا لشکر شیطانوں
کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ ہمارا خون
ہمارے دشمنوں کے ہاتھوں سے ابھی تک ٹپک
رہا ہے اور ان کے دہنوں سے ہمارے

وحیّنا ولا تذل بک امدنا
ولا یدحض عنک عارها
وهل رأیک الا فند وأیامک
الا عدد وجمعک الا بدد
یوم ینادی المنادی الا لعنة
الله علی الظالمین فالحمد لله
الذی ختم لأولنا بالسعادة
ولآخرنا بالشهادة والرحمة
ونسئل ان یکمل لهم الثواب
ویوجب لهم المزید ویحسن
علینا الخلافة انه رحیم
ودود وحسبنا الله ونعم
الوکیل ۔

گوشت کی رطوبت جاری ہے اور صحرا
کے بھیڑیے ان پاکیزہ اجساد کا طواف
کر رہے ہیں اے یزید اگر تو نے آج ہم کو
تباہ کر کے غنیمت پائی ہے تو کل قیامت
کے دن خسارے میں پڑے گا۔ جبکہ تو سوائے
اپنے اعمال بد کے اور کوئی چیز وہاں نہ
پائے گا۔ حق تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں
کرتا۔ خدا ہی سے شکایت ہے اور اسی پر
اعتماد ہے اے یزید جتنا کید و مکر چاہے کئے
جا۔ اور اپنی کوشش سے باز نہ آ اور ستم
کو اپنا نصب العین بنائے لیکن قسم بخدا تو
ہمارا ذکر صفحہ جہاں سے محو نہیں کر سکتا
اور اس واقعہ کا ننگ و عار تجھ سے دھل
نہیں سکتا۔ تیری رائے سست ہے۔ اور تیری زندگی صرف گنے ہوئے دن ہیں
اور تیرا ذخیرہ اس دن صرف پریشانی ہوگی جس دن منادی ندا کرے گا۔ ظالموں پر
خدا کی لعنت۔ خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہمارے اول (محمد مصطفیٰ) کو سعادت سے
بہرہ اندوز کیا۔ اور ہمارے آخر (حسین علیہ السلام کو) شہادت کا فخر عطا فرمایا۔ میں خدا سے
دعا کرتی ہوں کہ ہمارے شہیدوں کا ثواب مکمل کرے۔ ان کے اجر کو زیادہ فرمائے۔
اور ہمارے بقیہ افراد کے حالات کی درستی اور اصلاح میں احسان سے کام لے۔ وہ
بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اور ہر پہلو سے وہی بہترین وکیل ہے۔

مرثیہ حضرت ام کلثوم بوقت رسیدن بمدینہ

جب شام کے زندان سے رہائی پا کر اہلبیت رسول مدینہ میں داخل ہونے لگے ہیں اور شہر مدینہ کی دیواریں نظر آئیں تو جناب ام کلثوم نے ایک نہایت بلیغ اور درد آمیز مرثیہ جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر پڑھا وہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ دیکھو ناسخ التواریخ جلد ششم ص ۲۷۳

(۱) مَدِينَةَ جَدِّنَا لَا تَقْبَلِينَا ۔۔۔ فَبِالْحَسَرَاتِ وَالْأَحْزَانِ جِئْنَا

(۲) أَلَا أَخْبِرْ رَسُولَ اللّٰهِ فِينَا ۔۔۔ بِأَنَّا قَدْ فُجِعْنَا فِي أَبِينَا

(۳) وَأَنَّ رِجَالَنَا بِالطَّفِّ صَرْعَى ۔۔۔ بِلَا رُؤُسٍ وَقَدْ ذَبَحُوا الْبَنِينَا

(۴) وَأَخْبِرْ جَدَّنَا أَنَّا أُسِرْنَا ۔۔۔ وَبَعْدَ الْأَسْرِ يَا جَدَّا سُبِينَا

(۵) وَرَهْطُكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَضْحَوْا ۔۔۔ عَرَايَا بِالطُّفُوفِ مُسَلَّبِينَا

(۶) وَقَدْ ذَبَحُوا الْحُسَيْنَ وَلَمْ يُرَاعُوا ۔۔۔ جَنَابَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فِينَا

(۷) فَلَوْ نَظَرَتْ عُيُونُكَ لِلْأُسَارَى ۔۔۔ عَلَى أَقْتَابِ الْجِمَالِ مُحَمَّلِينَا

(۸) رَسُولَ اللّٰهِ بَعْدَ الصَّوْنِ صَارَتْ ۔۔۔ عُيُونُ النَّاسِ نَاظِرَةً إِلَيْنَا

(۹) وَكُنْتَ تَحُوطُنَا حَتَّى تَوَلَّتْ ۔۔۔ عُيُونُكَ ثَارَتِ الْأَعْدَا عَلَيْنَا

(۱۰) أَفَاطِمُ لَوْ نَظَرْتِ إِلَى السَّبَايَا ۔۔۔ بَنَاتِكِ فِي الْبِلَادِ مُشَتَّتِينَا

(۱۱) أَفَاطِمُ لَوْ نَظَرْتِ إِلَى الْحَيَارَى ۔۔۔ وَلَوْ أَبْصَرْتِ زَيْنَ الْعَابِدِينَا

(۱۲) أَفَاطِمُ لَوْ رَأَيْتِ بِنَا سُهَارَى ۔۔۔ وَمِنْ سَهَرِ اللَّيَالِي قَدْ عَمِينَا

(۱۳) أَفَاطِمُ مَا لَقِيتِ مِنْ عِدَاكِ ۔۔۔ وَلَا قِيرَاطَ مِمَّا قَدْ لَقِينَا

(۱۴) فَلَوْ دَامَتْ حَيَاتُكِ لَمْ تَزَالِي ۔۔۔ إِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ تَنْدُبِينَا

(۱۵) وَعَرِّجْ بِالْبَقِيعِ وَقِفْ وَنَادِ ۔۔۔ أَيَا ابْنَ حَبِيبِ رَبِّ الْعَالَمِينَا

(۱۶) وَقُلْ يَا عَمُّ يَا الْحَسَنَ الْمُزَكَّى ۔۔۔ عِيَالُ أَخِيكَ أَضْحَوْا ضَائِعِينَا

(۱۷) أَيَا عَمَّاهُ إِنَّ أَخَاكَ أَضْحَى ۔۔۔ بَعِيدًا عَنْكَ بِالرَّمْضَا رَهِينَا

(١٨) بلا راس تنوح علیه جهراً ... طیور والوحوش الموحشینا

(١٩) ولو عاینت یا مولای ساقوا ... حریماً لا یجدن لهم معینا

(٢٠) علی متن النیاق بلا وطاء ... وشاهدت العیال مکشفینا

(٢١) مدینة جدنا لا تقبلینا ... وبالحسرات والاحزان جئنا

(٢٢) خرجنا منک بالاهلین جمعاً ... رجعنا لا رجال ولا بنینا

(٢٣) وکنا فی الخروج بجمع شملی ... رجعنا حاسرین مسلبینا

(٢٤) وکنا فی امان الله جهراً ... رجعنا بالقطیعة خائفینا

(٢٥) ومولانا الحسین لنا انیس ... رجعنا والحسین به رهینا

(٢٦) فنحن الضائعات بلا کفیل ... ونحن النائحات علی اخینا

(٢٧) ونحن السائرات علی المطایا ... نشال علی جمال المبغضینا

(٢٨) ونحن بنات یاسین وطاها ... ونحن الباکیات علی ابینا

(٢٩) ونحن الطاهرات بلا خفاء ... ونحن المخلصون المصطفونا

(٣٠) ونحن الصابرات علی البلایا ... ونحن الصادقون الناصحونا

(٣١) الا یا جدنا قتلوا حسینا ... ولا یرعوا جناب الله فینا

(٣٢) الا یا جدنا بلغت عدانا ... مناها واشتفی الاعداء فینا

(٣٣) لقد هتکوا النساء وحملوها ... علی الاقتاب قهراً اجمعینا

(٣٤) وزینب اخرجوها من خباها ... وفاطم واله تبدی الانینا

(٣٥) سکینة تشتکی من حر وجد ... تنادی الغوث رب العالمینا

(٣٦) وزین العابدین بقید ذل ... وراموا قتله اهل الخئونا

(٣٧) فبعدهم علی الدنیا تراب ... فکاس الموت فیها قد سقینا

(٣٨) وهذی قصتی مع شرح حالی ... الا یا سامعون ابکوا علینا

ترجمہ

(۱) اے ہمارے نانا کے مدینہ تو ہمیں قبول نہ کر کیونکہ ہم حسرتیں اور رنج وغم لے کر آئے ہیں۔

(۲) ہاں رسولِ خدا کو ہمارے متعلق خبر کر دے کہ ہم کو ہمارے باپ کی جدائی کا صدمہ پہنچایا گیا۔

(۳) یہ بھی خبر کر دے کہ ہمارے خاندان کے مرد زمینِ طف میں مقتول پڑے ہوئے ہیں۔ جن کے جسموں پر سر نہیں ہیں۔ اور دشمنوں نے ہمارے بچوں کو ذبح کر ڈالا۔

(۴) ہمارے نانا کو یہ خبر بھی دیدے کہ ہم گرفتار کئے گئے۔ اور گرفتار کر کے قیدی بنا کر لیجائے گئے

(۵) اے رسولِ خدا آپ کی جماعت زمینِ طف میں برہنہ پڑی ہے۔ اور اُن کے جسم کا لباس لُوٹ لیا گیا ہے۔

(۶) دشمنوں نے حسین کو ذبح کر دیا ہے اور ہمارے بارے میں اے رسولِ خدا آپکی کوئی رعایت یا مروت نہ کی۔

(۷) کاش آپکی آنکھیں ہم قیدیوں کو دیکھتیں کہ پالانِ شتر پر سوار کیئے گئے۔

(۸) اے رسولِ خدا پردہ داری کے بعد ہمیں نامحرموں کی نگاہوں نے بے تامل دیکھا۔

(۹) آپ تو ہماری بڑی حفاظت کرتے تھے۔ لیکن ادھر آپ کی آنکھیں بند ہوئیں اور ادھر دشمن ہم پر حملہ کر بیٹھے۔

(۱۰) اے فاطمہ کاش آپ اپنی قیدی بیٹیوں کو دیکھتیں کہ شہر بہ شہر تشہیر کی گئیں۔

(۱۱) اے فاطمہ کاش آپ اپنی اولاد کو حیران و سرگردان دیکھتیں، کاش زین العابدین پر نظر کرتیں۔

(۱۲) اے فاطمہ کاش ہمیں دیکھتیں کہ کس طرح راتیں بیداری میں گذاری ہیں۔ یہاں تک کہ نابینائی کو پہنچ گئیں۔

(۱۳) اے فاطمہ آپ نے اپنے دشمنوں کے ہاتھوں وہ مصیبتیں بلکہ ان کا ایک ذرہ بھی نہ دیکھا جو ہم پر نازل ہوئیں۔

(۱۴) اگر آپ اس وقت زندہ ہوتیں اور ہمیشہ زندہ رہتیں تو قیامت تک ہم پر روتی رہتیں۔

(۱۵) اے خبر پہنچانے والے بقیع کی طرف متوجہ ہو۔ اور وہاں ٹھہر اور پکار کر اے حبیب رب العالمین کے فرزند

(۱۶) اور ان سے کہہ کر اے چچا اے حسن پاکیزہ سرشت آپ کے بھائی کے اہلبیت ضائع ہو گئے۔

(۱۷) اے چچا آپ کے بھائی حسین آپ سے دور جلتی ریت میں سپرد لحد کر دیئے گئے۔

(۱۸) مگر اس طرح کہ جسم پر سر نہ تھا۔ اور ان پر نوجوش وطیور چیخ چیخ کر نوحہ کر رہے تھے

(۱۹) کاش آپ دیکھتے کہ دشمن آپ کے گھرانے کی ان مخدراتِ عصمت کو قیدی بنا کر لے گئے۔ جن کا کوئی مددگار نہ تھا۔

(۲۰) آپ کی اولاد او نٹوں کی برہنہ پیٹھ پر بٹھائی گئی۔ اور وہ عورتیں کھلے منہ پھرائی گئیں۔ کاش آپ ان کی یہ حالت دیکھتے۔

(۲۱) اے نانا کے مدینہ تو ہم کو قبول نہ کر کیونکہ ہم حسرتوں اور رنج و آلام کے ساتھ آئے ہیں۔

(۲۲) جب تجھ سے ہم نکلے تھے تو گھر بھرا تھا۔ اور اب ساتھ آئے ہیں تو نہ مرد ہیں اور نہ بچے۔

(۲۳) جب نکلے تھے تو پوری جماعت کے ساتھ۔ اور جب واپس ہوئے تو برہنہ سر اور لٹے ہوئے۔

(۲۴) اس وقت ہم علانیہ خدا کی امان میں تھے اور آج خوفزدہ اور بے پناہ آ رہے ہیں۔

(۲۵) اس وقت ہمارے آقا امام حسین مونس و یاور تھے۔ اور آج میں انھیں اسی جنگل کے بے نیسر چھوڑ کر آئی ہوں۔

(۲۶) اب تو ہم وہ تباہ شدہ ہیں جن کا کوئی کفیل نہیں۔ اور ہم جلنے بھائی پر

نوحہ کر رہے ہیں۔

(۲۷) ہم ہی وہ ہیں جو اونٹوں پر دیار بدیار پھرائے گئے۔ اور وہ بھی ان دشمنوں کے اونٹ جو ہمارے لیے بغض اور کینہ سے بھرے ہوئے تھے۔

(۲۸) ہم یٰسین و طٰہٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اور ہم اپنے باپ کی جدائی پر گریاں ہیں۔

(۲۹) ہم بے شک و شبہ طاہرہ اور پاکیزہ عورتیں ہیں۔ اور ہم خدا کے مخلص و برگزیدہ بندے ہیں۔

(۳۰) ہم مصیبتوں پر صبر کرنیوالے ہیں۔ ہم سچے اور لوگوں کو نصیحت کرنیوالے ہیں۔

(۳۱) اے نانا دشمنوں نے حسین کو قتل کر دیا۔ اور ہمارے بارے میں ذاتِ خدا کی رعایت نہ کی۔

(۳۲) اے نانا ہمارے دشمن اپنی آرزو کو پہنچ گئے۔ اور ہمیں ستا کر شقی بن گئے۔

(۳۳) عورتوں کی بے پردہ دری کی۔ ان سب کو پالانِ شتر پر سوار کر کے پھرایا۔

(۳۴) زینب علیا مقام کو ان کے پردہ سے نکالا۔ اور فاطمہ دختر امیر المومنین سرگرداں و نالہ کناں تھیں۔

(۳۵) سکینہ آتشِ جدائی سے فریاد کرتی تھیں اور بار بار پکارتی تھیں۔ اے رب العالمین فریاد ہے فریاد ہے۔

(۳۶) زین العابدین ذلت کی قید میں گرفتار تھے۔ اس پر بھی دشمنوں نے کئی بار ان کے قتل کر دینے کا قصد کیا۔

(۳۷) شہدائے کربلا کے بعد اس دنیا پر خاک ہے۔ ہمیں اس ہی دنیا کے لیئے جامِ مرگ پلایا گیا۔

(۳۸) یہ میرا واقعہ ہے اور یہ میرا مفصل حال ہے۔ اے سننے والو ہم پر گریہ کرو۔

اس وقت جناب امام زین العابدین اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ اور اہلبیت نے دوسرے خیمہ میں قیام کیا۔ بشیر ابن جذلم کو حکم دیا کہ ہمارے آنے کی خبر اہل مدینہ کو جا کر سنا دے۔ وہ آیا۔ بغیر کسی سے کچھ بولے ہوئے سیدھا

مسجد رسول میں چلا گیا۔ اور وہاں نہایت بلند آواز سے یہ شعر پڑھے۔

یَا اَھْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَکُمْ بِھَا　　قُتِلَ الْحُسَیْنُ فَادْمُعِی مِدْرَارُ
اَلْجِسْمُ مِنْہُ بِکَرْبَلَاءَ مُضَرَّجٌ　　وَالرَّاْسُ مِنْہُ عَلَی الْقَنَاۃِ یُدَارُ

ترجمہ:۔ اے اہلِ یثرب اب مدینہ میں تمہارے لیئے کوئی جگہ نہیں (یعنی اب تمہارا یہاں رہنا بے سود ہے) کیونکہ حسین قتل ہوئے اور میرے آنسو لگاتار بہ رہے ہیں۔

(۲) ان کا جسم کربلا میں خون سے سرخ کیا ہوا (خون آلود) پڑا تھا اور ان کا سر نیزے پر پھرایا گیا۔

اہلِ مدینہ یہ منادی سنکر سر و پا برہنہ مرد و عورت گھروں سے نکلکر اہلبیت علیہم السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ایک کہرام مچ گیا۔ امام زین العابدین نے اپنے والد بزرگوار کے حالات بیان کیئے۔ خود بھی روتے جاتے تھے۔ اور حاضرین کو بھی رلاتے تھے۔ یہ دنیا میں دوسری مجلسِ عزا تھی جو امام حسین کے سوگ میں قائم ہوئی۔ خدا کی قدرت دیکھو۔ سب سے پہلی مجلسِ عزا خود قاتل کے محل میں قائم ہوئی تھی۔ اور ہندہ زوجہ یزید نے قصر دمشق میں منعقد کی تھی۔ وہاں اہلبیت علیہم السلام کو گریہ و بکا کے لیئے مدعو کیا گیا۔ سب مخدرات عصمت تشریف لے گئیں۔ حضرت زینب نے نہایت حزن و ملال کے ساتھ امام حسین کا مرثیہ پڑھا۔ وہ پہلا مرثیہ تھا جو امام حسین کے غم میں مجلسِ عزا میں پڑھا گیا۔ بحار الانوار میں جناب زینب علیہ السلام کا مرثیہ درج ہے۔ ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

(۱) تَمَسَّکَ بِالْکِتَابِ وَمَنْ تَلَاہُ　　فَاَھْلُ الْبَیْتِ ھُمْ اَھْلُ الْکِتَابِ
(۲) بِھِمْ نَزَلَ الْکِتَابُ وَھُمْ تَلَوْہُ　　وَھُمْ کَانُوا الْھُدٰی اِلَی الصَّوَابِ
(۳) اِمَامِیْ وَحَّدَ الرَّحْمٰنَ طِفْلًا　　وَآمَنَ قَبْلَ تَشْدِیْدِ الْخِطَابِ
(۴) عَلِیٌّ کَانَ صِدِّیْقَ الْبَرَایَا　　عَلِیٌّ کَانَ فَارُوْقَ الْعَذَابِ

(۵) شَفِيعِي فِي الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّي — نَبِيٌّ وَالْوَصِيُّ اَبُو تُرَابِ

(۶) وَفَاطِمَةُ الْبَتُولُ وَسِبْطَا اَمِيْنٍ — مُخَلَّدُ فِي الْجِنَانِ مَعَ الشَّبَابِ

(۷) عَلَى الطَّفِّ السَّلَامُ وَسَاكِنِيهِ — وَرُوحُ اللّٰهِ فِي تِلْكَ الْقِبَابِ

(۸) نُفُوسٌ قُدِّسَتْ فِي الْاَرْضِ قِدْمًا — وَقَدْ خَلُصَتْ مِنَ النُّطَفِ الْعِذَابِ

(۹) مَضَاجِعُ فِتْيَةٍ عَبَدُوا فَنَامُوا — هُجُودًا فِي الْفَدَافِدِ وَالشِّعَابِ

(۱۰) عَلَتْهُمْ فِي مَضَاجِعِهِمْ كِعَابٌ — بِاَوْرَاقٍ مُنَعَّمَةٍ رِطَابِ

(۱۱) وَصُيِّرَتِ الْقُبُورُ لَهُمْ قُصُورًا — مُنَاخًا ذَاتَ اَفْنِيَةٍ رِحَابِ

(۱۲) لَئِنْ وَارَتْهُمُ اَطْبَاقُ اَرْضٍ — كَمَا اُغْمِدْتَ سَيْفًا فِي قِرَابِ

(۱۳) كَاَنَّهُمْ اِذَا جَاسُوا رَوَاسٍ — وَآسَادٌ اِذَا رَكِبُوا غِضَابُ

(۱۴) لَقَدْ كَانُوا الْبِحَارَ لِمَنْ اَتَاهُمْ — مِنَ الْعَافِينَ وَالْهَلْكَى السِّغَابِ

(۱۵) فَقَدْ نُقِلُوا اِلَى جَنَّاتِ عَدْنٍ — وَقَدْ عِيضُوا النَّعِيمَ مِنَ الْعِقَابِ

(۱۶) بَنَاتُ مُحَمَّدٍ اَضْحَتْ سَبَايَا — يُسَقْنَ مَعَ الْاُسَارَى وَالنِّهَابِ

(۱۷) مُغَبَّرَةَ الذُّيُولِ مُكَشَّفَاتٍ — كَسَبْيِ الرُّومِ دَامِيَةَ الْكِعَابِ

(۱۸) لَئِنْ اُبْرِزْنَ كُرْهًا مِنْ حِجَابٍ — فَهُنَّ مِنَ التَّعَفُّفِ فِي الْحِجَابِ

(۱۹) اَيُقْتَلُ فِي الْفُرَاتِ عَلَى الْحُسَيْنِ — وَقَدْ اَضْحَى مُبَاحًا لِلْكِلَابِ

(۲۰) فَلِي قَلْبٌ عَلَيْهِ ذُو الْتِهَابِ — وَلِي جَفْنٌ عَلَيْهِ ذُو انْسِكَابِ

ترجمہ

(۱) (اے مومن) کتاب کے ساتھ تمسک کر اور اس کے ساتھ جس نے اس کی صحیح تلاوت کی ہے پس اہلبیت نبی ہی اہل کتاب ہیں۔

(۲) انھیں پر کتاب نازل ہوئی ہے اور انھوں ہی نے اسکی تلاوت بھی کی ہے اور وہی لوگ حق کے جانب رہبر ہیں۔

(۳) میرے امام (علیؑ) نے اس سن میں خدا کی وحدت کا اعلان کیا تھا کہ جس سن میں انسان

درستی سے بولنے کے قابل بھی نہیں ہوتا۔

(۴) وہ علی ہیں جو ساری دنیا میں صدیق ہیں اور علی ہی ہیں جو فاروقِ عذاب ہیں یعنی ثواب و عذاب کے درمیان فرق کرنیوالے ہیں۔

(۵) میرے شفیع روزِ قیامت خدا کے حضور میں نبی اور ان کے وصی ابوتراب ہیں۔

(۶) میری شفیع فاطمہ بتول اور جنت میں جوان ہو کر جانیوالوں کے سردار حسن و حسین ہیں

(۷) طف اور اس کے رہنے والوں پر سلام ہو اور ان قبور پر خدا کی مہربانی نازل ہوتی رہے۔

(۸) طف کے ساکن وہ نفوس ہیں جو سنا کر اہلِ ارض سے مقدس ہیں۔ اور جو پاکیزہ نطفوں سے پیدا ہوئے ہیں۔

(۹) زمینِ طف ان جوانوں کی خواب گاہ ہے جنھوں نے تا زندگی خدا کی عبادت کی۔ اور پھر ان صحراؤں اور گھاٹیوں میں ہمیشہ کے لیئے سو گئے۔

(۱۰) ان کی خواب گاہوں پر نیستان اپنی ہری اور نرم پتیوں کے ساتھ سایہ کیئے ہیں۔

(۱۱) نیستان نے ان کی قبروں کو قصر بنا دیا ہے۔ جس کے ادھر اُدھر وسیع اور کشادہ صحن ہیں۔

(۱۲) اگرچہ اس وقت زمین نے انھیں اس طرح چھپا دیا ہے جیسے نیام میں شمشیر۔

(۱۳) لیکن (زندگی) میں جب یہ راہ چلتے تھے تو انوس چیتوں کی طرح اور جب گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے تو غضبناک شیروں کی طرح معلوم ہوتے تھے۔

(۱۴) یہ لوگ حاجتمند، گرسنہ اور قریب بہ ہلاکت اشخاص کے لیئے مثل دریا کے ہوتے تھے

(۱۵) یہ لوگ اب جنات عدن کو منتقل ہوگئے ہیں۔ اور انھیں مصیبتوں کے مصائب کے عوض نعمات بہشت مل گئے ہیں۔

(۱۶) محمد مصطفٰے کی بیٹیاں قید ہوگئیں اور قیدیوں و مال غنیمت کے ساتھ تشہیر کی گئیں۔

(۱۷) کفار قیدیان روم کی طرح الوس کے دامن گرد آلود تھے۔ اور چہرے برہنہ تھے۔ اور نیزوں کی نوکوں جیسے ان کی پشتیں خون آلود تھیں۔

(۱۸) اگرچہ وہ پردوں سے بجبر باہر نکلی ہوئی تھیں لیکن ان کے چہروں پر عفت کے نقاب پڑے ہوئے تھے۔

(۱۹) حسین کے لیئے فرات کے پانی سے بخل کیا گیا اگرچہ کتوں کے لیئے وہ پانی مباح تھا۔

(۲۰) پس میرا دل حسین کے غم میں جل رہا ہے۔ اور میری آنکھیں ان پر برابر آنسو بہا رہی ہیں۔

ایک اور مرثیہ حضرتِ زینب نے شام کی مجلس میں پڑھا تھا۔ بحار الانوار سے درج کیا جاتا ہے۔

(۱) اَمَا شَجَاکِ یَا سَکَنْ ۔ قَتْلُ الْحُسَیْنِ وَالْحَسَنْ

اے صاحب سکینہ۔ اے رسولخدا۔ کیا آپ کو حسن و حسین کا قتل رنجیدہ نہیں کرتا۔

ظَمْآنَ مِنْ طُوْلِ الْحَزَنْ ۔ وَکُلُّ وُغْدٍ نَاھِلُ

وہ حسین جو پیاسا قتل کیا گیا۔ اور طویل حزن و غم میں گرفتار رہا۔ اور سب کمینے سیر و سیراب تھے۔

(۲) یَا قَوْمُ یَا قَوْمُ اَبِیْ ۔ عَلِیُّ الْبَرُّ الْوَصِیْ

اے قوم اے قوم میرے باپ علی مرتضٰی خدا کے بڑے نیک بندے اور وصیِ رسول ہیں۔

وَفَاطِمُ اُمِّیَ الَّتِیْ ۔ لَھَا التُّقٰی وَالنَّائِلُ

میری ماں فاطمہ زہرا ہیں جن کے حصے میں تقوائے وجود وسخا آیا ہے۔

(۳) مُنُّوْا عَلَی ابْنِ الْمُصْطَفٰی ۔ بِشَرْبَۃٍ یَحْیٰی بِھَا

ابن مصطفٰی پر ایک گھونٹ پانی دے کر احسان کرو جس سے

اَطْفَالُنَا مِنَ الظَّمَا ۔ حَیْثُ الْفُرَاتُ سَائِلُ

ہمارے بچے پیاس کی موت سے بچ جائیں۔ نہر فرات بہ رہی ہے۔

(۴) قَالُوْا لَہٗ لَا مَاءَ لَا ۔ اِلَّا السُّیُوْفُ وَالْقَنَا

اس سوال کے جواب میں انھوں نے جواب دیا کہ پانی تو ہرگز نہ دینگے ہاں تلوار و نیزے ہیں۔

فَاَنْزِلْ بِحُکْمِ الْاَدْعِیَا ۔ فَقَالَ بَلْ اُنَاضِلُ

اگر ان سے بچنا چاہتے ہو تو ابن زیاد و یزید کا حکم مانو

امام نے فرمایا بلکہ میں اس ننگ و عار کو اپنے سے دور کردوں گا۔

(۵) حَتّٰی اَتَاہُمْ مِشْقَصٌ ۔ رَمَاہُ وَغْدٌ اَبْرَصُ

آخر کار ایک تیر آپ کو لگ گیا جسے ایک سفید داغ والے کمینے نے مارا تھا۔

مِنْ سَقَرٍ لَا یَخْلُصُ ۔ رِجْسٌ دَعِیٌّ وَاغِلُ

جو ہمیشہ سقر میں رہیگا ۔ جو ناپاک حرامزادہ اور کمینہ تھا۔

(۶) فَہَلَّلُوْا بِخَتْلِہٖ ۔ وَاعْصَوْصَبُوْا لِقَتْلِہٖ

لوگوں نے امام کے ساتھ دغا کرکے تکبیر کہی۔ ان کے قتل پر مضبوط ہو کر آئے۔

وَمَوْتُہٗ فِیْ نَصْلِہٖ ۔ قَدْ اَنْجَمَ الْمُنَاضِلُ

آخر آنجناب کی موت اس تیر سے ہوئی۔

(۷) وَعَفَّرُوْا جَبِیْنَہٗ ۔ وَخَضَبُوْا عُثْنُوْنَہٗ

آنجناب کی پیشانی دشمنوں نے خاک آلود کردی۔ ریش مبارک کو خون سے رنگین کردیا۔

یَا اَللّٰہُمَّ یَا مُعِیْنَہٗ ۔ مَا اَنْتَ عَنْہُ غَافِلُ

اے پروردگار حسین تو ان سے غافل نہ ہوتا۔

(۸) وَہَتَکُوْا حَرِیْمَہٗ ۔ وَذَبَحُوْا فَطِیْمَہٗ

ان لوگوں نے امام کی ہتک حرمت کی اور ان کے بچوں کو ذبح کر ڈالا

(۹) وَاَسَرُوْا کُلْثُوْمَہٗ ۔ وَسِیْقَتِ الْحَلَائِلُ

ان کی بہن ام کلثوم کو قید کیا اور ان کی بیویوں کو دیار بدیار پھرایا۔

(۹) یُسْقَوْنَ بِالتَّنَائِفِ ۔ بِضَجَّۃِ الْہَوَاتِفِ

وہ مخدرات صحراؤں میں تشہیر کی گئیں ان پر ہاتف گریہ کر رہے تھے۔

وَاَدْمُعٌ ذَوَارِفُ ۔ عُقُوْلُہَا ذَوَاہِلُ

ان کی بیویوں کے آنسو بہتے تھے۔ اور عقلیں بجا نہ تھیں۔

(۱۰) يَقُلْنَ يَا مُحَمَّدُ   يَا جَدَّنَا يَا اَحْمَدُ

وہ بیبیاں پکار رہی تھیں، اے محمد اے ہمارے نانا اے احمد۔

قَدْ اَسَرَتْنَا الْاَعْبُدُ   وَكُلُّنَا ثُوَّاكِلُ

ہمیں غلاموں نے قید کر لیا۔ حالانکہ ہم سب کے عزیز مردہ تھے۔

(۱۱) فَهُنَّ سَبَايَا كَرْبَلَا   اِلَى الشَّامِ وَالْبِلَادِ ع

کربلا کے قیدی شام دیار بلا میں جبراً لے جاتے ہیں

قَدِ اسْتَعْلَنَ بِالدِّمَاءِ   لَيْسَ نُعُوْنَ نَاعِلُ

اور بجائے پاپوش ان کے پیروں میں خون کے موزے ہیں۔

(۱۲) اِلَى يَزِيْدَ الطَّاغِيَه   مَعْدَنِ كُلِّ دَاهِيَه

یزید سرکش مخزن مکر و فریب کے دربار میں۔

مِنْ نَحْوِ بَابِ الْجَابِيَه   فَجَاحِدٌ وَخَاذِلُ

باب جابیہ سے داخل کی گئیں جہاں منکرین حق و دین میں خلل ڈالنے والے موجود تھے۔

(۱۳) حَتّٰى دَنَا بَدْرُ الدُّجٰى   رَاسُ الْاِمَامِ الْمُرْتَجٰى

مخدرات کے بعد اندھیرے کا چاند یعنی بیکس امام کا سر لایا گیا۔

بَيْنَ يَدَىْ شَرِّ الْوَرٰى   ذَا اللَّعِيْنُ الْقَاتِلُ

اور بدترین خلق، ملعون اور حقیقی قاتل کے پاس رکھا گیا۔

(۱۴) يُظِلُّ فِيْ بَنَانِهٖ   قَضِيْبُ خَيْزُرَانِهٖ

اس ملعون کے ہاتھ میں خیزران کی چھڑی تھی۔

يَنْكُتُ فِيْ اَسْنَانِهٖ   قُطِعَتْ لَهُ الْاَنَامِلُ

جس سے لب و دندان حسین کو چھیڑنے لگا۔ خدا اس کے ہاتھ قطع کرے۔

(۱۵) اَنَامِلُ بِجَاحِدٍ   وَحَاقِدٍ مُرَاصِدٍ

اس منکر حق کے ہاتھ قطع ہوں جو کینہ پرور گھات میں رہنے والا۔

مُكَائِدٍ مُعَانِدٍ   فِيْ صَدْرِهٖ غَوَائِلُ

مکار اور دشمن خبیث ہے جس کا سینہ کینہ سے مملو تھا۔

(۱۶) طَوَائِلُ بَدْرِيَّةٌ   غَوَائِلُ كُفْرِيَّةٌ

جو بدر کے غصون کفر کے کینوں۔

سَرَاهَاءُ جَاهِلِيَّةٌ   ذَلَّتْ لَهَا الْأَفَاضِلُ

اور جاہلیت کی برائیوں کا مالک ہے جس کے سامنے صاحبان فضل ذلیل ہو رہے تھے۔

(۱۷) فَيَا عُيُونِي اسْكُبِي   عَلَى ابْنِ بِنْتِ النَّبِيِّ

اے میری آنکھوں، بنت نبی کے فرزند پر آنسو بہاؤ۔

بِفَيْضِ دَمْعٍ نَاضِبٍ   :   كَذَاكَ يَبْكِي الْعَاقِلُ

عاقل اسی طرح روتا ہے۔

جناب زینب اور حضرت ام کلثوم اور جناب فاطمہ کے خطبوں اور مرثیوں پر غور کرو۔ کس نے کہے کس کے سامنے کہے اور کیا کہا۔ یہ انھوں نے کہے جن کے تمام اعزا، و اقربا، ایک دن کی جنگ مغلوبہ میں قتل ہو گئے۔ جن کا کوئی محافظ و نگہبان نہیں رہا۔ جو اپنے بھائیوں اور بچوں کو صحرا میں مقتول چھوڑ کر ان کی قاتلوں کی قید میں جا رہی تھیں۔ ہاتھ رسیوں سے بندھے ہوئے۔ بدن ظالموں کے کوڑوں سے زخمی۔ آگے آگے بھائیوں اور بیٹوں کے سر نوک نیزہ پر۔ بے عماری و کجاوہ اونٹوں پر بیٹھی ہوئی۔ منہ چھپانے کو چادر نہیں۔ ظالم اس بات پر تلے ہوئے کہ جتنی زیادہ تکلیف ہو سکے وہ ان کو دیں۔ بے عماری و کجاوہ اونٹوں کو اس تیزی سے چلاتے تھے کہ دو منزلیں ایک دن میں طے کرتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سی ماؤں کے چھوٹے چھوٹے بچے اونٹوں سے نیچے گر گئے۔ ماں چلائی کہ ہائے میرا بچہ گرا۔ ظالموں نے پرواہ نہ کی۔ آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور بچہ وہیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس طرح چالیس بچے گر گر مرے تھے۔ اور یہ چالیس قبریں کربلا اور دمشق کے راستہ پر بنی ہوئی ہیں۔ یہ تھا وہ اجر جو امت نے اپنے رسول کو انکی رسالت کا دیا تھا۔ یہ تھا وہ اسلام

جس کے وہ بیبرو تھے۔ اور یہ تھا اس درخت کا ثمر جو کارکنانِ سقیفہ بنی ساعدہ نے شام میں بنو امیہ کو حکومت دیکر لگایا تھا۔ ایسے مصائب کے حلقے میں پھنسی ہوئی ان قیدیوں میں سے چند مصیبت زدہ قیدیوں کا یہ بیان ہے۔

کس سے کہا، ان سے کہا جن کے یہ قیدی تھے۔ ان سے کہا کہ جو اس حالت میں ان پر ہر قسم کا ظلم کر سکتے تھے۔ ان سے کہا جو تختِ سلطنت پر بیٹھے ہوئے شرابِ غرور میں مخمور تھے۔ جو اس مسند پر بیٹھے ہوئے تھے جس مسند پر بیٹھ کر فرعون و نمرود نے کہا تھا کہ ہم خدا ہیں۔ ہم کو سجدہ کرو۔ اور جن کے بندے باوجود ان ظلموں کے کہتے ہیں کہ یزید قتلِ حسین میں حق بجانب تھا۔

کیا کہا۔ وہ کہا جو تفسیر ہے آیہ مبارکہ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ کی۔ بھرے دربار میں یزید کے منہ پر کہا کہ تو ظالم ہے۔ ناری ہے۔ میرے نانا کی آزاد کردہ کی اولاد ہے۔ جگر خوارہ کا پوتا ہے۔ نااہل ہے۔ ہم ہادی ہیں تو غوی ہے۔ ہم نبی کی اولاد ہیں تو زانیوں کا نطفہ ہے۔ ہم اسلام مجسم ہیں تو کفر مجسم ہے۔ ہم خدا کے بندے ہیں تو شیطان کا بندہ ہے۔ عنقریب ہم اور تو ایک ایسے حاکم کے روبرو کھڑے ہوں گے جہاں میرے نانا مدعی ہوں گے میری والدہ مستغیثہ ہونگی۔ تجھ پر سوال کیا جائے گا۔ اور تو جواب نہ دے سکیگا۔ کیا تیرا یہ عدل ہے کہ نبی زادیاں دربار عام میں سر ننگی کھڑی ہوں۔ اور تیری لونڈیاں اور تیری عورتیں محل میں پردے میں ہوں۔ یزید کے محل میں جاکر پھر یہی کلام دہرایا گیا۔ اور بے خوف و خطر دہرایا گیا۔ یزید نے کہا کہ آپ جس قدر مال و زر اپنے بھائیوں اور عزیزوں کے خونِ بہا میں لینا چاہیں میں دینے کو تیار ہوں۔ جواب ملا کہ قیامت کے دن رسولِ خدا کو یہ خون بہا دینا۔ مجھے تیرے مال و زر کی حاجت نہیں۔ جناب زینب ام کلثوم فاطمہ بنت حسین کے خطبے اور مرثیئے ظاہر کرتے ہیں کہ ایمان کامل اور یقین واثق کیسا ہوتا ہے دیکھ رہی تھیں کرنا حق کس طرح سر بر چڑھا ہوا ہے۔ کتنی طاقت و زور اس میں ہے۔ حق

کس طرح بہ ظاہر مغلوب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی خدا کے عدل پر بھروسہ ہے۔ حشر و قیامت کا عین الیقین ہے۔ یہ بھی اہلبیت کی شان۔

اس تبلیغ کا جو کربلا سے کوفہ و کوفہ سے دمشق تک راستوں پر، دمشق کے بازاروں میں یزید کے درباروں میں کی گئی یہ اثر ہوا کہ یکلخت شامیوں کا رویہ بدل گیا۔ یزید کے محل کے سامنے مظاہرے ہونے لگے۔ کہ بنا آل رسول کو کیوں قید کر رکھا ہے۔ ان کے عزیزوں کو کیوں قتل کیا ہے۔ یہ ظلم جو بندیان روم و دیلم پر بھی روا نہیں رکھا جاتا تم نے کیوں آل رسول پر جائز سمجھا۔ بنوامیہ کی طاقت اس بڑھتی ہوئی بددلی کو نہ روک سکی۔ یزید کو خطرہ لاحق ہو گیا کہ اہل رسول کے دمشق میں رہنے سے حالت خطرناک ہوتی جائے گی۔ لہذا بہت جلد اس نے اہلبیت رسالت کو عزت کے ساتھ مدینہ بھیجنے کا انتظام کر دیا۔ جناب امام حسین کی ایک صاحبزادی کا انتقال زنداں میں ہو گیا۔ یزید کو ڈر ہوا کہ اگر جنازہ اٹھا تو سب اس مرحومہ کی مصیبت کو یاد کرینگے اور اہلبیت رسالت سے انکی ہمدردی بڑھے گی۔ لہذا جناب زین العابدین سے کہلا بھیجا کہ جو کچھ چاہو کفن و دفن کا سامان مجھ سے لے لو۔ لیکن دیکھو جنازہ نہ اٹھانا۔ اس کو زنداں ہی میں دفن کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ محبان یزید جو کہتے ہیں کہ یزید کو قتل حسین سے رنج ہوا۔ چنانچہ اس نے اہلبیت رسالت کو کس عزت کے ساتھ بہت جلد روانہ کر دیا۔ ان کو چاہیئے کہ غور کریں۔ یہ محبت حسین کی وجہ سے نہ تھا بلکہ خوف سلطنت کی وجہ سے تھا۔ بہت جلد یزید کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے مرض کی حالت و کیفیت نہیں بیان کی جاتی۔ معلوم نہیں کس نے مارا۔ کیونکر مارا۔ کیا ہوا۔ نیست و نابود ہو گیا۔ بہت ممکن ہے کہ شامیوں نے اس ظلم کی پاداش میں مار ڈالا ہو۔ اور سیاست ملکی و عداوت قدیمی نے بنوامیہ کو اس کے افشا سے باز رکھا۔ بہر صورت جو اس کا نام لیتا ہے ملعون کہتا ہے۔ جہاں اب اس کی قبر بیان کی جاتی ہے۔ وہاں اب لوگ پاخانہ پھرتے ہیں۔ اور گدھے بندھتے ہیں۔ اور جو شخص ادھر سے گزرتا ہے

ملامت کی کنکری ادھر مارتا جاتا ہے۔

جب حضرت زینب صلوات اللہ علیہا مدینہ میں تشریف لے آئیں اور وہاں قیام پذیر ہوئیں تو اکثر مجالس عزاء امام حسین قائم فرماتی تھیں۔ خود بھی روتی تھیں اور دوسروں کو بین کرکے رلاتی تھیں۔ اور واقعات کربلا یاد دلاتی تھیں۔ حکام کو کیونکر گوارا ہو سکتا تھا کہ نام حسین اس طرح علانیہ لیا جائے۔ عمرو بن سعید الاشدق نے جو اس زمانے میں حاکم مدینہ تھا یزید کو لکھا کہ مدینہ میں جناب زینبؑ کی موجودگی لوگوں میں ہیجان پیدا کر رہی ہے۔ وہ بہت فصیحہ عاقلہ ہیں۔ اور انھوں نے اور ان کے ساتھیوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ حسین علیہ السلام کے قتل کا بدلہ لیں۔ جب یہ رقعہ یزید کو ملا تو اس نے حکم دیا کہ جناب زینبؑ اور ان کے ساتھیوں کو متفرق کر دو اور مختلف ممالک میں بھیجدو۔ یہ خبر سنکر جناب زینب نے مصر کو پسند کیا۔ دیگر اہلبیت علیہم السلام نے شام کے شہروں کو پسند کیا۔ ابن الاشدق نے ان کا انتظام کیا۔ اور حضرت زینب کے ہمراہ ان کی بھتیجیاں دختران حسین سکینہ و فاطمہ بھی تھیں۔ یہ سب مصر کی طرف جلاوطن کر دیئے گئے۔ حاکم مصر سلمہ بن مخلد انصاری اس قافلہ سے ایک گاؤں میں آکر ملا جو دمشق و مصر کے راستہ پر تھا۔ بلبیس کے مشرق کی طرف غالباً یہ قریہ عباسیہ تھا جس کا نام عباسہ بنت احمد بن طولون والی مصر کے نام پر رکھا گیا۔ اوّل شعبان ۶۱ھ مطابق ۲۶ اپریل ۶۸۱ء کو یہ قافلہ مصر پہنچا تھا۔ والی مصر نے ان کو اپنے محل حمراء القصوی میں رکھا۔ مصر میں آپ کا قیام ۱۱ مہینہ اور ۱۵ دن رہا۔ شعبان ۶۱ھ سے رجب ۶۲ھ تک۔ جناب سکینہ و جناب فاطمہ آپ کے ہمراہ تھیں۔ آپ کا انتقال روز شنبہ اتوار کی رات ۱۴ ماہ رجب کی تاریخ ۶۲ھ مطابق ۳۰ مارچ ۶۸۲ء کو ہوا۔ مورخین کہتے ہیں کہ اس جلاوطنی کا حکم ایسا سخت تھا کہ اہل بیت علیہم السلام میں سے سوائے امام زین العابدین کے کوئی مدینہ میں باقی نہ رہا تھا۔

جن مورخین نے ناموں کے اشتباہ کی وجہ سے غلطی کی ہے اور کہا ہے

کہ حضرت سکینہ بنت امام حسین کی محفلِ عشرت و ادب مدینہ میں گرم رہا کرتی تھی۔ اور مختلف شعرا اُن کے وہاں شعر بازی کیا کرتے تھے۔ غور تو کریں۔ اتنے عظیم الشان مصائب کے بعد اپنے بھائیوں کو اس طرح قتل ہوتے ہوئے دیکھنے کے بعد ظالموں کے ظلم سہنے کے بعد۔ بنو امیہ کے کرتوت دیکھنے کے بعد اور یہ سب کچھ عمر کے اس حصہ میں دیکھنے کے بعد کہ جس زمانہ کے نقش بہت گہرے ہوتے ہیں۔ کوئی انسان ایسا ہو سکتا ہے کہ جیسا چند مورخین نے ایک عورت سکینہ کو بنت امام حسین علیہ السلام قرار دے کر ظاہر کیا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جناب سکینہ بنت حسین علیہ السلام اپنی پھپھی حضرت زینب کے ساتھ مصر تشریف لے گئیں اور جناب زینب کے انتقال کے بعد ان کے ہی مزار پر مجاور بنکر رہیں۔ اور آخر کار مصر ہی میں وفات پائی۔ ان حالات کے لئے دیکھو السیدہ زینب و اخبار الزینبیات مصنفہ عبید لی امیر مدینہ و ابن امیر مدینہ متوفی ۲۷۷ھ ۹۰ء۔ فاضل مؤلف لکھتے ہیں کہ اگرچہ مشہور یہ ہے کہ جناب سکینہ بنت الحسین نے مدینہ میں وفات پائی۔ لیکن صحیح خبر یہی ہے کہ مصر میں آپ رہیں۔ اور وہیں وفات پائی۔ انھوں نے اس خبر کے اسناد میں کئی کتب تاریخ کا نام لیا ہے۔ جناب زینب اس ہی مکاں میں دفن کردی گئیں کہ جہاں رہتی تھیں۔ اور ان کے بعد سکینہ و فاطمہ بھی اس میں ہی رہتی تھیں۔ گویا انھوں نے اپنی پھپھی کی قبر کو نہیں چھوڑا۔ مورخ موصوف لکھتے ہیں کہ جناب فاطمہ و جناب سکینہ کی قبریں اب تک مصر میں موجود ہیں۔ اب فرمائیے کہ یہ خبر صحیح اور مطابق عقل و فطرت انسانی ہے یا یہ خبر کہ جناب سکینہ فوراً ہی خاندان کے مصائب عظمے اور اپنی پھپھی کی رفاقت کو بھول گئیں۔ اور اس دنیا کی طرف رجوع کر گئیں جس دنیا نے ان کو اور ان کے تمام خاندان کو زہر ہلاہل کے پیالے پلائے تھے۔ اور جس دنیا کی حقیقت ان کو اچھی طرح معلوم ہو چکی تھی کہ اس کی ہر ایک خوشی کا انجام آخر کار رنج و الم ہے۔

اس بعید از عقل روایت کا ماخذ اور منبع محض ایک رنگین کتاب ہے جو ایک

خاندان بنو امیہ کے چشم و چراغ نے لکھی تھی۔ اس کا نام کتاب الاغانی (راگنیوں کی کتاب) ہے۔ اور ابوالفرج اصفہانی کی لکھی ہوئی ہے۔ جو مروان بن الحکم کی اولاد میں سے ہے۔ ان کی تاریخ پیدائش ۲۸۳ھ مطابق ۸۹۶ء اور تاریخ وفات ۳۵۶ھ مطابق ۹۶۶ء ہے۔ اس کتاب سے پہلے اس روایت کا نشان کسی تاریخ یا ادبی کتاب میں نہیں ملتا۔ صرف اس راگنیوں کی کتاب کو ایسا صحیح سمجھا گیا کہ بعد کے آنے والے مؤرخین اس سے نقل کرتے گئے۔ اور یہ قصر متزلزل اسی لاطائل قصوں کی بنیاد پر ٹھہرایا گیا ہے۔ اس کتاب میں تاریخی صحت کا نہ تو کوئی التزام ہے۔ اور نہ ہی اس کا دعوٰی ہے۔ اس رسم و رواج کے مطابق جو اموی خاندان نے لوگوں میں راسخ کر دیا تھا۔ یہ ضروری تھا کہ ذرا سا موقع علی و اولاد علی کو بدنام کرنے کا ہاتھ سے نہ ضائع کیا جائے۔ چنانچہ کسی سکینہ نے محفل رقص و سرود کو پسند کیا ہوگا۔ جو اس نے کیا وہ سب کچھ سکینہ بنت حسین کے سر تھوپا گیا۔ اور اس پر زور دیا گیا کہ یہ حسین وہی شہید کربلا ہیں۔

اس روایت کو بھی اگر اس کے زخرفات و حواشی سے الگ کیا جاوے تو اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جناب سکینہ نے شعرا کے لیئے ایک ایسا مرکز قائم کر دیا تھا۔ کہ جہاں سے وہ اپنے خیالات کو اشعار کی صورت میں بیان کرتے تھے۔ اور یہ طریقہ تھا شہادت حسین کے واقعات کو لوگوں میں پھیلانے کا۔ اس زمانہ میں نشر و اشاعت کا کام شعرا سے لیا جاتا تھا۔ اور وہ نہایت موثر طریقہ سے کسی بیان یا مضمون کو لوگوں میں شائع کرتے تھے۔ مراثی و قصائد کہنا ان کا خاص کام تھا۔ جناب سکینہ کے حالات میں جن شعرا کا نام لیا جاتا ہے۔ ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب سکینہ کا یہ مقصد بڑی حد تک پورا ہو گیا ہے۔ اور ان شعرا کے ذریعہ سے شہادت حسین کی نشر و اشاعت خوب ہوئی۔ گویا حضرت زینب اور حضرت سکینہ کا مقصد ایک ہی تھا۔ انھوں نے ملامت اور وعظ کے ذریعہ سے وہ مقصد حاصل کیا۔ انھوں نے فصاحت اور شعر کے ذریعہ سے حاصل کیا۔

حضرت ام کلثوم ان کے حالات حضرت زینب کے حالات سے وابستہ ہیں اپنی بڑی بہن کی موجودگی کی وجہ سے آپ اکثر خاموش رہیں، لیکن جب آپ نے تقریر کی ہے یا مرثیہ کہا ہے وہ حضرت زینب کے خطبوں اور مرثیوں سے کم نہ تھے۔ حضرت ام کلثوم کا مرثیہ مدینہ کے پہنچنے کے وقت کا اپنی تاثیر و فصاحت میں نظیر نہیں رکھتا۔ ان کی تقریریں اور مرثیہ ہم حضرت زینب کے حالات میں درج کر چکے ہیں۔

یہ تھی اولاد فاطمہ جس نے اسلام کو اسلام بنا دیا۔ امت مانے یا نہ مانے، یہ امر واقعہ ہے کہ اگر حضرت فاطمہ، ان کے شوہر اور ان کے بچے اس ابتلائے عظیم میں کہ جس میں سے خداوند تعالیٰ نے انہیں گزارا تھا، کہیں بھی لغزش کر جاتے تو پھر اسلام نہ رہتا۔ جناب رسولخدا کے زمانہ میں کفر ادھ موا ہو گیا تھا۔ بالکل نہیں مرا تھا۔ اس سانپ کا سر زخمی ہو گیا تھا پورا کچلا نہیں گیا تھا۔ کفر کی وہ ساری طاقتیں جو رسالت کے رعب اور امامت کے زور سے دب گئی تھیں اس بات کی منتظر تھیں کہ کب جناب رسولخدا کی آنکھ بند ہو اور ہم از سر نو دوسرے طریقے سے جو وقت اور حالات کے متقاضی تھا اسلام پر حملہ کریں۔ دشمن کی صورت میں اب حملہ کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔ دوست بن کر حملہ کرنا باقی تھا۔ یہ زیادہ موثر تھا۔ اور بہت حد تک کامیاب ہو گیا۔ اس کی مکمل فتح ہو جاتی اور اسلام دنیا سے مٹ جاتا۔ اگر بزرگوار موقع پر اس کا مقابلہ کرنے کے لیئے تیار نہ ہوتے۔ کفر نے اس طرح اسلام کا لباس پہن لیا تھا کہ ان بزرگوار ونکی ساری جدوجہد محض اس کو عریاں کرنے میں صرف ہوئی اور جب وہ عریاں ہو گیا تو لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ اسلام کدھر ہے۔

باب بستم
بست و یکم

جناب فاطمۃ الزہرا کے زمانے کی دنیا

جناب فاطمۃ الزہرا کی تاریخ پیدائش سنہ ۶۱۱ء یا سنہ ۶۱۵ء ہے اور تاریخ وفات ۲۶ اگست سنہ ۶۳۲ء ہے۔ یہ کل ۲۱ سال ہوئے۔ ہم دیکھیں کہ آپ کے معاصر

کون کونسے لوگ اور سلطنتیں تھیں۔ ۲۱ سال کا عرصہ ہی کیا ہوتا ہے اور اس کو زمانہ ہی کیا کہہ سکتے ہیں۔ اور آپ کا زمانہ تو جناب رسولخدا ہی کا زمانہ تھا۔ انشاء اللہ آنحضرت کی سوانح عمری میں ہم اس دنیا کا نقشہ کھینچیں گے۔ جو آنحضرت کے زمانہ میں تھی۔ اور جس کو آنحضرت نے فقط ایک کلمۂ توحید کے ذریعہ سے بدل دیا۔ اس جگہ تو ہم اختصار کے ساتھ اس زمانہ کا تعارف ناظرین سے کراتے ہیں۔

اس زمانہ میں مہذب دنیا صرف دو سلطنتوں میں منقسم تھی۔ رومن امپائر اور پرشین امپائر یعنی سلطنت روم و سلطنت ایران۔ ان دونوں کا جوانی کا زمانہ گزر چکا تھا۔ اور جو کچھ طاقت باقی تھی اس کو بھی آپس کی زور آزمائی ختم کر رہی تھی۔ پورانا نظام اپنی زندگی پوری کر چکا تھا۔ دنیا ایک نئے نظام کی منتظر تھی۔ دنیا کو وہ نیا نظام جناب رسولخدا نے دیا۔ اور ایسا نظام دیا کہ اس سے بہتر نظام ناممکن تھا۔ دنیا سمجھنے لگی تھی کہ وہ نیا نظام ہمیشہ قائم رہیگا۔ دنیا کی زندگی فقط دو طاقتوں کی کشمکش کا نام ہے۔ ایک صدق دوسری کذب۔ مذہب کی زبان میں توحید و کفر کہدو۔ خیر و شر کہدو یا یزدان و اہرمن کہدو۔ سیاسی زبان میں ظلم و انصاف کہدو۔ امر واقعہ صرف اتنا ہی ہے کہ ایک طرف صدق ہوتا ہے، دوسری طرف اس کے برعکس کذب۔ بہترین نظام وہ ہوگا جس میں محض صدق ہو۔ اور کفر کی آمیزش نہ ہو۔ اشیا اور افراد کی قیمتوں میں، ان کے اندازہ میں بالکل صحیح توازن رہے۔ جب اور جس قدر اس میں کفر کی آمیزش ہوگی اسی وقت اور اسی قدر وہ خراب ہو جائے گا۔ دنیا کو خیال ہو چلا تھا اور وہ خیال واقعیت پر مبنی تھا۔ کہ اسلام ایسا نظام قائم کرے گا جس میں کذب کی آمیزش نہ ہوگی۔ لہذا وہ بہترین اور مستقل ہوگا۔ جناب رسولخدا نے اپنے زمانے میں جو نظام قائم کیا تھا وہ اگر مستقل ہو جاتا تو بہترین تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ جناب رسولخدا کے فوراً بعد ہی جیسا کہ خود آنحضرت نے تصور فرمایا تھا۔ اور اس کا اظہار بھی کیا تھا (ہر ایک حدیث کی کتاب میں کتاب الفتن دیکھ لو) اس نظام میں بہت سرعت کے ساتھ کذب کی آمیزش ہو گئی۔ جس کو خلافت راشدہ کہتے ہیں۔

اس کی یہ حالت تھی کہ کوئی خلیفہ اپنی موت نہیں مرا۔ ہر ایک کو قتل کیا گیا۔ حضرت ابوبکر کو بھی زہر دیا گیا تھا۔ آنحضرتؐ کے انتقال پر دو جماعتیں ہو گئیں۔ ان میں سے ایک نے حکومت جبراً سنبھال لی۔ ہم جبراً اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں حاکم کے تعین کرنے میں قرآنی حکم وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ پر عمل نہیں کیا گیا۔ اس جماعت کی حکومت میں جو واقعات ہوئے اور دختر رسول کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ آخر کار وہ حالات پیدا ہو گئے کہ دختر رسول یہ کہتی ہوئی دنیا سے سدھاریں کہ میں تمہاری شکایت خدا اور اس کے رسول سے کرونگی۔ اور آخر وقت تک ان لوگوں کو جنازے پر نہ آنے دیا۔ اس نظام کو ہم کیونکر صحیح اور صدق سے مملو نظام کہہ سکتے ہیں۔ جس میں یہ باتیں سرزد ہو سکیں اور پھر اس کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھے۔ جماعت حکومت کے ان افعال نے لوگوں کے دلوں میں مخالفت پیدا کرنا شروع ہی کی تھی کہ وہ طرز عمل اختیار کیا گیا جو ان سے پہلے اور ان کے بعد بادشاہان ملک کرتے آئے ہیں۔ تمام لوگوں کو خوش تمام صورت سے جلاوطن کر دیا پہلے مانعین زکوٰۃ سے چھیڑ خانی نکالی۔ جب وہ جلدی ہی ختم ہو گئی تو ان لوگوں کو مدینہ آنے کی مہلت بھی نہ دی بلکہ بالا بالا ہی حکم بھیجدیا کہ اب رومیوں کی طرف چلے جاؤ۔ اور ساتھ ہی ساتھ ایران کی طرف بھیجدیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو مذہب امن و عافیت کا پیغام لے کر آیا تھا۔ اب دنیا کو یہ نظر آنے لگا کہ وہ تو آگ اور تلوار کا پیغام لے کر آیا ہے۔ اور یہی بات اسلام کے دنیا میں پھیلنے سے مانع ہوئی۔ اسلام نے عدل عام کا حکم دیا ہے۔ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی کافر و مسلمان افراد و اقوام سب کے ساتھ انصاف کرنا چاہیئے۔ ایران نے کوئی وجہ مخاصمت نہ دی تھی۔ اور رومیوں کو ان کے کئے کی سزا مل چکی تھی۔ اب از سر نو فوج کشی عدل پر مبنی نہ تھی۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ آپس میں کشت و خون ہو رہے ہیں۔ خلیفۂ وقت بے بغاوت کر کے ہزاروں مسلمانوں کو قتل کرا دیا۔ اپنے نبی کی اولاد کو اس

طرح قتل کرنا جس طرح مسلمانوں نے کربلا میں کیا، اپنی ہی عبادت گاہ کو منجنیق سے گروانا۔ مدینہ ومکہ کے شہروں میں قتل وغارت کرنا۔ غرضکہ یہ اور اسی طرح کے آئندہ کے واقعات صاف طور سے بتا رہے ہیں کہ جو نظام آنحضرت نے قائم کیا تھا وہ اسلامی نظام نہ تھا اور اگر وہ اسلامی نظام تھا تو سارے الزامات اسلام پر عائد ہونگے۔

یہ تو حملہ کرنیوالوں کی حالت تھی۔ اب اس زمانہ کی روم وایران کی حالت بیان کرتے ہیں۔ جناب فاطمہ کی ساری زندگی روم کے ایک بادشاہ ہرقل (Heraclius) کے زمانہ سلطنت میں ہوئی۔ اس کا زمانۂ حکومت ۶۱۰ء لغایت ۶۴۲ء ہے۔ جناب رسولخدا کا سارا زمانہ بنوت ۶۱۰ء لغایت ۶۳۲ء اس بادشاہ کے زمانہ میں واقع ہوا تھا۔

اس عظیم الشان رومن امپائر نے جس کی اصلی بنیاد جولیس سیزر نے ۴۸ ق م میں اپنے رقیب پومپی اس (Pompeius) پر جنگ فارسالس (Pharsalus) میں فتح پاکر قائم کی اور جس کو اس کے جانشین آگسٹس سیزر (۲۷ ق م تا ۱۴ء) نے قائم کرلیا۔ صدیوں تک اپنے خوف سے دنیا کو لرزہ براندام رکھا۔ لیکن جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس وقت تک اس کے اندر ہی اندر گھن لگ چکا تھا اور اس کی بنیادیں متزلزل ہو رہی تھیں۔ سارا اختیار فوج کے پاس چلا گیا تھا۔ جس کو فوج چاہتی تھی وہی بادشاہ ہوتا تھا۔ یہ صورت حالات سلطنتوں کے لیئے نہایت خطرناک ہوتی ہے۔ اور جس سلطنت میں یہ بیماری گھر کرجائے پھر اس کی زندگی کے دن گنتی ہی کے رہ جاتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہرقل کے دو سابق جانشینوں کا ذکر کردیا جائے تاکہ رومن سلطنت کا صحیح تخیل قائم ہوسکے۔

۱۳ اگست ۵۸۲ء کو ماریس (Maurice) جو رومن افواج کا کمانڈر انچیف تھا قیصر مقرر کیا گیا۔ ایران کی لڑائیاں بدستور جاری رہیں۔ رومن ایمپائر کے زوال کے اسباب میں سے ایران کی لڑائیاں بھی بہت بڑا سبب ہیں۔ ایران میں

نوشیرواں عادل کا زمانہ ۵۳۱ء سے ۵۷۹ء تک تھا۔ اس نے رومن افواج کو بار بار شکست دی تھی۔ اس کے مرنے پر اس کا لڑکا ہرمز تخت نشین ہوا۔ وہ ظالم اور نااہل ثابت ہوا۔ اور ۵۹۰ء میں قتل کر دیا گیا۔ اب ہرمس کا لڑکا خسرو پرویز بادشاہ ہوا۔ جو ایران کے ساسانی خاندان کا آخری بادشاہ ہے۔ بہرام چوبین جس نے ہرمز کے زمانہ میں بغاوت کی تھی اب تک طاقتور تھا۔ اس نے خسرو پرویز کو بادشاہ نہیں مانا۔ اور آخر کار خسرو پرویز نے بھاگ کر اپنے رقیب رومن بادشاہ مارس کے پاس پناہ لی۔ اس نے اس کے ساتھ ایک فوج کر دی جس کی مدد سے خسرو پرویز نے اپنا تخت پھر ۵۹۱ء میں حاصل کیا۔ اس مدد کے عوض میں کچھ علاقہ اُسے دینا پڑا تھا۔ لیکن اب مارس کو بھی یہی دن دیکھنا نصیب ہوا۔ چونکہ مستقل لڑائیوں سے روپئے کی کمی ہو گئی تھی اس نے حکم جاری کیا کہ فوج کی تنخواہ میں ایک چوتھائی کمی کر دی جائے۔ اس سے فوج میں عام بغاوت پھیل گئی۔ اور آخر کار باغی افواج کے کمانڈر فوقاس (Phocas) نے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اور مارس (Maurice) معہ اپنے بیوی بچوں کے ۲۲ نومبر ۶۰۲ء کو بھاگ کر ایشیائی کوچک میں آ گیا۔ اور یہاں اس نے (Chalcedon) کی ایک خانقاہ میں پناہ لی۔

لیکن جو غاصبوں کا قاعدہ ہوتا ہے فوقاس (Phocas) کی یہ کوشش رہی کہ کسی طرح مارس اور اس کے معصوم بچّوں کو قتل کر دے تاکہ تخت کا دعویدار کوئی نہ رہے۔ اور بے چین و آرام سے بے غل و غش سلطنت کرے۔ اس نے اپنے آدمی بھیجے جنھوں نے اوّل تو مارس کے پانچ لڑکوں کو مارس کے سامنے قتل کیا۔ اور پھر مارس کو نہایت بیرحمی سے ذبح کر ڈالا۔ اس کے مرتے وقت کے الفاظ یہ تھے۔ "خداوندا تو عادل ہے اور تیرا یہ فیصلہ بھی عدل پر مبنی ہے۔" اس نے یہ الفاظ بار بار کہے اور اس کے قتل کے وقت کا ایک اور واقعہ نہایت درد آمیز ہے۔ جب ظالم کے آدمی مارس کے بچوں کو قتل کے لئے تلاش کر رہے تھے تو ایک معصوم بچہ

کی دایہ نے ان لوگوں کے سامنے اپنا بچہ یہ کہہ کر پیش کر دیا۔ کہ یہ مارس کا بچہ ہے۔ اس کو قتل کر ڈالو۔ لیکن مارس سے یہ نہ دیکھا گیا۔ اور اس نے ان سپاہیوں سے کہا کہ نہیں یہ میرا بچہ نہیں ہے۔ یہ تو اس دایہ کا بچہ ہے۔ سپاہیوں نے دایہ کا بچہ چھوڑ دیا۔ اور مارس کے بچے کو نکال کر قتل کر ڈالا۔ مارس اور اس کے بچوں کی لاشیں دریا میں ڈالدی گئیں اور ان کے سر غاصب فوقاس (Phocas) کے پاس روانہ کر دیئے گئے۔ جہاں ان کی تشہیر کی گئی۔ لیکن ابھی مارس کی بیوی اور لڑکیاں باقی تھیں اس نے ان کے پیچھے قاتلوں کو دوڑایا۔ جنھوں نے ان کو ایشیائے کوچک کے ایک خانقاہ میں بمقام (Chalcedon) پایا۔ مارس کی بیوی کو جو ایک قیصر کی بیٹی ایک قیصر کی بیوی اور کئی قیصروں کی ماں تھی نہایت بیرحمی کے ساتھ ایذائیں پہنچائیں۔ پہلے اس کے سامنے اس کی لڑکیوں کو قتل کیا۔ اور پھر آخر کار اس بدنصیب ماں کے اوپر ظالموں کی تلوار نے رحم کھایا۔ اور اس کو زندگی کی تکلیف سے آزاد کیا۔ غاصب بادشاہ بغیر استثنا کے ظالم ہوا کرتے ہیں۔ اور ان کو جائز وحقدار ورثائے حکومت سے للّہی بغض ہوا کرتا ہے۔ ان کی یہ کوشش رہتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح ان کا خاتمہ کر دیا جائے۔ جو شخص فطرتِ انسانی کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے، دنیا داروں پر اس دنیا کی شان و شوکت و ثروت کے اثر کا اندازہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے یہ معلوم کرنا نہایت دلچسپ ہوگا کہ اس ظالم بادشاہ فوقاس کی حمایت اور اس کی حکومت کا خیر مقدم سب سے پہلے اور سب سے زیادہ جوش کے ساتھ اس نے کیا جو اس دنیا میں حضرتِ عیسیٰ کے خلیفہ ہونے کا دعویدار تھا۔ یعنی پاپائے اعظم گریگری (Pope Gregory) سب سے پہلے اس نے اور اس کے ماتحت مذہبی افسروں نے اس کی حکومت قبول کی۔ اور سینٹ جان کی گرجا میں یہ رسم ادا کی گئی۔ اس ظالم بادشاہ اور اس کی بیوی کی تصویریں گرجا میں حضرت عیسیٰ و حضرت مریم کی تصویروں کے پاس رکھی گئیں اور ان کی پرستش کی گئی۔ گریگری نے اور تمام مذہبی پیشواؤں نے گرجاؤں میں دعائیں مانگیں کہ خداوند تعالےٰ نے

تو نے ایسے مہربان زاہد و عابد اور رحمدل فوقاس (Phocas) کو ہمارے اوپر اپنے کرم سے حاکم مقرر کیا ہے۔ اب اس کے ہاتھ اس کے دشمنوں کے خلاف مضبوط کر اور طویل مدت تک حکومت کرنے کے بعد اس کو اپنی جنت میں جگہ دے۔ یہ اس فوقاس کی نسبت کہا جا رہا ہے جس نے یہی نہیں کہ مارس اور اس کے بچوں و بیوی کو اس بیرحمی کے ساتھ قتل کر دیا بلکہ مارس کے تمام طرفداروں کو اور ان کو جن پر ذرا بھی طرفداری کا شبہ ہوا ہے بیرحمی کے ساتھ ذبح کرا دیا۔ علاوہ اس کے ایسی ہی اور ظالمانہ کارروائیاں کیں۔ لیکن گریگوری اور ان مذہبی پیشواؤں کا گرنا ابھی اور باقی ہے۔ جب فوقاس کے ظلموں سے عاجز آ کر صوبوں نے بغاوت اختیار کی۔ اور اس بغاوت کا لیڈر ہرقل ہوا تو اب گریگوری اور یہ مذہبی پیشوا ہرقل کے ساتھ ہو گئے۔ بلکہ گریگوری نے اپنے لڑکے کو ہرقل کے ساتھ شامل کر دیا۔ اور دونوں نے ملکر فوقاس کو اسی طرح قتل کیا جس طرح فوقاس نے مارس کو قتل کرایا تھا۔ یہ سنہ ۶۱۰ء کا واقعہ ہے۔

آپ نے دیکھا وہ مذہب جس میں کذب کی آمیزش ہو گئی ہو کس طرح حکومت کے اشاروں پر ناچتا ہے۔ انسانی فطرت ہر جگہ اور ہر زمانہ میں ایک سی ہی ہوتی ہے۔ جو شخص اپنے مذہب کے احکام کی پابندیوں کو چھوڑ کر دنیا کے پیچھے دوڑے گا اس کا طرز عمل یہی ہو گا۔ خواہ کسی ملک کا باشندہ ہو۔ بلکہ ایسے لوگ مذہب کو سب سے پہلے فروخت کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک مذہب اس وقت تک قابل پابندی ہے کہ جب تک اس کے ذریعہ سے دنیا حاصل ہو سکے۔ اور اگر مذہب سے کوئی دنیاوی فائدہ نہیں ہوتا تو پھر ان کے خیال میں سب سے زیادہ غیر ضروری اور سب سے کم قیمت جو شے ہے وہ مذہب ہے۔

اب سنہ ۶۱۰ء میں ہرقل تخت نشین ہوا۔ خسرو شاہنشاہ ایران اگرچہ مارس کی مدد وقت پر نہ کر سکا۔ لیکن رومیوں کے ساتھ اس نے لڑائی شروع کر دی۔ فوقاس کے سارے زمانہ میں یہ لڑائی ہوتی رہی۔ جب ہرقل تخت نشین ہوا تب بھی لڑائی جاری تھی۔ ہرقل نے اگرچہ بہت تدبیر کی۔ لیکن ایرانیوں نے جنگ انطاکیہ

میں ۶۱۳ء میں رومیوں کو شکست فاش دی۔ اور پھر دمشق کا محاصرہ کر کے اس کو فتح کرلیا۔ پھر شمال میں سلیشیا (Cilicia) اور طرسوس (Tarsus) پر قبضہ کرلیا۔ پھر آرمینیا میں جنگ کر کے اس پر بھی ایرانیوں نے قبضہ کرلیا۔ اور ۶۱۴ء میں سب سے بڑی مصیبت جو رومیوں پر پڑی وہ یہ تھی کہ ۳ یا ۵ مئی ۶۱۴ء کو ایرانیوں نے بیت المقدس یعنی یروشلم پر قبضہ کرلیا اور شہر میں تین دن تک قتل و لوٹ و غارت جاری رہی۔ یہودی بھی ایرانی فاتحان کے ساتھ مل گئے۔ ستاون ہزار رومن قتل کر دیئے گئے۔ اور پینتیس ہزار قیدی بنائے گئے اور گرجاؤں میں آگ لگا دی گئی۔ استقف اعظم ذکریا کو اور اس کے ساتھ مقدس صلیب کو ایران لے گئے۔ تمام عیسائی دنیا میں تہلکہ مچ گیا۔ رومن جیسی عیسائی سلطنت بیت المقدس کو ایرانی کافروں کے ہاتھ سے نہ بچا سکی۔

۶۱۵ء میں ایرانیوں نے ایشیائے کوچک پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ اور ایرانی جنرنیل شاہین نے رومیوں کو وہاں سے نکال دیا۔ ہرقل کے پاس اب نہ آدمی رہے اور نہ روپیہ۔ وہ بہت عاجز ہو گیا اور شاہین سے درخواست کی بلکہ یہ درخواست لے کر خود اس کے کیمپ میں گیا اور ادھر سینٹ نے اپنی حالت خراب دیکھ کر شہنشاہ ایران کے پاس صلح کی درخواست بھیج دی۔ لیکن خسرو پرویز نے ان درخواستوں کو ٹھکرا دیا۔ نہایت مغرورانہ خط ہرقل کو لکھا اور شاہین کو اس شبہہ میں کہ وہ ہرقل کے ساتھ نرمی کر رہا ہے معزول کر دیا۔

رومیوں کے لئے یہی ایک مصیبت نہ تھی۔ رومی سلطنت کو کئی صدیوں سے شمال مغرب کے وحشی قبائل سے لڑنا پڑ رہا تھا۔ وہ نہایت طاقتور تھے اور کئی دفعہ انھوں نے اٹلی تک پر قبضہ کرلیا۔ اس زمانہ میں بھی لڑائی جاری تھی۔ انھوں نے ہرقل کو ایران سے مشغول پا کر اپنے حملے تیز کر دیئے۔ ان میں سے ایک وحشی قبیلہ آوزر (Avars) کا بہت طاقتور تھا۔ یہ دریائے ڈینیوب کے شمال مغرب کی طرف آباد تھے جون ۶۱۷ء میں ان کے سردار خاگان نے یا خاقان نے

ایک چال چلی۔ صلح کی خواہش ظاہر کی۔ رومی بہت خوش ہوئے۔ اور بمقام شہر ہرقلیہ ہرقل و خاقان کی میٹنگ قرار پائی۔ رومیوں نے اس خوشی میں خاقان کی آمد کی عزت میں شہر کو بہت آراستہ و پیراستہ کیا۔ اور اس کی آمد کے منتظر رہے۔ لیکن بجائے خود آنے کے خاقان نے اپنی فوجوں کو جو اب تک کمین گاہ میں چھپی ہوئی تھیں اشارہ کیا اور انھوں نے رومی دارالسلطنت قسطنطنیہ پر حملہ کر دیا۔ اور اس کے ارد گرد قبضہ کر کے گرجاؤں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ ہرقل اب خطرہ کے بیچ میں تھا۔ اس نے شاہی چغا پھینکا اور تاج کو بغل میں دبا کر بگٹٹ گھوڑا دوڑا کر شہر قسطنطنیہ میں داخل ہوا۔ اور لوگوں کو خطرہ سے آگاہ کیا۔ آوارز نے دو لاکھ ستر ہزار رومیوں کو قیدی بنا لیا۔ جو ڈینیوب کی طرف انھوں نے منتقل کر دیئے۔ یہ ۶۱۸ء کا واقعہ ہے۔

اب ہم پھر ایرانیوں کی جنگ کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ موسم بہار ۶۱۹ء میں انھوں نے مصر پر حملہ کر دیا۔ اور ایرانی جنرل شہر براز شہروں کو فتح کرتا ہوا الگزینڈریہ (اسکندریہ) تک آ گیا جس کا اس نے محاصرہ کر لیا۔ اس وقت رومی نہایت سخت تکلیف میں تھے۔ آرمینا جہاں سے ان کو آدمی ملتے تھے ایرانیوں کے قبضہ میں تھا۔ شہر براز نے تمام راستے بند کر دیئے تھے۔ قسطنطنیہ میں قحط اور دبا کا زور ہو گیا۔ مصر میں رومیوں کا جنرل Nicetas گریگوری کا رڈ کا تھا۔ یہ دیکھ کر کہ اسکندریہ کا بچنا محال ہے وہ تو آخر گریگوری کا لڑکا تھا جان بچا کر بھاگ گیا۔ اور ۶۱۹ء میں ایرانی شہر میں فاتحانہ طریقہ سے داخل ہو گئے۔ اب یہ معلوم ہونے لگا کہ ایرانی شہنشاہ خسرو پرویز تمام رومانوی دنیا کا مالک ہونے والا ہے۔ اس وقت ہرقل نے سوچا کہ مصر کو جا کر بچانا ضروری ہے۔ وہ یورپ چھوڑنے ہی والا تھا کہ لوگوں کو خبر ہو گئی اور قسطنطنیہ کے لوگوں نے اسے جانے نہ دیا۔ اور وہاں کے اسقف اعظم نے

ہرقل سے قسم پر وعدہ لے لیا۔ کہ وہ قسطنطنیہ کو نہ چھوڑے گا۔

اب ہرقل نے یہ سوچا کہ ایرانیوں کے ساتھ جنگ کرنیکے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ آورز کے خاقان سے صلح کرلے۔ چنانچہ اس نے ہر طرف سے روپیہ مانگا۔ گرجا کے حکام نے بھی اپنی بے شمار دولت میں سے اسے روپیہ دیا۔ کیونکہ انھوں نے اس کو وعدہ لیکر قسطنطنیہ سے باہر نہ جانے دیا تھا۔ لہٰذا دو لاکھ زردی اشرفیاں بطور خراج کے ہرقل نے خاقان کو دیں۔ اور اپنے بیٹے اور بھتیجے کو بطور ضمانت خاقان کے پاس بھیجدیا۔ یہ سنہ ۶۱۹ء کا واقعہ ہے۔ اس عرصہ میں ایرانی آزادی کے ساتھ رومی ممالک پر حملہ کرتے رہتے۔

اب ہرقل نے ایرانیوں کے مقابلہ کی تیاری شروع کی۔ اس نے یہ ترکیب سوچی کہ ایرانیوں کو مصر میں نہ چھیڑا جائے بلکہ خود ایران پر دھاوا بول دینا چاہیئے۔ ۴ اپریل سنہ ۶۲۲ء کو اس نے پبلک نماز قائم کی۔ اور دوسرے دن یعنی ۵ اپریل سنہ ۶۲۲ء کو قسطنطنیہ کے پبلک حکام سنیٹ اور اسقف اعظم کو بڑے میدان میں جمع کیا۔ اور اسقف اعظم سرجی اس Sergius کی طرف مخاطب ہو کر بولا "خدا اور اس کی والدہ کے ہاتھ میں اور پھر تیرے ہاتھ میں شہر کو اور اپنے لڑکے کو چھوڑتا ہوں" یہ کہہ کر گرجا میں نماز پڑھنے کے بعد ہرقل حضرت عیسٰے کے بُت کو اپنے سینے سے لگا کر گرجے سے لیگیا۔ اور ۶ اپریل سنہ ۶۲۲ء کو فوج کے ساتھ ایشیائے کوچک میں آگیا۔ وہاں اسکی کوشش یہ رہی کہ ایرانی فوج کو ایشائے کوچک چھوڑنے پر مجبور کرے چنانچہ چند لڑائیوں کے بعد ایک آخری جنگ میں ہرقل کو فتح ہوئی۔ اور شہر براز کی فوج کا خاتمہ ہوگیا۔ اس طرح ایشیائے کوچک تو آزاد ہوگیا۔ لیکن مغربی وحشی اقوام نے پھر سر اٹھایا۔ اور ہرقل واپس قسطنطنیہ چلا گیا۔

۲۵ مارچ سنہ ۶۲۳ء کو پھر ایران کی جنگ کے لئے قسطنطنیہ کو ہرقل نے چھوڑا۔ اور نکومیڈیا Nicomedia میں آیا۔ یہاں آکر اس کو معلوم

ہوا کہ خسرو پرویز نے نہایت حقارت کے ساتھ اسکی درخواست صلح مسترد کردی اور ایران پر حملہ کی دھمکی جو ہرقل نے دی تھی اس سے وہ مطلق نہ ڈرا۔ خسرو پرویز کے مغرورانہ خط کو ہرقل نے بڑے گرجا میں پیش کیا۔ اور سب نے رو رو کر خشوع و خضوع سے گریہ وزاری کر کے خدا سے دعا مانگی ۲۰ اپریل ۶۲۲ء کو ہرقل ایران کے حملہ پر روانہ ہوا۔ اور سیزیریا (قیصریہ) کے راستہ سے آرمینیا میں داخل ہو گیا۔ خسرو پرویز نے شہر براز کو حکم دیا کہ اپنی افواج کو شاہین کی افواج سے ملالے۔ اور پھر حملہ کا مقابلہ کرے۔ ہرقل سیزیریا سے ہوتا ہوا آگے بڑھا اور Nachcavan نکالون پر قبضہ کر کے تخت سلیمان کی طرف بڑھا۔ جہاں اس کا خیال تھا کہ خسرو پرویز خود موجود ہے۔ ایک فوج کے ایک دستہ کی شکست کے بعد خسرو پرویز وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اور ہرقل اس کے پیچھے شہروں کو فتح کرتا ہوا چلا۔ لیکن ابھی شہر براز و شاہین کی فوجیں اس کے پیچھے تھیں۔ لہذا ہرقل نے کسریٰ وایران کا زیادہ تعاقب نہ کیا۔ راستہ میں شاہین کو تو اس نے شکست دی لیکن شہر براز کی فوج کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اور ۶۲۳ء کا جاڑا آرمینیا میں گزارا۔

۶۲۴ء کے بہار کے موسم میں ہرقل ایران پر حملہ نہ کر سکا۔ بلکہ آرمینیا ہی میں دشمن کی لڑائیوں میں مشغول رہا۔ وہاں ایران کے تین جنرل تھے۔ سربلنگ، شہر براز اور شاہین۔ سربلنگ تو ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اور ایک اور جنرل قید ہوتے ہوتے بچا۔ لیکن اس لڑائی سے کچھ فیصلہ نہ ہو سکا۔ اور ۶۲۵ء میں ہرقل نے مغرب کی طرف آنیکا ارادہ کیا۔ ۶۲۵ء کا سال اس نے پانٹ Pontus کے اضلاع میں گزارا۔

۶۲۶ء ہرقل کی زندگی کا نہایت مصیبت کا سال تھا۔ تمام وحشی اقوام یعنی آورز Avars بلغاری Bulgars سلاوے Slavs اور غیدٹ سب آپس میں رومیوں کے خلاف مل گئے۔ قسطنطنیہ پر حملے کی تیاریاں کرنے لگے۔ ادھر ایرانیوں سے بھی سازباز کرلی۔ خسرو پرویز نے

اپنی افواج کو حکم دیا کہ جب خاقان یورپ کی طرف سے قسطنطنیہ پر حملہ کرے تو تم ایشیائے کوچک کی طرف سے کردو۔ چنانچہ ایرانی افواج شاہین اور شہر براز کی ماتحتی میں ادھر جمع ہو گئیں۔ اور شہر براز Chalcedon میں مقیم ہو گیا۔ جو ایشیائے کوچک پر بالکل قسطنطنیہ کے مقابلے میں واقع ہے۔ ہرقل نے اپنی افواج کو تین حصوں میں منقسم کیا۔ کچھ تو قسطنطنیہ کی حفاظت کے لئے روانہ کردی گئیں، کچھ کو اپنے بھائی تھیوڈور Theodore کی زیر کمان شاہین کے مقابلے میں ایشیائے کوچک بھیجدیا۔ اور باقی افواج ہرقل نے اپنی ماتحتی میں رکھیں تھیوڈور کی لڑائی کا ذکر کرتے ہوئے یوروپین عیسائی نہایت فخر و اعتقاد مذہبی کے ساتھ لکھتا ہے۔ برف و باران کے طوفان کی وجہ سے جو خدا نے عین وقت پر بھیجدیا اور حضرت مریم کی مدد سے تھیوڈور نے شاہین کو ایسی شکست فاش دی کہ وہ غم کے مارے مر گیا ۱۲۴

اب وحشی اقوام کا حال سنیئے۔ ۲۹ جولائی ۶۲۶ء کو خاقان اور اس کی افواج نے قسطنطنیہ کے سامنے ڈیرا ڈالدیا۔ اس وقت اگر رومیوں کو بچایا تو انکی بحری طاقت نے بچایا۔ انہوں نے وحشی اقوام کی کشتیاں تو سمندر میں غرق کردیں اب شہر براز جو سامنے ہی Chalcedon میں اپنی افواج لئے پڑا تھا۔ بغیر کشتیوں کے مجبور ہو گیا۔ اس کے پاس کوئی بحری بیڑا نہ تھا اور نہ وحشی اقوام کی کشتیاں باقی رہی تھیں۔ لہذا وہ فقط وہاں سے دیکھتا ہی رہا۔ اور دس دن کے ناکام محاصرے کے بعد خاقان کو واپس ہونا پڑا۔ اگرچہ خاقان کی ناکامیابی کی صریح وجوہات موجود ہیں۔ لیکن عیسائی یوروپین مورخ لکھتا ہے۔ "اگرچہ بہت سی گرجائیں وحشیوں نے جلادی تھیں لیکن ان کے درمیان میں خداوند تعالےٰ کی والدہ کی گرجا اسی طرح قائم رہی۔ یہ ایک اور ثبوت تھا اس امر کا کہ والدہ خدا میں کتنی طاقت تھی۔ اور خدا اور اپنے بیٹے کے نزدیک اس کا کتنا بڑا رسوخ ہے۔ اور تمام دینی سے انتظام میں ان کا کتنا بڑا دخل ہے۔ شہر کا باقی رہنا حضرت کنواری ماں کی

Cambridge Medieval History Vol II P 295

فتح ہے۔ ان کے پوجاریوں نے جو ان سے دعائیں کی تھیں یہ اس کا جواب تھا۔ اور کلیسا نے اس بات کی یاد سالانہ عید کے ذریعہ سے قائم رکھی"۔[۱۲۳]

یہ سبق ہے ہمارے نوجوانوں کے لیے جو تاریخ اور رسالہ میں خدا اور خدا کی قدرت پیغمبر اور پیغمبر کے معجزوں کا ذکر کرتے ہوئے شرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ فیشن کے خلاف ہے۔

اس طرف قیصر اپنی فوج کے ساتھ خاموش نہیں بیٹھا رہا۔ اس نے کوہ قاف کے قبائل سے ایران کے خلاف سازباز شروع کر دی۔ اور ان سے اپنی دوستی قائم کر لی۔ اس طرح گویا ایرانیوں کو ان کے ہی سکے میں ادائیگی کی گئی۔ ۶۲۶ء میں ان قبائل نے ابریا (Iberia) میں لوٹ مار کی۔ ۶۲۷ء میں البانیہ پر قبضہ کر لیا۔ اور جون ۶۲۷ء میں دربند کا محاصرہ کر لیا۔ ایرانی جنرل ان کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اور اس نے راہ فرار اختیار کی۔ اس کے بعد ان قبائل نے ہرقل کے ساتھ مل کر طفلس کا محاصرہ کیا۔ ہرقل نے محاصرہ کا کام ان قبائل پر چھوڑا۔ اور خود دستگرد کی طرف بڑھا۔ یہ جگہ ایران کے دارالخلافہ مدائن سے صرف ۷۰ میل کے فاصلے پر تھی۔ جب ہرقل دریائے زاب پر آیا تو ایرانی فوج کی وجہ سے اس کو عبور نہ کر سکا۔ اور مقام نینوا پر ایک جنگ عظیم واقع ہوئی۔ (۱۲ دسمبر ۶۲۷ء) ایرانی جرنیل راہ زادہ تو مارا گیا۔ لیکن اس کی فوج میں ابتری نہیں پڑی۔ اور وہ پیچھے ہٹ گئی۔ اور پھر ان کے پاس امداد بھی آ گئی۔ ہرقل آگے بڑھا۔ اور خسرو پرویز دستگرد کے پاس آ کر مقیم ہوا۔ لیکن اس کے دل پر ہرقل کا کچھ ایسا رعب چھایا۔ کہ وہ اپنی فوج کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور پہلی جنوری ۶۲۸ء کو ہرقل نے بغیر مزاحمت کے دستگرد پر قبضہ کر لیا۔ مگر ایرانی افواج اس طرح نہیں بھاگی بلکہ پیچھے ہٹ کر ہرقل کا راستہ مدائن جانے کا روک لیا۔ خسرو کے اس بزدلانہ فعل سے اس کی رعایا میں بہت بددلی پھیل گئی۔ اور اس کا رعب جاتا رہا۔

۱۲۳ Cambridge Medival History. p. 296

جنوری ۶۲۸ء کو ہرقل دستگرد سے مدائن کی طرف بڑھا۔ نہروان سے صرف ۱۲ میل کے فاصلہ پر تھا۔ کہ جو ہراول آگے بھیجا تھا وہ خبر لایا کہ ایرانی افواج کی موجودگی میں نہروان کو عبور کرنا مشکل ہو گا۔ ہرقل بھی کچھ محفوظ حالت میں نہ تھا۔ دشمن کے ملک میں اپنے وطن سے بہت دور ایرانی افواج چاروں طرف پڑی ہوئی۔ اور شہر براز مغرب میں اپنی فوج لیئے ہوئے پڑا تھا۔ ہرقل کو پیچھے کی طرف سے بھی حملہ کا اندیشہ تھا۔ اب ہرقل پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوا۔ ہٹ کر گزناکا میں آگیا۔ ادھر خسرو کی شکست و بزدلی کی وجہ سے ایک بغاوت پھیل گئی۔ اور باغیوں نے اس کو قیدخانہ میں ڈال دیا۔ اس کے بہت سے لڑکوں کو اس کے سامنے قتل کر کے اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ اس طرح آخرکار ایران کے اس شہنشاہِ اعظم کا انجام ہوا۔ جس کا نام فارسی علم ادب میں شوکت و دولت کے لئے ضرب المثل چلا آتا ہے۔ خسرو کا گھوڑا شبدیز اور خسرو کی خوبصورت بیوی شیریں، فارسی کے شعرا کی نازک خیالیوں کے لیئے ہمیشہ سے تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں۔ یہ وہی شیریں ہے جس کے عشق میں فرہاد نے خسرو کے وعدہ پر پہاڑ کو کاٹ کر دودھ کی نہر جاری کی تھی۔ لیکن خسرو اپنے وعدہ سے پھر گیا۔ اور شیریں کو فرہاد کے حوالے نہ کیا۔ فرہاد نے ایک آہ کی اور جس تیشے سے پہاڑ کو کاٹا تھا اس کو اپنے اوپر مار کر عشق کے راستہ میں جان دیدی۔ بندگانِ عشق تو کہیں گے۔ کہ فرہاد کی آہ رنگ لائی اور خسرو کو یہ دن دیکھنا پڑا۔ بندگانِ عیسیٰ تو کہتے ہی ہیں کہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کی مدد سے ہرقل کو فتح حاصل ہوئی۔ لیکن مورخین کی رائے ہے کہ ہرقل کی کامیابی کا راز اس کے مضبوط عزم اور اس کی سپاہیانہ جانبازی و فوجی ہنر میں ہے۔ کچھ بھی ہو خسرو پرویز کا وہ عروج کہ سلطنتِ روما کے ارکان کو متزلزل کر دیا۔ اور پھر یہ زوال کہ کتے کی موت مرا۔ دنیا کے انقلاب اور خدا کی شان کا نادر نمونہ ہیں۔ ہرقل غنزافاہی میں تھا کہ ۳ اپریل ۶۲۸ء کو ایران کے ایک سفیر نے آنکر اس انقلاب کی اطلاع دی۔ اور خسرو کے جانشین قباد ثانی

کی طرف سے صلح کی شرائط پیش کیں جو ہرقل نے منظور کیں۔ منجملہ دیگر شرائط کے صلیب
مقدس کی واپسی اور ایرانی افواج کا ہرقل کے ملک کو چھوڑ دینا ضروری شرائط تھیں
صلیب مقدس تو واپس ہوگئی۔ لیکن شہر براز ایرانی جنرل نے جو ہرقل کے ملک
میں تھا اس شرط کو ماننے سے انکار کر دیا۔ یہ صلح ستمبر ۶۲۸ء میں مکمل ہوئی۔
۲۲ مارچ ۶۲۹ء کو ہرقل یروشلم میں داخل ہوا۔ اور صلیب مقدس کو اس کی جگہ
پر پھر واپس لگا دیا۔

اس آخری جنگ میں ہرقل کامیاب تو ہوگیا لیکن بہت نقصان کے ساتھ۔ خزانہ خالی ہوگیا۔ بہت
سے آدمی مر کٹ گئے۔ بدامنی ملک میں پھیل گئی۔ اور وحشی اقوام نے اسے دم نہ لینے دیا۔ اسپین
نے بغاوت کرکے رومیوں کو نکال دیا۔ اس طرح اسپین رومن امپائر سے نکل گیا۔ وحشی قوم
لومبارڈ (Lombards) نے اٹلی پر قبضہ کر لیا اور ڈینیوب کے صوبوں کو سلاوز
(Slavs) نے چھین لیا۔

ایران و روما کی صدیوں کی جنگ اس طرح ہمیشہ کیلئے ختم ہوگئی۔ اب ایک تیسری طاقت بساط تاریخ
پر نمودار ہوئی۔ جس نے ان دونوں کی ہستی اور انکی پرانی عداوتوں کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دیا۔ یہ طاقت
ہرقل کے بعد ایمپائر میں بدامنی پھیل گئی۔ کئی دعویداران سلطنت پیدا ہوگئے۔ ہرقل کی بیوی
اس کے بڑے لڑکے اور دیگر لڑکوں میں آپس میں کشمکش شروع ہوگئی۔ کچھ رعایا ایک طرف ہوگئی کچھ دوسری طرف
ہرقل ۶۴۱ء میں مر گیا۔ پھر یہ خانہ جنگی جو اس کی زندگی سے شروع ہوگئی تھی زور پکڑ گئی۔
اور یہ بدامنی اور کمزوری ہی عربوں کی فتح کا موجب ہوئی۔

اب ہم کچھ حال ایران کا سناتے ہیں۔ روم کی لڑائیوں کا حال تو معلوم ہی ہوگیا اور یہ ظاہر ہے
کہ اس صدیوں کی جنگ نے دونوں سلطنتوں کو برباد و کمزور کر دیا جس سے عربوں کو موقع مل گیا۔ اور انھوں نے
بہت آسانی سے ایرانیوں اور رومیوں پر فتح پائی۔ خسرو پرویز جس کا حال ہم اوپر پڑھ چکے ہیں
نوشیرواں عادل کا پوتا تھا۔ نوشیرواں نے ۵۳۱ء سے ۵۷۹ء تک سلطنت کی تھی اس کے بعد اس کا لڑکا
ہرمزد چہارم تخت نشین ہوا جس کا زمانہ سلطنت ۵۸۹ء سے ۵۹۰ء تک ہے۔ اس کے بعد خسرو پرویز تخت
نشین ہوا جس کا زمانہ سلطنت ۵۹۰ء سے ۶۲۸ء تک ہوا۔ اس کے کچھ حالات تو ہم اوپر پڑھ

ایک شخص نے جو دل سے خسرو پرویز کا دشمن تھا۔ لیکن عداوت کو ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا۔ خسرو پرویز کے سامنے حیرہ کے بادشاہ نعمان کی بیٹی کے حسن کی بہت تعریف کی۔ اور اس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ نعمان سے اُس کی بیٹی کی خواستگاری کرے۔ وہ جانتا تھا کہ نعمان انکار کرے گا۔ کیونکہ عرب اپنی لڑکی غیر کفو میں نہیں دیا کرتے تھے۔ جس کو وہ شرافت و نجابت میں اپنے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ اور اس طرح لڑائی ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ نعمان نے انکار کر دیا۔ اور خسرو پرویز نے ایک فوج ایاس بن قبیصہ کے ماتحت نعمان کے خلاف روانہ کی۔ نعمان کو یہ خبر لگی تو وہ قبیلہ شیبانی میں چلا گیا۔ اور اس کے سردار ہانی کے پاس اپنا سارا مال و متاع امانت میں رکھدیا۔ نعمان خود خسرو پرویز کے پاس معذرت کے لئے آیا۔ لیکن خسرو پرویز نے اس کو قتل کرا دیا۔ بنو شیبان کو حکم دیا کہ نعمان کا خزانہ اسے دیدیں۔ عرب امانت کی ایمانداری کے لئے مشہور تھے۔ انھوں نے انکار کیا۔ اس پر چالیس ہزار کی فوج جس میں عرب و ایرانی شامل تھے ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کی گئی۔ ذی قار پر آخری جنگ ہوئی۔ ایرانی افواج کے سارے عرب دوسری طرف چلے گئے۔ اور ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔ ان کی ساری فوج کے ٹکڑے کر ڈالے گئے۔ یہ جنگ ذی قار اس وقت واقع ہوئی کہ جب آنحضرت کی بعثت کا شروع ہی زمانہ تھا۔ اس لڑائی کے متعلق ایک مسلمان مؤرخ کی یہ رائے ہے۔ کہ اگر ذوقار کی لڑائی نہ ہوتی۔ تو بہت ممکن تھا کہ ایران کی فتح میں مسلمانوں کو دقت کا سامنا ہوتا۔[۱۲۴] ایک انگریز مؤرخ کی رائے یہ ہے کہ اگر ذوقار کی لڑائی میں ایرانیوں کی فتح ہو جاتی تو عربوں کو ایران کی لڑائی میں بے انتہا دشواریاں پیدا ہو جاتیں اور بہت ممکن ہے کہ اسلامی سلطنت کی توسیع نہ ہوتی۔ اور وہ ختم ہو جاتی۔[۱۲۵]

---

[۱۲۴] ایران باستان مؤلفہ خلیل الرحمن صہ ۱۱۹

[۱۲۵] History of Persia by Sykes Vol I p. 522

جس طرح ہرقل کے مرنے کے بعد قسطنطنیہ میں طوائف الملوکی شروع ہوئی۔
اسی طرح مدائن میں خسرو پرویز کے مرنے کے بعد فتنے شروع ہوئے اور کئی بادشاہ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لئے تخت پر بیٹھے۔ خسرو پرویز کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا شیرویہ یا قباذ تخت نشین ہوا۔ اس نے رومیوں سے صلح کی اور مر گیا۔ پھر اس کا شیر خوار بچہ اردشیر سوم کے نام سے تخت پر بٹھا دیا گیا۔ اس کے تخت پر بیٹھتے ہی خزروں نے ترکستان اور آرمینیا پر حملہ کر دیا۔ سپہ سالار شہر براز کو شکست ہوئی۔ لیکن اس نے ہرقل کی مدد سے بچہ بادشاہ ایران کو تخت سے اتار دیا۔ اور خود بادشاہ بن گیا۔ صرف چند مہینے ہی سلطنت کی تھی کہ باغیوں نے اسے قتل کر دیا۔ ہرمز چہارم کے ایک پوتے خسرو سوم نے خراسان میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اور مدائن میں اسکی بہن پوران دخت تخت نشین ہوئی۔ اس نے صرف سترہ مہینے سلطنت کی۔ اس کے خلاف بغاوت ہوئی۔ اور وہ تخت سے اتار دی گئی۔ اس کے بعد اس کی بہن ارزمی دخت ملکہ بنی۔ دوسری طرف خسرو پرویز کے ایک پوتے ہرمز پنجم نے اپنی بادشاہت کا اعلان نصیبین (Nasibin) میں کر دیا۔ لیکن ۶۳۲ء میں سپاہیوں نے اسے تخت سے اتار کر شہریار کے بیٹے یزدگرد سوم کو تخت نشین کر دیا۔ یہ وہ ہی بادشاہِ ایران ہے جس سے عربوں کی لڑائی ہوئی۔ اس کو عربوں سے شکست کے بعد شکست ہوئی۔ بھاگ گیا۔ آخر کار ۶۵۱ء میں پکڑا گیا اور مارا گیا۔ غالباً اس دہقان نے مارا جس کے یہاں اس نے جا کر پناہ لی تھی۔ اس طرح ساسانیوں کی اس عظیم الشان سلطنت کا خاتمہ ہوا جو تقریباً تمام پرانی دنیا پر کسی زمانہ میں حاوی ہو چکی تھی۔ اور جس سے رومالوی شہنشاہ بھی لرزہ براندام تھے۔

ایران و قسطنطنیہ کی صحیح حالات معلوم ہونے سے ناظرین کو جنگہائے عرب کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اور یہ معلوم ہو سکے گا کہ عربوں کے سامنے ایسی جلدی یہ زبردست سلطنتیں کیونکر گر گئیں۔

اُس زمانہ کے یورپ و افریقہ کے حالات ہم کو معلوم ہوگئے۔ جب ہم کو رومانوی سلطنت کے حالات سے آگاہی ہوگئی۔ اور ایشیا کے حالات معلوم ہوگئے۔ جب ہمکو ایرانی حکومت کے حالات سے آگاہی ہوئی۔ کیونکہ اس زمانہ میں یہی دو سلطنتیں مہذب دنیا پر حکومت کر رہی تھیں۔ چونکہ ہم کو انگلستان و ہندوستان سے تعلق رہا ہے۔ لہذا دل چاہتا ہے کہ اسلامی تاریخ کے بیان میں ہم ان کے حالات کا بھی ذکر کریں۔ لیکن ان کا ذکر ہم آنحضرت کے سوانح حیات میں کرینگے۔ جناب فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا کے سوانح حیات میں ان کا ذکر غیر تعلق ہوگا۔ یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ عرب نے ایران و روم پر جناب فاطمہ کے حیات ہی میں حملہ کر دیا تھا۔ لیکن وہ حملہ مذہب کی تائید کے لئے نہ تھا۔ بلکہ اپنی سیاسی وجوہ و ضروریات کی بنا پر تھا۔ اور مذہب کے اصول کے خلاف تھا جس میں کافر پر بھی ظلم کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم پر بغیر اس کے قصور کے حملہ کر دینا ظلم ہے۔ خواہ وہ قوم کافر ہی کیوں نہ ہو۔ بغیر قصور کے حملہ کر دینا یہ تو امپیریلزم کی شان ہے نہ کہ اسلام کی۔

باب بست و یکم (دوم)

نمونۂ عمل

ہر ایک مذہب اور تمام حکمائے اخلاقیات نے عمل ہی کو انسانی زندگی کا ماحصل سمجھا ہے۔ یہ دنیا دار عمل ہے۔ ساری تعلیم و تربیت کا مقصد درستی عمل ہے۔ کئی مذاہب نے تو خدا کا ذکر اپنی تعلیم سے نکال کر محض عمل کو معطی نجات یا نروان سمجھا ہے۔ آج کل کے فلسفیانہ تخیل میں اس کا نام کیریکٹر یعنی کردار رکھا گیا ہے۔ اور تعلیم و تربیت کا مقصد واحد اور منتہائے آخر کیریکٹر کو قرار دیا ہے۔

صحیح عمل کیا ہے، یا یوں کہو کہ اس دنیا میں انسان کے لئے زندگی گزارنے کا

صحیح طریقہ کیا ہے۔ بہت سے حکما اور ماہر اخلاقیات نے اس عنوان پر بہت ضخیم کتابیں لکھی ہیں۔ شعرا نے بھی اپنے طرز میں اس سوال کو حل کیا ہے۔ چنانچہ حافظ فرماتے ہیں۔

آسائشِ دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است ۔۔۔ با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

ظاہر ہے کہ شاعری کے حدود کے باہر اس خیال کی تائید نہ ہوگی۔ خواہ دوستوں ہی کے ساتھ کیوں نہ ہو۔ تلطف و مدارائی بے محل ہمیشہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ مذہب کی زبان میں عملِ صحیح کا نام صراطِ مستقیم ہے۔ اور فلسفہ کی لغت میں اس کو نیکی کہتے ہیں۔ ہم چند الفاظ میں بتا دیتے ہیں کہ صراطِ مستقیم کیا ہے وہ راستہ یا طریقۂ زندگی یا عمل جس سے کسی دوسرے پر ظلم نہ ہو اس کا نام صراطِ مستقیم ہے۔ ظلم کے وہ سب معنی لئے جائیں جو قرآن شریف میں ہیں۔ قرآن شریف میں ظلم کی بہت مذمت کی گئی ہے۔ اور ظالم کو ملعونِ خدا کا لقب دیا ہے۔ ظالموں کے حق میں پیغمبر کی سفارش بھی نہ سنی جائیگی۔ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ۱۱: ۳۷۔ ظالموں کا تذکرہ بھی نہ کرو۔ یہ تو یقینی ہے کہ وہ غرق ہونگے۔ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جن کی سفارش کرنے سے پیغمبر بھی روک دئیے گئے ہیں۔ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ۴۰: ۱۸۔ قیامت کے دن ظالموں کا نہ تو کوئی دوست ہوگا اور نہ ایسا شفاعت کرنیوالا جسکی شفاعت سُنی جائے۔ وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۱۸: ۵۹۔ اگر ساری قوم ظلم کرنے لگی تو ان کی بستیاں ہلاک ہو جائیں گی۔ اور ایسا ہو چکا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۴: ۴۸۔ شرک اتنا بڑا گناہ ہے کہ سارے گناہوں کے بخشے جانے کا امکان ہے لیکن شرک کسی صورت میں نہیں بخشا جائے گا۔ کیوں شرک کیا ہے۔ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۳۱: ۱۳۔ ظلم کیا ہے۔ مال و دولت۔ حکومت۔ عزت عظمت طاقت میں جو حق جس کا ہے وہ اس کو نہ دیا جائے۔ یہی ظلم ہے۔ شرک

کیوں ظلم ہے اسلئے کہ مشرکین خدا کو اس کے درجے سے گراتے ہیں۔ جس عزت و عظمت و حکومت کے وہ لائق ہے وہ اس کو نہیں دیتے۔ خدا ساری مخلوق کا تنہا مالک ہے۔ اور سب کا انتظام وہ اکیلا ہی کرتا ہے۔ مشرکین اس کی حکومت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ تنہا انتظام نہیں کر سکتا۔ اس کے ساتھ اوروں کو ملا دیتے ہیں۔ چونکہ وہ ظلم ہے اور خدا کی ذات کے ساتھ ظلم ہے۔ لہٰذا وہ نہیں بخشا جائے گا

اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ
۱۱: ۸۵ وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ

۵۵ : ۷ ، ۸ ، ۹ ۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۵۷ : ۲۵

ان آیات کو غور سے پڑھنا چاہیئے۔ ناپ تول سے مطلب فقط کپڑے اور دال چاول کی ناپ تول نہیں ہے۔ ان کا یہ مطلب ہے کہ لوگوں کے حقوق ان کو دو۔ جو فضائل و خصائل کسی میں ہیں ان کا اعتراف کرو۔ اور ان کے مطابق ان کی تعظیم و عزت دو۔ اور ان کو ان کے مقام پر رکھو۔ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ ۔ یہ نہیں کہ کسی پر غصہ آیا۔ یا کسی اور اغراض کے لیئے اس کے فضائل کو چھپاؤ۔ اور دوسروں کو جو ان سے کم علم و فضیلت رکھتے ہیں ان پر ترجیح دو۔

عقبےٰ و دنیا کا مابہ الامتیاز یہی ہے کہ حشر میں۔ آخرت میں مطلقاً ظلم نہ ہوگا۔

اَلْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۴۰ : ۱۷

آج ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا۔ آج کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائیگا۔

دشمن کے ساتھ بھی عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ

۵ : ۸ ۔ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۵: ۲ یہ امر کہ کسی قبیلہ یا جماعت نے تم کو خانہ کعبہ میں جانے سے روکا تھا۔ تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم بھی ان کے ساتھ زیادتی کرو۔ غور تو کرو۔ قصاص میں قتل تک کردینے کی اجازت ہے لیکن ظلم کا بدلہ ظلم دینا اس کی اجازت نہیں دی گئی۔

یہ تو معلوم ہو گیا کہ صراطِ مستقیم کیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صراطِ مستقیم کس طرح ملتی ہے۔ دو طرح سے ملتی ہے۔ ایک تو بتانے سے کہ صراطِ مستقیم کیا ہے۔ وہ تو قرآن شریف نے بتا دیا اس کے مطابق تم کو اعتقاد رکھنا چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ اور لوگوں کو عمل کرتا ہوا دیکھیں تاکہ ان کی پیروی کر کے ہم بھی ویسا ہی کریں۔ یہ قرآن شریف کا کام نہیں ہے۔ اب ہادیانِ عمل کی ضرورت ہوئی۔ اور خدائے تعالےٰ نے اصول قائم کر دیا کہ جنت میں صرف وہ ہی جائیں گے جن کے اعتقاد بھی صحیح ہونگے اور عمل بھی نیک ہوں گے۔ وہ لوگ جن کے اعتقادات صحیح ہیں۔ لیکن عمل خراب ہیں یا وہ لوگ جن کے عمل نیک ہیں لیکن اعتقادات درست نہیں ہیں۔ وہ جنت میں داخل نہ ہونگے۔ جہاں جہاں جنت کے حصول کا ذکر ہے وہاں یہ فقرہ قرآن شریف میں آتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ لہذا جس طرح اعتقادات صحیح بتانے کے لیئے قرآن شریف کے نازل کرنے کی ضرورت تھی اسی طرح ہادیانِ عمل مقرر کرنے کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ بھی ہے۔ وَقَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ۶۰: ۴

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ ۶۰: ۶

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا ۔ ۲۳: ۲۱

ان آیات سے یہ اصول معلوم ہو گیا کہ عمل نیک کے لیئے پیروی ہادیانِ دین ضروری ہے۔ کتاب اللہ محض اعتقادات کے لیئے ہے۔ عمل کے لیئے قرآن ناطق

ناطق کی ضرورت ہے۔ اور حصولِ جنت کے لئے ایمان و عمل دونوں ہی شرط ہے۔
اب یہ معلوم کرنا باقی رہ گیا کہ وہ کون لوگ ہیں جن کے عمل کی پیروی ضروری ہے اور کون لوگ پیروی کر سکتے ہیں۔ جو پیروی کرنا ہی نہ چاہے یا ہادی دین کی پیروی کو ضروری نہ سمجھے وہ کیا پیروی کرے گا۔ لہذا معلوم ہوا کہ رسول کا اسوۂ حسنہ ان لوگوں کے لئے نفع بخش ہے (۱) جو خدا کے اوپر اعتقادِ کامل رکھتے ہیں اور اس کے وعدوں پر امید پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ (۲) قیامت پر ایمان ہے۔ اور (۳) خدا کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتے ہیں۔ اکثر سننے میں آیا ہے کہ اگر تم یہ خیال کرو گے کہ جناب رسولخدا کے تمام صحابہ اسوۂ رسول میں رنگے ہوئے اور لائق پیروی نہ تھے۔ تو رسولخدا پر یہ الزام آئے گا کہ ان کی تعلیم و صحبت میں اثر نہ تھا۔ غالباً یہ بزرگوار ملائکہ و قرب خدا پر یہی اعتراض کرتے ہیں کیونکہ یہ تو مسلم ہے کہ ابلیس باوجود اس دیرینہ صحبت و قرب کے ابلیس ہی رہا۔ بہر صورت یہ آیات اس حسنِ اعتقاد کی پوری تردید کرتی ہیں۔ کامل ایمان والوں ہی کو اسوۂ رسول نفع دے سکتا تھا۔ جن کا ایمان کامل نہ تھا۔ ان کو صحبتِ رسول نے کچھ فائدہ نہ بخشا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جن کے عمل کی پیروی ضروری ہے۔ ایک صاحب نے دو قرآن کا تخیل قرآن صامت و قرآن ناطق کے جملے سے لیکر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے دو قرآن۔ اس سے اتنا تو ثابت ہوا کہ دو قرآن ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان بزرگ نے دوسرا قرآن اونٹ، مچھر، چیونٹی کو سمجھا ہے۔ اور ان چیزوں سے معرفتِ الٰہی حاصل کرنے کی ہدایت لوگوں کو دیتے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ غور و فکر کرنے والوں کے لئے صحیفۂ فطرت میں بہت سے سبق ملتے ہیں۔ لیکن صحیفۂ فطرت بھی کتاب صامت ہے۔ فرض کرو زید کو اس کے دوستوں نے دھوکہ دیا یا حکومت کی طرف سے اس پر جور ہوا۔ رشتہ داروں نے زبردستی کی۔ یا موت نے اس سے اس کا پیارا لڑکا چھین لیا۔ لوگوں نے اس کی جائداد

غضب کر لی۔ زید سوچتا ہے کہ میں کیا طرز عمل اختیار کروں جب مصائب چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ ان میں بسر کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے بعض دفعہ یہ بھی خیال آجاتا ہے کہ شاید خدا ہی نہیں۔ ورنہ اگر وہ قادر مطلق، حکیم مطلق، ارحم الرحمین ہوتا تو مجھ اکیلے پر اتنے مصائب نہ پڑتے۔ اب فرمائیے کہ ان حالات کے اندر وہ صحیح طریقہ عمل اونٹ سے جاکر پوچھے یا چیونٹی سے۔ مصائب کے اندر صبر کی مثال زنبور، سیناہ میں دیکھے یا عنکبوت میں۔ حیرت ہے کہ دوسرا قرآن اونٹ و مکڑی و چیونٹی تک کو ماننے کیلئے تیار رہیں لیکن جس کو رسول خدا نے قرآن کا ساتھی دوسرا قرآن کہا تھا یعنی عترت رسول اس کو نہیں مانیں گے۔ آلِ رسول سے اعراض کرنیکا جو سبق شروع میں پڑھا تھا ابھی تک ذہن سے نہیں اترا ہم ایک واقعہ سناتے ہیں حضرت امام ابو حنیفہ جناب امام جعفر صادق سے ملنے گئے۔ جناب امام جعفر کے ہاتھ میں عصا تھا جو ان کے قد کی مناسبت سے لمبا تھا ابو حنیفہ نے کہا کہ آپ نے یہ ناموزوں عصا رکھا ہوا ہے۔ امام نے فرمایا کہ یہ جناب رسولخدا کا عصا ہے۔ یہ سنتے ہی امام ابو حنیفہ اس عصا کو چومنے لگے۔ امام جعفر نے فرمایا کہ میرا گوشت پوست و بال جناب رسولخدا کے ہیں ان کو بوسہ نہیں دیتے اور اس لکڑی کی یہ تعظیم کر رہے ہو۔

اس سوال پر غور کرنیکے لئے کہ ہادی عمل کون ہے پہلے یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ ہادی عمل کیسا ہونا چاہیئے اول تو یہ ضروری ہے کہ ہادی خود ہر ایک نقص و گناہ سے مبرا ہونا چاہیئے ورنہ انگریزی کی مثل صادق آئے گی۔ (Blind leading the blind) اندھا کیا اندھے کا ہاتھ پکڑیگا۔ ظلم کا شائبہ نہ ہونا چاہیئے ورنہ وہ کسی صورت میں ہادی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کیلئے امامت کی درخواست کی تو جواب ملا۔ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ عہدۂ امامت ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔ یہاں ایک بات قابل غور ہے۔ دنیا اسطرح کی قائم ہوئی ہے کہ یہاں انسان دو حالتوں میں سے ایک حالت اختیار کرنے پر مجبور ہے۔ یا تو خود ظالم بنے یا مظلوم بنے۔ چنانچہ عالمگیر کو اپنے بھائیوں پر لورش کرنے اور ان کو قتل کرنے کے الزام سے بری کرتے ہوئے مولوی شبلی لکھتے ہیں کہ حالت یہ تھی کہ یا تو عالمگیر خود اپنا قتل ہونا پسند کرتا یا اپنے بھائیوں کو قتل کرتا۔ اسنے دوسرے طریقہ کو پسند کیا۔ خود قتل ہونیکے لئے بڑا جگرا چاہیئے۔ ہٹلر کی کامیابی کا راز ہی یہ تھا کہ قبل اسکے

کہ فریق ثانی کو معلوم ہو کہ ہٹلر میرا دشمن ہے ہٹلر کی تلوار اسکے سر پر پڑ جاتی تھی۔ فوجی نقطہ نگاہ سے یہ بہت مفید ترکیب تھی۔ ہٹلر دشمن کے ملک میں بہت دور چلا جاتا تھا قبل اس کے کہ وہ دشمن اس کے روکنے کی ترکیب سوچ Undeclared war کا طریقہ جو رائج ہے وہ اس ہی اصول پر مبنی ہے۔ اخلاقیات کا جہاں تک تعلق ہے یہ لوگ اس طرح بحث کرتے ہیں کہ ہمیں قرائن اور واقعات سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ ہماری مخالفت کرے گا۔ لہٰذا ہم نے اس کو یہ موقع ہی نہیں دیا۔ قَتْلُ الْمُوْذِی قَبْلَ الْاِیْذَا ان لوگوں میں مسلمہ اصول ہے۔ لیکن ہمارا دین کا درجہ اس سے بلند ہے ان کے نزدیک قَتْلُ الْمُوْذِی قَبْلَ الْاِیْذَا کا اصول صرف زہریلے اور خطرناک جانوروں تک ہی محدود ہے۔ انسانوں پر حاوی نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اپنے قیاس سے کسی کو ملزم نہیں بنا سکتے۔ انصافاً جرم سے پہلے جرم کی سزا نہیں دے سکتے۔ کیونکہ یہ امکان بہر صورت باقی رہتا ہے۔ کہ شاید آخری وقت میں اس کا ارادہ بدل جاتا - اور وہ جرم نہ کرتا۔ بشری فطرت کی رو سے حضرت یعقوب کا گمان غالب یہ ہو سکتا تھا کہ حضرت یوسف کو ان کے بھائیوں نے قتل کر دیا ہے۔ لیکن ان کے قتل کی سزا نہیں دی اور اپنے گمان پر عمل نہیں کیا۔ چنانچہ وہ گمان غلط ثابت ہوا۔ حضرت علی کو معلوم تھا کہ ابن ملجم ان کو قتل کرے گا۔ روایاتِ صحیحہ سے پایا جاتا ہے کہ حضرت علی نے جب کئی دفعہ ابن ملجم سے کہا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ تو اپنے ہاتھ میرے خون سے رنگین کریگا۔ تو ابن ملجم نے کہا کہ اگر یہ ہے تو آپ مجھکو پہلے ہی سے قتل کیوں نہیں کر دیتے فرمایا کہ جرم سے پہلے سزا نہیں دیجاتی۔ لڑائیوں میں فوجیں سامنے کھڑی ہیں۔ یقین ہے کہ لڑائی ہوگی۔ لیکن ان بزرگوں نے کبھی پہلے حملہ نہیں کیا جب تک کہ پہلا تیر دشمن کی طرف سے نہ آگیا۔ مسلم بن عقیل ہانی کے گھر میں ہیں۔ وہاں شریک ابن اعور جو شیعہ تھے آنکر ٹھہرے۔ اور بیمار پڑ گئے۔ یہ بہت بارسوخ آدمی تھے۔ اور ابن زیاد ان کی بہت عزت کرتا تھا۔ اس نے کہلا بھیجا کہ میں شام کو

تمہاری عیادت کو آؤں گا۔ شریک ابن اعور نے مسلم کو پردے کے پیچھے چھپا دیا۔ اور کہا کہ جب عبید اللہ ابن زیاد آجائے گا۔ میرے پاس بیٹھے گا تو میں پانی مانگوں گا تم فوراً آنکر قتل کر دینا۔ چنانچہ ابن زیاد آیا۔ شریک ابن اعور نے کئی دفعہ پانی مانگا۔ پھر اشعار بھی پڑھے جن میں اپنی محبوبہ کو آنے کی تاکید کی تھی۔ اشارہ یہ تھا کہ مسلم آن کر قتل کر دیں۔ وہ نہ نکلے ابن زیاد چلا گیا۔ شریک ابن اعور نے مسلم سے پوچھا کہ تم نے کیوں نہ اسے قتل کیا۔ انھوں نے کہا کہ حضرت علی فرمایا کرتے تھے کہ دھوکہ سے قتل کرنا ہمارے مذہب کے خلاف ہے۔ اور جائز نہیں۔ لہذا میں نے اسے قتل نہیں کیا۔ دیکھیے خود مظلوم بننا گوارا کیا۔ ظالم نہ بنے۔ اگر اس وقت عبید اللہ ابن زیاد کو قتل کر ڈالتے تو کربلا کا نقشہ ہی بدل جاتا۔

لہذا ہادی عمل کی ایک شناخت یہ بھی ہوتی کہ اگر واقعات ایسے ہو جائیں کہ یا ظالم بنو یا مظلوم تو وہ مظلوم ہونا پسند کرے۔ ظالم نہ بنے۔

حکماء بنی نوع انسان کا یہ متفقہ فیصلہ ہے اور ہمارا روز کا مشاہدہ ہے کہ دنیا میں رنج و آلام و مصائب بہت زیادہ ہیں۔ کامل خوشی تو معدوم ہے۔ اور اگرچہ راحت ہے تو بہت قلیل آدمیوں میں نہایت قلیل عرصہ کے لیے ہے اور انجام کار ہر ایک کا رنج پر منتج ہوتا ہے۔ جس نے موت کا نظارہ دیکھا ہے اس کا غور سے مشاہدہ کیا ہے وہ ہماری اس رائے سے متفق ہوگا۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں　　موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

دنیا کی اس حالت کے مطابق دنیا کے حکماء نے اپنا اپنا نصاب فلسفہ قائم کیا۔ ایک فرقہ نے تو یہ کہا کہ جب دنیا کی یہ حالت ہے اور موت سر پر کھڑی ہے تو جتنا بھی وقفہ ملے وہ عیش و عشرت میں گزارنا چاہیئے۔ اس فلسفہ کو Epicureanism کہتے ہیں۔ اس کو یونان کے فلاسفر Epicurus نے جاری کیا تھا۔

اس کے مخالف دوسری جماعت ہے جو کہتی ہے کہ جو وقفہ ملتا ہے وہ بھی رنج سے خالی نہیں ہوتا۔ لہذا اس دنیا میں خوش رہنا اور اس زندگی کی تمنا کرنا بے سود ہے

انسان کو چاہیئے کہ اپنے جذبات کو بالکل مار دے۔ اس فلسفہ کا نام Stoicism ہے۔ اس کو یونان کے فلسفی Zeno نے ۳۰۰ق م میں پھیلایا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ دنیا میں مادہ کے سوا کچھ نہیں۔ جسم کے ساتھ روح بھی مر جاتی ہے۔

یہ دونوں فلسفے حشر و نشر و حیات بعد ممات کے قائل نہ تھے۔ لہٰذا یہ مجبور تھے کہ انسان کی حیات کو دنیا ہی کی زندگی تک منحصر رکھیں اور انسان کو ایسے طرز عمل کی تعلیم دیں جو محض دنیا ہی کی زندگی تک محدود ہو۔ دنیا کی بے ثباتی اور اس کے رنج و غم نے ان کے دماغ کو دو متضاد راستوں پر ڈالا۔ یا اور اگر انکے نقطۂ نگاہ سے بحث کیجائے تو دونوں درست تھے جب حساب کتاب نہیں، حشر و نشر نہیں۔ یہی دنیا ہے تو کیوں نہ اسکے ہر لطف سے بہرہ اندوز ہوں۔ ایک تو یہ بحث ہوئی، دوسری بحث یہ ہے کہ دنیا کا جو لطف و مزا ہوگا وہ ہیچ ہوگا، کیونکہ اسکو قیام نہیں۔ اور اسکے ساتھ ہی رنج کی آمیزش ہے۔ لہٰذا ایسی شے سے سروکار رکھنا بے سود ہے۔ چونکہ یہ دو متضاد بحثیں ہیں اور عقل انسانی کی رو سے دونوں صحیح معلوم ہوتی ہیں۔ اور حق محض ایک ہوتا ہے تو نتیجہ نکلا کہ جس اصول پر یہ دونوں بحثیں قائم ہیں وہ غلط ہے۔ یہ دونوں بحثیں اس اصول پر قائم ہیں کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی نہیں۔ لہٰذا وہ اصول غلط ثابت ہوا۔ باطل ہے حق نہیں ہے۔ اب عیسائیت آئی عیسائیت حیات بعد ممات کی قائل ہے لیکن حضرت عیسیٰ کو اتنا موقع نہ ملا کہ وہ اپنے مذہب کے اصول کو اپنے جانشینوں کے دل میں راسخ کرتے۔ ان کے بعد جو مذہب عیسائیت کے استاد آئے وہ سب یونانی فلسفہ سے متاثر ہوئے۔ اور انھوں نے ان دونوں فلسفوں کو اپنے مذہب میں لے لیا۔ جذبات کو انھوں نے یہاں تک مارنے کی کوشش کی کہ عورت کو ایک بلا سمجھا۔ اس کا سایہ گناہ پیدا کرتا ہے۔ اس سے بچنا ہی نجات کا باعث ہے۔ لہٰذا انھوں نے تعلیم دی کہ مذہبی رہنماؤں کو شادی نہ کرنا چاہیئے۔ اور کنوارا ہی رہنا چاہیئے ان کی خانقاہیں تعمیر ہوئیں۔ کنوارے مرد اور کنواری عورتیں علیحدہ علیحدہ خانقاہوں میں رہنے لگے۔ یہاں تک Stoicism کا اثر تھا۔ لیکن چونکہ یہ خلاف فطرت تھا۔ اتنے خفیہ تعلقات مرد اور عورتوں کے ہونے لگے کہ ان کی خانقاہیں بدنام

ہونے لگیں۔ انھوں نے سال میں ایک دفعہ موسم بہار میں مرد و عورتوں کا ایک مشترکہ جشن قائم کیا۔ جس میں یہ خوب شراب پیتے تھے۔ ناچتے تھے، گاتے تھے۔ اور جب رات کے بارہ بجتے تھے تو فوراً سب چراغ گل کر دیئے جاتے تھے۔ اور جو عورت جس مرد کے ہاتھ آتی تھی خواہ وہ اس کی بہن ہو یا ماں ہو وہ اس سے مباشرت کرتا تھا۔ یہ جشن انھوں نے یونان سے لیا تھا جس کو Bacchanalia کہتے تھے افلاطون کہتا ہے کہ میں نے ان جشنوں کے موقعوں پر اتھنز کے ہر ایک متنفس کو شراب سے مخمور پایا۔ انسانی مصائب و آرام کو کس نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ اور اس میں انسان کا کیا طرز عمل ہونا چاہیئے۔ دنیا اس مسئلے کو ابھی تک صحیح طریقے سے حل نہ کر سکی۔ اب اسلام آتا ہے۔ اس نے حشر و نشر کی نہایت سختی سے تعلیم دی اور دنیا کو مزرعہ آخرت قرار دیا۔ دنیا کی کوئی حیثیت ہی نہیں، بالکل ہیچ ہے اگر آخرت پر ایمان نہ ہو اور دنیا کو مزرعہ آخرت نہ سمجھا جائے۔ اور دنیا سب کچھ ہے اگر آخرت پر ایمان ہے اور دنیا کو مزرعِ آخرت سمجھا جاتا ہے۔ دیکھئے وہ معمہ جس کو یونانی حکماء حل نہ کر سکے۔ عرب کے ایک امی نبی نے کیسی خوبصورتی سے حل کر دیا۔ عمل کی بھی تعلیم دی کہ مصائب میں صبر کرو۔ ہر حالت میں خدا کو قادر مطلق و عادل سمجھو۔ آخر کار تم پر مثقال ذرے کے برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ حشر میں ایسا میزان عادل قائم رکھا جائے گا۔ کہ ظالم سے ذرہ ذرہ ظلم کا بدلہ دلا دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ان مصائب کو ایمان کا محک امتحان قرار دیا گیا۔ یہ نہ سمجھو کہ تم نے کہدیا کہ ہم مسلمان ہیں اور تم مومن سمجھے گئے۔ ہم نے پہلی امتوں کا بھی امتحان لیا ہے۔ تمہارا بھی امتحان لیں گے۔ کس چیز سے۔ بھوک سے، مال و جان کے نقصان سے۔ ثمرات کے نقصان سے۔ اور جو صبر کریگا۔ اس کو اے رسول بشارت دیدے۔ کیسا صبر۔ مصیبت کے وقت اس کا ایمان متزلزل نہ ہو اور وہ فوراً دل سے کہدے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ہم اور ہماری زندگی خدا کے لیئے ہیں اور آخر کار ہم اس کی ہی طرف عود کریں گے۔

یہ تو تعلیم تھی۔ عقائد تک محدود تھی۔ طریقہ بتا دیا گیا۔ یہ بتا دیا گیا کہ صبر کس طرح

حالت کے ساتھ ہونا چاہیئے مصیبت پڑتی ہے۔ جب کوئی چارہ نہیں تو برداشت کرنی ہی پڑتی ہے۔ وہ صبر نہیں ہے۔ صبر یہ ہے کہ ہر حال میں خدا کو خدا سمجھے۔ خوشی سے برداشت کرے۔ خدا کو عادل سمجھ کر برداشت کرے۔ اور کوئی ایسا فعل نہ کرے جو ایمان کامل کے خلاف ہو۔ عمل کرکے دکھانا ضروری تھا۔ وہ کون کرے، وہ ہادیان دین ائمہ اسلام کریں، وہ کیسے ہونے چاہیئیں۔ یہ ضروری ہے کہ وہ ایسے ہوں کہ جن پر ہر قسم کی مصیبت جو انسان پر پڑ سکتی ہے پڑے۔ مصیبت کا کوئی شعبہ غم کی کوئی قسم باقی نہ رہ جائے۔ تاکہ ہر شخص اپنی مصیبت میں ان کی ویسی ہی مصیبت سے سبق حاصل کرے اور ان کے صبر کو دیکھکر اس کا دل صبر کی طرف مائل ہو۔ اسلام کی قیامت تک آنیوالی نسلوں کا ہادی اور رہنما بننا آسان کام نہیں۔ اور اس لپٹہ میں سے گزرنا ہر ایک کی بس کی بات نہیں۔ بقولِ شاعر

جوہرِ جامِ جم از طینتِ کانِ دگر ست
تو توقع زگِلِ کوزہ گراں می داری

لہذا ہادیان دین میں یہ نمایاں خصوصیت ہونی چاہیئے جس سے ان کی شناخت ہو سکے کہ ان پر دنیا کی ہر قسم کی مصائب پڑیں تاکہ

(۱) ان کے صبر سے لوگ صبر کرنا سیکھیں اور انکی مثال زیر نظر رکھ کر کسی مصیبت میں مضطرب و مجنوں نہ ہو جائیں۔ جب اپنے اوپر مصیبت پڑے تو یہ خیال کرکے دل کو تسلی دے لیں کہ ہمارے ہادیان اور اماموں پر اس سے زیادہ مصیبت پڑی ہے۔

(۲) ان کے صبر اور استقلال مزاج سے لوگوں پر ان کا درجہ عیاں ہو جائے

(۳) چونکہ مصیبت کو خداوند تعالےٰ نے ایمان کے لئے محک امتحان قرار دیا ہے لہذا ان کی مصیبت کی وجہ سے ان کے ایمان کا درجہ معلوم ہو جائے۔

(۴) لوگوں کو سبق حاصل ہو جائے کہ مصیبت کے اندر کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے۔ ظالم سے کس حد تک اس کے ظلم کا بدلہ لیا جائے۔ کب خاموش

ہو جانا چاہیئے۔ خدا کے عدل اور حشر و نشر کا اعتقاد کسی صورت میں متزلزل ہونا چاہیئے اور بھی ہادیان دین کی شناخت کے طریقے ہیں۔ ان کا علم، درجہ، ایمان و یقین زہد و عبادت، ریاضت اپنے زمانے کے ہر ایک شخص سے زیادہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ وہ اپنے سے زیادہ علم و ایمان و عمل والے کے امام نہیں بن سکتے۔

ان امور و شرائط کو مدنظر رکھ کر صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ اسلام میں آنحضرت کے بعد ہادیان علم و عمل کون تھے۔ قرآن و حدیث سے تو بارہا ثابت ہو چکا ہے اور ہم اپنی تصنیفات میں اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں کہ ہادیان اسلام کون تھے۔ یہاں از سر نو ان باتوں کو دہرانے سے طوالت ہو گی۔ ان کو جانے دو اور جو کچھ ان کے سوانح حیات سے ثابت ہوتا ہے اس پر تو غور کرو وہ تو اٹل ناقابلِ انکار حقائق ہیں۔ ان سے دیکھو کیا ظاہر ہوتا ہے۔ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ اس طرح کسی بحث کی گنجائش باقی نہیں رہتی انکے سوانح حیات کے تذکرہ کیلئے بھی ایک دفتر چاہیئے لیکن ہم یہاں اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اس پر نظر غائر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالےٰ نے ایک سلسلہ ہادیان دین کا آنحضرت سے لیکر آپ کی عترت میں آپ کے ہمنام فرزند تک قائم کر دیا۔

جناب رسولخدا نے اپنی آغوش میں حضرت علی کو پالا۔ اور خود تعلیم دی۔ سب سے پہلے علی ایمان لا۔ دعوتِ ذی العشیرہ کے موقع پر دعوت رسول کی سوائے علی کے کسی اور نے لبیک نہ کہی۔ اور علی نے جو وعدہ اس دن کیا تھا اسے آخر عمر تک نبھایا۔ شب ہجرت حضرت علی نے صرف ایک سوال کیا کہ کیا میرے یہاں سونے سے آپ کی جان بچ جائے گی۔ جناب رسولخدا نے کہا کہ ہاں۔ علی نے سجدہ شکر کیا اور پھر اطمینان سے سو گئے۔ پھر دوسرا سوال نہیں کیا۔ اور اپنی جان کا خیال تک نہ کیا۔ یہ نہیں کہا کہ میری جان کو تو کوئی خطرہ نہیں پہنچے گا۔ شروع سے آخر تک کسی جنگ میں راہِ فرار اختیار نہ کی۔ جب سب بھاگ گئے تو تن تنہا رسول کی حفاظت کی۔ ان سب امور سے حبِ رسول

اور قوتِ ایمان و یقین کا ثبوت ملتا ہے۔ خدا کی عقل پر یقین تھا حشر و نشر پر یقین تھا۔ آخرت کی زندگی پر ایسا ہی یقین تھا جیسا کہ اس دنیا کی زندگی پر پھر جان بچا کر میدانِ جنگ سے کیوں بھاگتے۔ وفاداری کی حد ہوگئی۔ جنازہ رسول کو چھوڑنا پسند نہ کیا۔ حکومت پر لات ماردی۔ اسلام کے تحفظ کا ہمیشہ خیال رہا۔ اسلام کے مٹ جانے کے خیال سے اپنے حقوق چھوڑ دیئے۔ تلوار نہ اٹھائی۔ بہت سے واقعات ہیں۔ ہم کن کن کا ذکر کریں۔ امام حسن نے جب دیکھا کہ اب معاملہ ذاتیات پر آپڑا مزید لڑائی سے اسلام و مسلمانوں کا خطرہ ہے فوراً دامن کو حکومت سے جھاڑ کر علیحدہ کھڑے ہوگئے۔ دیکھ لیا کہ اب یہ حکومت رکھنے کے قابل نہیں۔ امام حسین نے جو کیا اس کے سب قائل ہیں ساری تکالیف اٹھائیں۔ گھر لٹا دیا۔ یزید سے بیعت نہ کی۔ جب ہی تو لوگ معترف ہوئے کہ

سرداد و نداد دست در دستِ یزید
واللہ کہ بنائے لا الہ ہست حسین

حسین کفر سے آخری جہاد کر گئے تھے۔ لہٰذا ان کے بعد جو ائمہ آئے ان کے لیئے جہاد کا موقع نہیں رہا تھا۔ لیکن انھوں نے کسی امامِ جور کی بیعت نہیں کی اور نہ کسی بادشاہ نے ان سے بیعت طلب کی اور سب سے بڑی بات جو ہے وہ یہ ہے کہ باوجود حالات مخالف ہونے کے انھوں نے تعلیم اسلام کو جاری رکھا ان میں سے ہر ایک کا دروازہ ہدایت کے لیئے کھلا رہتا تھا اور وہ مرجع خلائق تھے۔ اس علانیہ دلیرانہ تعلیم اسلام کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ ہر ایک بادشاہ ان سے خائف رہتا تھا اور ان کا مخالف تھا۔ ان میں سے کوئی اپنی موت نہیں مرا ہر ایک کو بادشاہ وقت نے کسی نہ کسی طرح قتل کیا۔ انھوں نے قتل و قید خانہ کے مصائب برداشت کیئے لیکن تعلیم رسول کو نہ چھوڑا۔ جو ہدایت کا درجہ جناب رسول خدا ان کے لیئے مقرر کر گئے تھے۔ اس پر قائم رہے۔ اپنی جگہ کو نہ چھوڑا

کیا کہیں اور ایسی مثالیں مل سکتی ہیں۔ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ اس طریقہ کو چھوڑ کر بادشاہِ وقت کے دستر خوان پر جا پہنچتے۔ اور اس کے مصاحب بن جاتے۔ وہ بھی وظیفہ مقرر کر کے ان کو نہایت خوشی کے ساتھ اپنا غلام بنا لیتا۔ وہ اپنی سلطنت کی طرف سے مطمئن ہو جاتا۔ اور یہ اپنے جان و مال و آزادی کی طرف سے۔ دنیاوی ثروت و عروج کا زمانہ تھا بہت مزے سے زندگی گزرتی لیکن انہوں نے جانشینیٔ رسول کو مصاحبت بادشاہ پر اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دے کر ثابت کر دیا کہ جو پیغام ان کے جد بزرگوار لائے تھے۔ وہ واقعی حق پر مبنی تھا۔ اور یہ اس ہی سلسلے کی ایک کڑی تھی جو حضرت آدم سے شروع ہو کر حضرت شیث و نوح و ابراہیم و موسیٰ سے ہوتا ہوا اب تک حضرت عیسیٰ تک پہنچا تھا۔ ورنہ ایک شخص کا اتفاقاً صاحب قابلیت ہونا اور خدا کی طرف رجحان رکھنا ایک طویل سلسلے کو نہیں ثابت کرتا۔

یہ تعلیم مکمل نہ ہوتی اگر اس سلسلہ میں کوئی عورت نہ ہوتی۔ کیونکہ مرد اور عورت کے فرائض میں ذرا سا اختلاف ہے۔ جناب رسولخدا نے مباہلے کے دن اپنے ساتھ اپنی دختر جناب فاطمہ کو ساتھ لے کر دنیا کو یہ بتا دیا کہ ان کی عترت میں عورتیں بھی ہادی ہوتی ہیں۔ اب تک عورتوں میں صرف حضرت مریم ہی کا ذکر آیا تھا۔ لیکن ان کے سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بچے کو پالنے اور عبادت الٰہی کرنے کے علاوہ انھیں کسی اور فرض کے ادا کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ کی اُمّت مغالطہ میں پڑ گئی۔ اور انھوں نے دنیا کو تعلیم دینی شروع کی۔ کہ عورت میں روح نہیں ہوتی۔ یہ جنت میں جانے کے قابل نہیں۔ یہ ابلیسی سانپ کی ساتھی ہے۔ بدی مجسم ہے۔ اس میں خود نیکی نہیں۔ اور جو اس سے تعلق رکھے وہ بھی نیکی سے دور ہو جاتا ہے۔ عبادت کے لئے یہ سمّ قاتل ہے۔ غرضکہ جو جو صفات و خصائل بد انھوں نے شیطان کی طرف منسوب کیئے وہ ہی عورت کی طرف منسوب کر دیئے۔ یقیناً یہ تعلیم خداوند تعالےٰ کی حکمت صنعت خلاقی کے اوپر ایک

الزام عائد کرتی تھی کہ اسنے ایسی بری شئے پیدا کرنے میں معاذ اللہ غلطی کی۔ اسلام کا فرض ہوا کہ وہ اس خیال کی تردید کرے۔ اور جناب رسولخدا نے بتایا کہ یہی نہیں کہ عورت نیکی کا فرشتہ بن سکتی ہے بلکہ کار نبوت میں شرکت کر سکتی ہے اور امت کے لئے ہادی ہو سکتی ہے۔

ان ہادیان دین کے سوانح حیات انسان کے لئے مکمل درس ہدایت پیش کرتے ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ جناب فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا کے سوانح حیات سے ہم کیا سبق لے سکتے ہیں۔ آپ کو مصائب و آلام دنیا سے حصۂ وافر ملا۔ چنانچہ آپ خود فرماتی ہیں کہ صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّهَا صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

اب غور سے دیکھئے کہ ایسے مصائب و آلام کے اندر جناب فاطمہ نے اپنی زندگی کس طرح گزاری۔ ان کی طرز رہائش کو ایک مسلمان عورت کے مندرجہ ذیل فرائض کی نسبت سے دیکھا جائے گا۔

(ا) عورت کے حقوق

(ب) عورت کے فرائض۔

(ج) عورت کا تعلق امور خانہ داری سے

(د) اس کا طرز عمل خاوند سے

(ہ) اس کا طرز عمل اولاد سے

(و) حقوق اللہ کی ادائیگی

(ز) حقوق العباد کی نگہداشت

اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ موجودہ مسلمان عورت کا طرز رہائش کیا ہے اور جناب فاطمہ کے طرز رہائش کو مد نظر رکھکر اسے کہاں کہاں اصلاح کی ضرورت ہے

(ا) عورت کے حقوق (ب) عورت کے فرائض۔

عورت کے علیحدہ حقوق و فرائض اس کی ازدواجی زندگی سے شروع ہوتے

ہیں۔ جب تک وہ اپنے والدین کے گھر میں رہتی ہے اس کے وہی حقوق و فرائض ہوتے ہیں جو اولاد نرینہ کے ہوتے ہیں۔ فقہ اسلام میں حقوق و فرائض وابستہ ہیں۔ کوئی حق نہیں جس کے ساتھ فرض نہ لگا ہو۔ اور کوئی فرض نہیں جس کے لیے حق نہ ہو۔ یہاں تک کہ جب رسول کو اجازت دی گئی کہ تم لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرو۔ تو ان پر یہ فرض بھی عائد کیا گیا کہ تم ان کے لیئے دعا مانگو تاکہ تمہاری دعا سے یہ فائدہ اٹھائیں

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۹: ۱۰۳ عقل کا بھی یہی تقاضا ہے کہ فرائض و حقوق وابستہ ہوں۔ محبت دائمی کے لیئے بھی یہ ضروری ہے۔ ورنہ سارے حقوق ایک طرف ہوں اور سارے فرائض دوسری طرف تو جس کے ذمہ تمام فرائض ہیں وہ اس سے کبھی محبت نہ کرے گا۔ جو اپنے حقوق ہی لینا جانتا ہے اور اپنے فرائض کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ دو فریقین میں جو کمزور ہے پہلے اس کا حق ادا کیا جائے گا اس کے بعد اس سے اس کی فرض کی ادائیگی کا تقاضا کیا جائے گا۔ عورت کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے جسم کو اپنے خاوند کے لیئے پیش کرے۔ لیکن فقہ اسلام نے اس کے لیئے یہ شرط رکھی ہے کہ پہلے اس کا حق یعنی مہر ادا کر دو۔ تب اس سے اس فرض کی ادائیگی کا مطالبہ کرو۔

ازدواجی زندگی میں سب سے پہلا حق عورت کا یہ ہے کہ اس کا خاوند اسکے لیئے گھر مہیا کرے جس گھر کی وہ مالکہ مطلق ہو۔ سوائے خاوند کے اس گھر میں اس کا کوئی حاکم نہیں ہے اگر اس گھر میں اس کا کوئی حاکم ہوا جس کے زیر دست وہ رکھی جاتی ہے تو اس سے تین نہایت بڑی خرابیاں پیدا ہونگی۔ اول تو یہ کہ وہ اولاد کی تربیت اچھی طرح نہ کر سکے گی۔ اولاد کی تربیت کے لیئے یہ ضروری ہے کہ ان کو تادیب کرنے والے کے اوپر دوسرا حاکم نہ ہو۔ ورنہ اولاد میں نافرمانی کا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔ تادیب میں سختی کا ہونا ضروری ہے۔ اور بچے اس

سختی کے خلاف اپنی والدہ کے گھر انکی طرف رجوع کریگی۔ اور ماں کو بھی ڈر رہے گا کہ اگر میں نے سختی کی تو ان بچوں کی محبت مجھ سے منقطع ہو کر ان کی دادی اور پھپھی کی طرف چلی جائے گی۔ اور وہ بچوں کو اپنا کریں گی۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ اس عورت کو اس گھر سے نہ محبت ہوگی اور نہ دلچسپی۔ جب گھر میں وہ اپنے تئیں آزاد نہیں پاتی، جانتی ہے کہ یہاں ہر وقت مجھ پر نکتہ چینی ہوتی رہتی ہے میری برائیاں نکالنے کے سب در پے ہیں۔ میری حسن تدبیر و حسن انتظام کی تعریف کرنیوالا کوئی نہیں، نہ میں اپنی مرضی کا کھا سکتی ہوں، نہ میں اپنی مرضی کا پہن سکتی ہوں، ہمیشہ یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ خاوند کے دل کو مجھ سے پھیرنے والے بہت ہیں۔ میرے ہنروں کو چھپاتے ہیں۔ اور میرے عیبوں کو دس گنا اضافہ کرکے میرے خاوند سے بیان کرتے ہیں۔ اگر خاوند نے ذرا سی بات بھی غصہ کی تو وہ قدرتاً یہی سمجھے گی کہ یہ میری ساس نندوں کے لگانے کا اثر ہے۔ ایسے گھر کو اگر وہ قید خانہ نہ سمجھے تو کیا سمجھے اور ایسے گھر سے محبت ہوتی تو بالکل ہی ناممکن ہے۔ مسلمانوں میں یہ لعنت ہندو بھی خاندان مشترکہ کی تقلید آئی۔ پرانے زمانے کے بنے ہوئے گیت جو لڑکیاں برسات میں جھولا جھولتے ہوئے گاتی ہیں وہ انکی طرز رہائش پر اچھی روشنی ڈالتے ہیں۔ اکثر گیتوں میں ساس اور نندوں کے ظلموں کا ذکر ہوتا ہے اور ان سے نجات پانیکی تمنا۔ جن ظالموں کے ظلم کی یہ انتہا ہے کہ خاوند کے مرتے ہی عورت کو زندہ جلا دو۔ نہ اس کی اولاد کا خیال کرو اور نہ اسکی زندگی کا اون کے اس انتہا سے پہلے کے ظلم کا قیاس بھی اسی پر کر لو۔ خاوند کی زندگی ہی میں وہ کیا اس کو آرام دیتے ہوں گے۔ میری برائی اس طرز رہائش میں یہ ہے کہ عورت ہمیشہ رنجیدہ رہیگی۔ دل جلتا رہیگا۔ ساس نندوں کے طعنے سنتے سنتے زندگی سے بیزار ہو جائے گی ع آزردہ دل آزردہ کند انجمنے را۔ ایسی عورت اپنے خاوند کو کیونکر خوش رکھ سکتی ہے۔ خاوند باہر سے آئے گا اس امر کا متمنی ہوگا کہ گھر میں مجھے ایک ہنستا ہوا پھول نظر آئے جو میری دن بھر کی کوفت کو زائل کردے۔ لیکن جب وہ گھر میں آتا ہے تو سب سے پہلے

ماں بہنوں کی شکایتیں سنتا ہے۔ عورت کو دیکھتا ہے کہ کونے میں بیٹھی ہوئی رو رہی ہے اس کو اپنی زندگی وبال جان نظر آتی ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے یہ سبق بہت جلدی یاد کر لیا۔ اور اپنے رسول کی تعلیم کو بھول گئے۔ حضرت علی نے جب خواستگاری فاطمہ کی تو اس کو قبول کرنے کے بعد پہلی بات جو رسولخدا نے کہی وہ یہ تھی کہ اے علی تم فاطمہ کے لیئے علیحدہ مکان لے لو۔ چنانچہ حضرت علی نے علیحدہ مکان لے لیا۔ اس وقت فاطمہ بنت اسد مادرِ حضرت علی زندہ تھیں۔ اُن کا انتقال سنہ ۴ھ کے آخر میں ہوا ہے ۱۶۵ اس کے بعد آنحضرت نے فرمایا کہ فاطمہ کا مہر ادا کرو۔ چنانچہ آنحضرت کے ارشاد کے مطابق حضرت علی نے اپنی زرہ فروخت کر کے مہر ادا کیا۔ ادائگی مہر کی اتنی تاکید ہے۔ آج کل لڑکیوں کے والدین ہزاروں روپے کا مہر بندھوا لیتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ یہ عورت کی قیمت ہے۔ جتنی قیمت زیادہ ہوگی اتنی ہی عورت کی قدر ہوگی۔

فقہ اسلام کی یہ تاکید اشد ہے کہ عورت کے لیئے خاوند ویسا ہی ماحول پیدا کرے جس کی وہ اپنے میکے میں عادی رہ چکی ہے۔ جس آسائش کے ساتھ وہ اپنے والدین کے گھر میں رہتی تھی وہی آسائش خاوند اس کے لیئے اپنے گھر میں پیدا کرے یہ نہیں کہ میکے میں تو لڑکی کے پاس خادم و خادمہ رہتی تھے جو گھر کا سب کام کرتے تھے اور یہاں خاوند نے دس سیر آٹا آگے رکھ دیا کہ جون جولائی کی گرمیوں میں چولھے کے آگے بیٹھ کر پکائے۔ پھر لڑکی جھاڑو دے۔ گھر کی چیزیں صاف کرے۔ وقت بچے تو کپڑے دھوئے۔ یہ ظلم محض ہے اگر عورت اپنی خوشی سے یہ کام کرتی ہے تو اس کا احسان ہے کہ جس کی قدر خاوند کو کرنی چاہیئے۔ لیکن اگر وہ نہ کرے تو اس سے جبراً یہ کام نہیں لیا جا سکتا۔ اگر وہ نہیں کر سکتی تو خاوند کو یہ حق نہیں ہے کہ اس وجہ سے اس سے ناراض ہو جائے اگر وہ غریب ہے۔ اس خرچ کی برداشت نہیں ہے تو امیر گھرانے کی لڑکی لانے کی تمنا کو

---

۱۶۵ اسوۃ الرسول جلد دوم ص ۲۸۵ بحوالہ اسد الغابہ ابن الاثیر

اپنے دل سے نکال دے۔ چنانچہ جناب رسولخدا نے حضرت علی سے فرمایا کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ محبت و شفقت کے ساتھ پلی ہے تم بھی اس کی دلجوئی میں تقصیر نہ کرنا یہ حقوق تھے زوجہ کے۔ اس کے بعد فرائض شروع ہوتے ہیں۔ جناب فاطمہ کو مخاطب کر کے آنحضرت نے فرمایا کہ اپنے خاوند سے محبت کرنا۔ اس کے ہر ایک حکم کی اطاعت کرنا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ علی کبھی تمہاری شکایت کریں۔ نہ ایسی ایسی بات کی فرمائش نہ کرنا جو وہ نہ کر سکتے ہوں۔ اپنے دکھ درد سنا کر ان کے دل کو رنجیدہ نہ کرنا۔ سادہ زندگی بسر کرنیکا حکم دیا۔ یہاں تک کہ رنگین پردہ اور چاندی کے کنگن دیکھکر ناراض ہوگئے۔ بعض موقعوں پر دوران گفتگو میں یہ بھی فرمایا کہ اگر میں خدا کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنیکا حکم دیتا تو زوجہ سے کہتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ فرائض کی بھی انتہا ہوگئی۔ عورت کو چاہیئے کہ خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے۔ یہ ہمیشہ مد نظر رکھے کہ خاوند کی زندگی و صحت کے ساتھ اس کی خوشی وابستہ ہے۔ کبھی گھر کی عسرت و غربت کی شکایت خاوند سے نہ کرے۔ اور نہ کسی اور سے کرے۔ اپنا وقت بیفائدہ کے لہو و لعب میں نہ گزارے۔ آپس میں بیٹھکر عورتوں کی یا محلہ والوں کی عیب جوئی کرنا بہت برا ہے۔ دیکھو جناب فاطمہ نے چکی پیسی۔ پانی بھرا۔ جھاڑو دی۔ لیکن کسی سے شکایت نہ کی۔ اور حضرت علی نے بھی انکی اس صفات کی بہت قدر کی۔ خاوند کے جائز احکام کی اطاعت کرنا عورت کا فرض ہے۔ لیکن خاوند کو بھی چاہیئے کہ ایسے احکام صادر نہ کرے جو عورت کی طاقت و وسعت برداشت سے باہر ہوں۔ جب خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم کسی انسان کو اس کی قدرت و وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے تو خاوند کو کب جائز ہے کہ وہ ایسے احکام صادر کرے۔

جہانتک نکاح کا تعلق ہے مسلمانوں نے ہندوؤں کی تقلید کر کے اپنی حالت کو تباہ کر لیا ہے۔ خاندان مشترکہ کی خرابی کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ جو امور ازدواجی زندگی کو تلخ کرنیوالے امور ہیں۔ وہ جہیز، مہر، بری ہیں۔

جہیز لڑکی والے مہیا کرتے ہیں۔ مہر خاوند ادا کرتا ہے یا اس کو ادا کرنا چاہیئے۔ بری وہ تحائف ہیں جو خاوند اپنی نئی عروس کو دیتا ہے۔

مہر:۔ حد سے زیادہ مہر مقرر کرنا گناہِ بےلذت ہے۔ زیادہ مہر دو وجوہات سے مقرر کیا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ کم مہر والی لڑکی کی قدر نہیں ہوتی۔ مہر کو قیمت تصور کر لیا گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ زیادہ مہر خاوند کے اوپر ایک قسم کا دباؤ رکھتا ہے۔ ورنہ اگر کم مہر ہوگا تو جب جی چاہیگا عورت کو طلاق دیکر علیحدہ کر دیگا۔ یہ دونوں وجوہات غلط ہیں اور ان سے وہ مقصد حل نہیں ہوتا جس کیلئے یہ مقرر کیا گیا ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ مہر تمہاری لڑکی کی قیمت ہے۔ تمہاری لڑکی کی قیمت میں کئی کروڑ بلکہ کئی ارب روپیہ دیا جائے تب بھی ادا نہیں ہوگی۔ اولاد قیمت پر فروخت نہیں کی جاتی۔ اس خیال کو دل سے نکال دو۔ اگر تم نے اپنی لڑکی کی قیمت ایک لاکھ یا دو لاکھ روپیہ رکھی ہے تو تم اس کو بہت ارزاں فروخت کر رہے ہو۔ دوسرے خیال میں بظاہر کچھ منطق ہے۔ لیکن وہ بھی غلط ہے۔ اگر تمہاری اور تمہاری لڑکی کی قسمت ایسی بری ہے کہ اسے نہایت بدطینت خاوند ملا ہے۔ تو وہ اس کو اتنا تنگ کریگا کہ وہ لڑکی اس کو بہت غنیمت سمجھے گی کہ وہ مہر چھوڑ دے اور خاوند اس کو چھوڑ دے۔ اگر معاملہ عدالت میں گیا اور لڑکے کی حیثیت کم ہے تو جج صاحب لاکھوں کے مہر کو سینکڑوں پر لے آئیں گے۔ رسولخدا کی لڑکی سے زیادہ تو کسی لڑکی کی قدر و قیمت نہیں ہو سکتی۔ انھوں نے خاوند کی مالی حالت کے تناسب سے مہر مقرر کیا۔ اور فوراً ادا کرا لیا۔ کاش مسلمانوں کو بھی اپنے رسول کی پیروی کی توفیق ہو جائے تو کیا اچھا ہو۔ خاوند کی مالی حالت کے مطابق مہر مقرر کیا جائے۔ اور وہ پھر فوراً لڑکی کو ادا کر دیا جائے۔ یہ بھی خیال رہے کہ لڑکی کو ادا کر دیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے والدین یا دیگر رشتہ داران لے لیں۔ جناب رسولخدا نے سارا مہر لڑکی پر خرچ کرا لیا۔ ایسا بھی نہ ہونا چاہیئے کہ پھر خاوند ہی بیوی کو بہلا پھسلا کر وہ مہر کا روپیہ واپس لے لے۔ دونوں طرف سے ایمانداری کی ضرورت ہے۔

جہیز:- یہ وہ لعنت ہے جو مسلمانوں نے ہندوؤں سے لی ہے۔ ہندو تو لڑکی کو زیادہ جہیز دینے میں حق بجانب تھے۔ ان کے یہاں لڑکی کو ورثہ نہیں ملتا اس خیال سے کہ انکی اولاد ہمیشہ کے لیئے ان سے جدا ہو رہی ہے۔ اور اب اس کا کوئی حصہ ان کے مال میں نہیں ہے انھوں نے لڑکی کو زیادہ جہیز دیدیا۔ تو کچھ ہرج نہیں۔ مسلمانوں میں تو لڑکی کو ورثہ ملتا ہے۔ انھیں کیا ضرورت ہے کہ اپنی دیگر اولاد کے حقوق میں کمی کر کے لڑکی کو دیں۔ ہمنے اکثر خاندان جہیز کی فراہمی میں برباد ہوتے دیکھے ہیں۔ قرض لیتے ہیں اور اتنا قرض لیتے ہیں کہ کئی پشتوں تک وہ ادا نہیں ہو سکتا۔

رسولخدا نے اپنی مالی حالت کے مطابق جہیز دیا۔ اور اس کے لیئے کسی سے قرض نہیں لیا۔ اس حماقت کے محرک دو خیال ہیں۔ ایک تو یہ کہ کم جہیز سے ہم چشموں میں ہیٹی ہوگی۔ جب اوروں نے زیادہ جہیز دیا ہے تو ہم کیوں نہ دیں۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ سسرال میں زیادہ جہیز سے قدر رہیگی۔ یہ دونوں خیال غلط منطق پر مبنی ہیں۔ اس کا خیال نہ کرو کہ دوسرے لوگ کیا کہیں گے بلکہ یہ دیکھو کہ یہ فعل جو ہم کر رہے ہیں وہ عاقلانہ ہے یا احمقانہ۔ نیک ہے یا بد ہے۔ باعث ثواب ہے یا موجب گناہ ہے۔ اپنی حیثیت کے مطابق جہیز دینا اور اس کے لیئے مقروض نہ ہونا یقیناً ایک عاقلانہ فعل باعث ثواب ہے۔ یہاں رائے تو نہیں لی جاتی۔ یک صد احمق ایک عاقل سے تو زیادہ نہیں ہو جاتے۔ یہ خیال کرنا کہ یہ یک صد احمق کیا کہیں گے فضول ہے۔ اور پھر ہم تو ساری سوسائٹی کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ جب سب ہی اس طرح کرنے لگیں گے تو ہم چشموں میں گرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ رہا دوسرا خیال کہ سسرال میں قدر ہوگی۔ تو یہ تو وہی پرانا قسمت کا پھیر ہے۔ جب تک کہ تمہاری سوسائٹی کا رسم و رواج و طرز رہائش یہی رہے گا جو اب ہے اور جب تک لڑکی کے نکاح کرنے کا طریقہ وہی رہیگا جو اب ہے۔ اس وقت تک تم اور تمہاری لڑکی سسرال کے ظلم سے نہیں بچ سکتی۔ خواہ کروڑوں روپیہ کا

جہیز دیدو۔ تمہارا نکاح کرنے کا طریقہ تو یہ ہے جو لاٹری نکالنے کا ہوتا ہے۔ ایک بڑا تاریک تھیلا ہے۔ اس میں کھرے اور کھوٹے روپے پڑے ہیں۔ ہاتھ ڈال کر آنکھوں پہ پٹی باندھ کر نکالا۔ کھرا نکلا تمہاری لڑکی کی قسمت اچھی ہے۔ کھوٹا نکلا عمر بھر کے لئے اسے جہنم مل گیا۔ اگر کھوٹا ہے تو اس کی ھَلْ مِنْ مَّزِیْد جاری ہی رہیگی خواہ کروڑوں روپے کا جہیز دیدو۔ جتنا زیادہ دوگے اس کی حرص بڑھے گی۔ سمجھے گا یہ گھر مالدار ہے اس کو خوب نوچو۔ ہمارے پاس ایک مقدمہ تھا جس کے واقعات یہ تھے کہ خاوند لڑکی کو مجبور کرتا رہتا تھا کہ اپنے والدین کے یہاں سے روپیہ لائے۔ اور وہ دیدیتے تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ ان کے پاس روپیہ نہ رہا۔ شوہر نے بدستور سابق لڑکی کو مجبور کیا۔ وہ جانتی تھی کہ اب میرے ماں باپ کے پاس روپیہ نہیں۔ جاکر ان سے کیا کہوں۔ لڑکی نے انکار کر دیا۔ اس کے خاوند نے اور خاوند کی ماں نے بہت کچھ ظلم و تعدی کی۔ لوہے کی سلاخیں گرم کر کے اس کے بدن کو داغ دیئے جب اس پر بھی وہ اپنے باپ سے روپیہ مانگنے نہ گئی تو اس کی بوٹیاں کر کے قتل کر دیا۔ حالانکہ یہ لڑکی بہت جہیز لائی تھی۔ اور نکاح کے بعد بھی والدین کے یہاں سے لاتی رہی۔ امیر خاندان تھا۔ نہایت غریب لڑکی تھی۔ بہت حسین تھی۔ لیکن انجام یہ حشر ہوا۔ اگر قسمت سے نیک لڑکا ملا ہے تو وہ جہیز کی پرواہ ہی نہ کرے گا وہ کہے گا کہ مال اور عزت وہ ہے جو اپنے زور بازو سے حاصل کی جائے۔ اور اگر برا لڑکا ملا ہے تو وہ جہیز بھی بیچ کر کھا جائے گا۔

پاکستان و ہندوستان کے مسلمانوں میں لڑکی کے نکاح کرنے کا طریقہ ہی غلط ہے۔ لڑکی کو ایک بے زبان جانور سمجھا جاتا ہے۔ کبھی عزت کے خیال سے کفو تلاش کیا جاتا ہے۔ کبھی دولت کے خیال سے۔ کبھی سیاسی اغراض سے اس بے زبان کو دوسرے کے حوالے کیا جاتا ہے۔ لڑکی کی خوشی اور جذبات کا کوئی خیال ہی نہیں کرتا۔ دیکھو جناب رسولِ خدا نے فرمایا تھا کہ میں فاطمہ کا نکاح علی سے بحکم خداوندی کر رہا ہوں! اور خدا نے عرش پر ان کا نکاح کر دیا ہے

لیکن پھر بھی جناب فاطمہ کی رضامندی حاصل کی گئی۔ اور اس رضامندی کے بعد نکاح ہوا۔ آج کل مسلمانوں میں تو یہ ہے کہ لڑکی کی باضابطہ رضامندی محفل نکاح میں سے اٹھ کر حضرت مولوی صاحب ہی لینے آتے ہیں۔ اگر لڑکی کے دل کے خلاف بھی ہے تو وہ ایسے آخری موقع پر کیا کرے۔ بعض دفعہ دل کڑا کر کے خاموش رہتی ہے تو اس کی ماں اور سہیلیاں مجبور کرتی ہیں کہ مولوی صاحب کھڑے ہیں جلدی سے ہاں کردے۔ اور اگر اس پر بھی خاموش رہی تو ان میں ہی سے کوئی بول اٹھتی ہے کہ ہاں اور سب کہنے لگتے ہیں کہ مولوی صاحب لڑکی نے ہاں کردی مولوی صاحب بیچارے کو اگر شبہ بھی ہو گیا ہے تو انہیں کون جرح کرنے دیتا ہے۔ اور پھر انہیں جرح کرنے کی غرض بھی کیا ہے۔ جو شال دوشالہ ملنا وہ بھی نہ ملے گا۔ لوگ وہی کہنے لگیں گے سو الگ۔ اور پھر کوئی نکاح پڑھوانے کے لئے انہیں کیوں بلائے گا۔ اتنی بڑی سزا۔ اتنی خفیف سی ضمیر کی آواز۔ اور بیسویں صدی کا مولوی۔ بس اس قصے کو جانے ہی دو۔

(ج) امور خانہ داری۔

اپنے گھر کا خود کام کرنے میں نہ جناب فاطمہ کو کبھی شرم آئی۔ اور نہ حضرت علی کو۔ انھوں نے اپنے گھر کا کام کیا۔ اور شوق سے کیا۔ دل سے کیا۔ اس میں خوشی محسوس کی۔ اپنا فرض سمجھ کر کیا۔ اور اس کو موجب ثواب اور باعث رضائے الٰہی سمجھا۔

تقسیم کار یہ تھی کہ باہر کا کام حضرت علی کرتے تھے۔ صبح کی نماز پڑھتے ہی تلاش معاش میں باہر چلے جاتے تھے۔ شام کو جو کچھ ہو سکا لائے۔ اور حضرت فاطمہ کے ہاتھ میں دیدیا۔ گھر کا سارا کام حضرت فاطمہ کرتی تھیں۔ بچوں کو نہلانا دھلانا تربیت دینا۔ کھانا پکانا۔ گھر کے کنوئیں سے پانی بھرنا۔ گھر کی صفائی کرنی یہ سب ان کے ذمہ تھا۔ عسرت سے گزرتی تھی۔ لیکن کبھی خاوند سے تنگی یا اپنی تکلیف کی شکایت نہیں کی۔ جب حضرت علی باہر سے تشریف لاتے تھے یہ خندہ پیشانی

خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کرتی تھیں خواہ کئی روز سے کھانا نہ ملا ہو۔ خاوند کو خوش رکھنا اور اس کی آرام کی ہر طرح سے خبر گیری کرنا آپ کا کام تھا۔ حضرت علی نے بھی ان کو گھر کی مالکہ کا ملہ بنا دیا تھا۔ ان کے کام میں نہ خود دخل دیتے تھے نہ کوئی اور دخل دیتا تھا۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ چکی کی مشقت میں حضرت علی نے امداد کر دی ہے۔ ازدواجی راحت و اطمینان کا یہ گھر نمونہ تھا۔

یہ وہ امور ہیں جو حضرت فاطمہ کی عظمت و عزت ہماری نظروں میں بڑھانے کے علاوہ رسالت محمدیہ کی تصدیق و توثیق کرتے ہیں۔ جو شخص محض دنیا کی ثروت و عزت کیلئے جھوٹی رسالت لوگوں کے سامنے پیش کر کے ان کا سردار و بادشاہ بننا چاہے گا وہ اپنی اولاد کو عسرت و فاقہ کی زندگی گذارتے ہوئے نہیں دیکھے گا خصوصاً جبکہ اس کو دنیاوی بادشاہت حاصل ہو چکی ہے اور بغیر شبہہ پیدا کئے وہ اتنا روپیہ تو اپنی اولاد کو دے سکتا ہے۔ کہ وہ خوشحالی سے بسر کریں۔ اور اس کی اولاد ہی اسے کب چین لینے دیتی۔ وہ تو یہ کہتے کہ تمہارا مقصد حیات حاصل ہو چکا ہے۔ اس میں سے ہمیں بھی حصہ دلاؤ۔ یہاں تو بہت عرصہ کے بعد اپنی آخری عمر میں فتح خیبر کے بعد ایک لونڈی فضہ دی تو اس پر بھی یہ شرط لگا دی کہ ایک دن گھر کا سارا کام فضہ کرے اور ایک دن تم کرو۔ جیسا تم کھاؤ اس کو کھلاؤ۔ جیسا تم پہنو اس کو پہناؤ۔ کہاں ہیں وہ مدبران سلطنت و مشیران اصول معاشرت جو باوجود اپنی انتھک کوششوں کے مزدور اور اجرت کا مسئلہ ابھی تک طے نہیں کر سکے ہیں۔ کبھی کوریا میں کارزار ہوتا ہے۔ کبھی جرمنی میں جنگ ہوتی ہے۔ دنیا بے چین ہے اور یہ مسئلہ نہ حل کر سکی۔ مزدور تمہاری زندگی کا سہارا ہے۔ تمہاری آمدنی کا وسیلہ ہے۔ اس کی محنت نہ ہو تو تم نہ تو کپڑا حاصل کر سکتے ہو اور نہ آلات بنا سکتے ہو۔ تمہاری ساری ملیں اور فیکٹریاں بیکار ہو جائینگی۔ اگر مزدور اپنی محنت اس میں نہ لگائیں۔ تمام مزدوروں کو اپنے نفع میں حصہ دار بنا لو۔ اور پھر دیکھو کتنی ترقی ہوتی ہے۔ رسول عربی نے

تمہیں راستہ تو دکھا دیا ہے۔ اگر تم اس پر نہ چلو تو یہ دوسری بات ہے۔ بسا اوقات تم اپنے فیکٹری کے مینیجر یا کارکن کو حصہ دار بنا ہی لیتے ہو، حالانکہ وہ کچھ سرمایہ نہیں لگاتا۔ صرف اس کی محنت کے صلے میں اسے حصے دار بنا لیتے ہو۔ اس کی محنت مزدور و کاریگر کی محنت سے بدرجہا کمتر ہوتی ہے۔ اگر تم مزدور و کاریگر کو حصہ دار بنالو تو قرینِ انصاف بھی ہے اور باعثِ اطمینان بھی ہوگا۔ اور مزدور و کاریگر اپنی دوگنی اور چارگنی محنت لگائے گا۔ جناب رسولخدا کی یہی تعلیم تھی کہ اپنے ملازم کو اپنے گھر کا ایک ممبر سمجھو۔

(د) طرز عمل خاوند سے۔

اس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔

(ﮦ) طرز عمل اولاد سے۔

انسان کی زندگی میں اس کی ابتدائی تعلیم کا بہت اثر ہوتا ہے۔ اور اسکی یہ تعلیم اول تو ماں کے پیٹ ہی میں شروع ہو جاتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص اتنی دور تک نہیں سوچ سکتا تو یہ ظاہر ہے کہ پیدا ہوتے ہی یہ تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔ انسان کے خیالات کا اثر اس کے جسم کے ہر حصہ پر ہوتا ہے اور سب سے پہلے اس بچہ پر ہوتا ہے کہ جو رحم کے اندر ہے۔ جس طرح کہ وہ ماں کے جسم میں سے غذا حاصل کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح طرز تخیل و عادات لیتا رہتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کسی نے آپ کو گالی دی یا برا بھلا کہا تو فوراً آپ کے چہرے کی ساخت میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ فوراً ایک آدمی کا چہرہ دیکھ کر آپ بتا سکتے ہیں کہ اس وقت اس کو غصہ آ رہا ہے۔ یا یہ خوش ہے یا یہ رنجیدہ ہے۔ یا کسی سوچ میں ہے۔ سوچ رہا ہے تو اچھی بات سوچ رہا ہے یا خطرناک تدبیروں پر غور کر رہا ہے۔ خوف کے وقت اور ہی حالت ہوتی ہے۔ اور خوف کی بھی دو قسمیں ہیں۔ جان کے خوف میں اور کیفیت ہوتی ہے۔ عزت و آبرو کا ڈر ہو تو چہرہ کی حالت اور ہوتی ہے حرکات سکنات میں فرق ہو جاتا ہے۔ جان کے خوف میں بھی فرق ہوتا ہے۔

آپ کے نوکر کی جان کو خطرہ ہے تو حالت اور ہو گی۔ عزیز بیٹے کی جان کو خطرہ ہے تو صورت ہی کچھ اور ہو گی۔ اپنی جان کو خطرہ ہے تو اور حالت ہو گی۔ یہ کیا باتیں ہیں محض خیال۔ خیال کا اثر انسان کے اعصاب پر براہِ راست پڑتا ہے۔ ماں کے خیال کا اثر بچہ پر پڑنا لازمی ہے۔ اگر عورت میں جذباتی تحریکات زیادہ ہیں تو ویسا ہی اثر بچہ پر پڑے گا۔ اگر عورت ہر وقت خدا کے خیال میں اور عبادت کی فکر میں رہتی ہے تو اس کا اثر بچہ پر ہو گا۔ گویا بچہ کی پیدائش سے پہلے اس کی تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔ حاملہ عورت کے کمرہ میں خوب صورت اور نفیس چیزیں رکھنے کی تاکید ہے۔ تاکہ بچہ خوب صورت ہو۔ سائنس کی تحقیقات کا نتیجہ ہے کہ اگر چاہتے ہو کہ لڑکا پیدا ہو تو شروع حمل ہی سے لڑکوں کی تصویریں ماں کے کمرہ میں لگا دو۔ اور اس کو تاکید کر دو کہ وہ لڑکے ہی کا تصور کرتی رہے۔

پیدا ہونیکے بعد اس تعلیم کا دوسرا طریقہ ہوتا ہے۔ یہ تعلیم بھی محض ماں کی ہوتی ہے اور اس کا اثر بھی بہت گہرا ہوتا ہے۔ دوسرے کو تعلیم دینے کی پہلی شرط یہ ہے کہ خود بھی اس تعلیم کا ماہر ہو اور عامل ہو۔ جس آدمی کو ہم روزانہ جھوٹ بولتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ اگر منبر پر جا کر وعظ کرے گا کہ بھائیو سچ بولا کرو تو اس کا کیا اثر ہو گا۔ بچہ کو نیک بنانے کے لئے ماں کو خود مجسم نیکی بننا پڑے گا۔ بچہ کو خدا شناس و عابد بنانا ہے تو ماں کو عبادتِ مجسم بننا پڑے گا۔ بچہ بہادر نہیں ہو سکتا۔ سخی نہیں ہو سکتا جب تک ماں میں بھی یہ جذبات بدرجہ اتم موجود نہ ہوں۔

اس طرح عورت کو خیالات و مقاصد نیک نظر کے سامنے رکھنے اور عمل نیک کرنیکی دوہری وجہ ہو گی۔ ایک تو خود بھی انسان کا فرض ہے کہ خیال کرے نیک کرے اور جو اپنے سامنے مقصد رکھے وہ نیک ہو۔ دوسرے بچہ کی تعلیم و تربیت کے لئے بھی اپنے تئیں نیکی مجسم بنانا پڑتا ہے۔

جناب فاطمہ زہرا نے یہ فرض کس خوبی سے اور کس کامیابی کے ساتھ ادا کیا۔ کربلا کے میدانوں، کوفہ کے بازاروں اور دمشق کے درباروں سے پوچھو۔

(و) حقوق اللہ

جناب فاطمہ زہرا کی عبادت کا حال ہم ان کے سوانح حیات میں پڑھ چکے ہیں جب ہم ان کی عبادت کی طرف دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو سوائے عبادت کے اور کچھ کام نہیں۔

(ز) حقوق العباد۔

آپ کی ساری عمر مظلومیت میں گزری۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جناب فاطمہ نے کسی پر ظلم کیا۔ خادمہ لونڈی تک پر یہ حال تھا کہ ایک دن خود کام کرتی تھیں اور اس دن خادمہ آرام کرتی تھی۔

آیئے غور کریں کہ اب ہندوستان میں مسلمان عورت کا کردار و معمول زندگی کیا ہے اور اسے کہاں کہاں اصلاح کی ضرورت ہے۔ ہندوستان سے ہمارا مطلب موجودہ ہندوستان و پاکستان ہے۔

ہندوستان کی مسلمان عورت کے لئے اصلاح کا لفظ صحیح نہیں ہے۔ اُسے تو اب انقلاب کی ضرورت ہے۔ اگر جناب فاطمہ زہرا کے زمانہ کی مسلمان عورت اس وقت زندہ ہو کر کراچی کے کسی سینما ہاؤس میں جائے۔ اور وہاں مسلمان نوجوان لڑکیوں کو دیکھے کہ چلتی پھرتی بولتی ہوئی تصویروں کا آپس میں عشق بازی کرنا اور بوسہ بازی کے مزے لینا کس شوق سے دیکھ رہی ہیں اور وہ بھی اپنے بھائیوں اور ماں باپ کے ہمراہ۔ اور ان کی نظر کے سامنے کسی فیشن ایبل ہوٹل میں چلی جائے اور وہاں مسلمان جوان لڑکیوں کو غیر مردوں کے ساتھ ناچتا ہوا دیکھے، شراب پیتا ہوا دیکھے اور پھر اس جہلِ مرکب کا بھی معائنہ کرے کہ یہ بیحیا لڑکیاں اور ان کے بیحیا اور احمق والدین ان کی اس زندگی کو ترقی یافتہ زندگی کا خطاب دیتے ہیں۔ اور وہ عورتیں جو اب تک اس بیسویں صدی کے ترقی کے زمانہ میں پردہ میں بیٹھی ہیں ان کو جاہل چار دیواری کے قیدیوں کا خطاب دیکر اپنے دل کو خوش اور اپنے گناہوں کو نیکی کوشش کرتی ہیں۔ اور وہ یہ بھی دیکھے کہ اس قوم کے ارباب

حل وعقد اس بات پر تُلے ہوئے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح ان پردہ میں بیٹھنے والی عورتوں کو بھی سینما اور رقص خانوں کی عادت ڈال کر تعلیم یافتہ کہلوائیں۔ اور یورپ کے ممالک میں ان کو رقاصی و موسیقی سکھا کر بھیجیں اور یورپ والوں سے ان کے حسن و رقص و موسیقی کی داد لیں۔ اور پھر یہ سب تماشے دیکھ کر وہ شام کو واپس ہوتے ہوئے کسی سے پوچھ کر یہ بھی معلوم کر لے کہ یہ مسلمانوں کا ملک ہے اور اس کو پاکستان کہتے ہیں۔ تو ہمیں یقین ہے کہ وہ اپنے دوبارہ زندہ ہونے کو عذاب اور اپنی دوبارہ موت کو نجات سمجھے گی۔ اپنے ہی ملک میں جس کو وہ اسلامی ملک کہتے ہیں، اپنے ہی نظام حکومت کے اندر جس کو وہ اسلامی نظام کہتے ہیں اس طرح اسلامی زندگی کو ٹھکرا اور غیر اسلامی طرز رہائش و طرز تخیل یعنی ذہنیت کو اختیار کر کے جس طرح مسلمان اپنے طرز عمل سے کفر کی تصدیق اور اسلام کی تحقیر کر رہے ہیں وہ انسانی حماقت کی بدترین مثال ہے۔

عورتوں پر کیا منحصر ہے مردوں کا بھی کردار و عمل اسلام سے بہت دور ہو گیا ہے اگر ان تمام اسباب کا ذکر کریں جن کی وجہ سے مسلمان اسلام سے دور جا پڑے ہیں۔ تو بہت طوالت ہوگی۔ ہم اپنے بیان کو صرف عورتوں کے کردار پر منحصر کرتے ہیں۔ اور وہ بھی بہت اختصار کے ساتھ۔

پردہ اور بے پردگی یعنی قید و آزادی یا دقیانوسی جہالت و ترقی موجودہ

ہندو رسموں کے شیدا پرانے زمانے کے مولویوں نے جس طرح عورت کو رکھنے کی تعلیم دی اور جس طرح ان لوگوں نے ان کو اپنے گھروں میں رکھا اس کا ذکر بہت اختصار کے ساتھ ہم کر چکے ہیں۔ داستان تو بہت طویل ہے لیکن چونکہ آج کل کے ہر ایک مسلمان کو اس سے آگاہی ہے لہذا طوالت دینے کی ضرورت نہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم نے جو یہ قصہ بیان کیا ہے یہ غریب خاندان کا ہے۔ امیروں کے یہاں تو ملازم و باورچی ہوتے ہیں وہاں یہ باتیں نہ ہونگی۔ ہم ظلم کا واقعہ بیان کر رہے تھے۔ اس کی شکل و صورت امیروں غریبوں کے یہاں ہی نہیں بلکہ ہر گھر میں مختلف ہوگی۔ اور ہر صورت ساس اور نندوں کا لگانا بجھانا اور طعن و تشنیع ایک مستقل مد ہے۔ اپنے اپنے

گھر کے حالات کے مطابق ان کی یہ تجویز رنگ اختیار کرتی ہے۔ امیروں کے گھر کا حال سُنیئے۔ ہمیں ایک گھر کا حال معلوم ہے۔ بیوی یعنی نئی دولہن کو میاں کے پاس بیٹھنے ہی کی ممانعت تھی۔ اور رات کو بھی خاوند کے کمرے میں اس کی بہنیں جا کر سو جاتی تھیں۔ اور بھائی کی بیٹی سے پٹی ملی رہتی تھی۔ گھر میں ملازم ہے لیکن کمرے کی جھاڑ و دوھن ہی دے۔ کوئی لباس نہیں پہن سکتی تھی جب تک ساس اجازت نہ دے۔ حرکات و سکنات پر پابندی تھی۔ ایک اور نہایت ہی امیر خاندان کا ذکر سُنیئے۔ نہایت اعلےٰ سرکاری ملازم کا ذکر ہے۔ بیوی نہایت حسین۔ نہایت مطیع۔ دونوں میں محبت از حد۔ نندوں سے یہ بات نہ دیکھی گئی۔ جب گھر میں بھائی آتا تو سب سے پہلے جو اس سے بات کرتیں وہ اس کی بیوی کی نکتہ چینی ہوتی اتنا اسے لگایا کہ اسے یقین ہو گیا کہ میری بیوی بد چلن ہے۔ حالانکہ بدچلن ہونیکی کوئی وجہ نہ تھی۔ بیوی کو اس نے طلاق دینے کا ارادہ کیا۔ اسنے اپنے باپ کو لکھا۔ والدین آئے۔ اس عورت نے اور اس کے والدین نے اس شخص کے آگے ہاتھ جوڑے منت کی کہ طلاق نہ دے۔ یونہی چھوڑ دے۔ نان و نفقہ طلب نہ کرینگے۔ کیونکہ ان کے یہاں طلاق کو بہت ذلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ چونکہ بیوی کو رنج دینا تھا اس نے طلاق دیدی۔ بیوی یہ ذلت برداشت نہ کر سکی اپنے گھر جا کر زہر کھا کر مر گئی۔ اور اس کے رنج میں اس کا باپ بھی مر گیا۔ ہم یہ حالات اس وجہ سے لکھ رہے ہیں کہ لوگوں کی آنکھیں کھلیں۔ اور وہ اصلاح کی طرف مائل ہوں۔ خاوند کے کتنے ہی حقوق ہوں فقہ اسلامی ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔

اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ کچھ عرصہ سے اسلامی سوسائٹی میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی ہے جو بالکل راستہ کے دوسرے سرے پر چلی گئی ہے۔ بالکل پردہ اٹھا دینا تو معمولی بات تھی۔ سینما میں جانا۔ غیر مردوں کے ساتھ ناچنا۔ خاوند کے والدین اور دیگر رشتہ داروں کی پرواہ نہ کرنا۔ بلکہ خاوند کی بھی پرواہ نہ کرنا۔ لاہور کے مال روڈ پر ہر شام کو ضرور چکر لگانا۔ لارنس باغ میں مرد دوستوں کی

صحبت میں رہنا، وہاں کے تنہائی کے گوشوں سے فائدہ اٹھانا، گھر کا کام نوکر ہو تو وہ کرے۔ ورنہ خاوند کھانا پکائے۔ یہ بھی ایک مسلمان عورتوں کی قسم ہے۔

پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا۔ مولوی صاحبان کا تو جواب صاف ہے۔ انگریزوں کی تعلیم اور ہندوؤں کی صحبت کا یہ اثر ہے۔ ہم نے جو غور کیا تو ہمیں تو یہ معلوم ہوا کہ اس کی پہلی اور اصل وجہ ان ہی مولویوں کا سلوک ہے۔ جس کے خلاف بغاوت ہوئی اور بغاوت نے یہ صورت اختیار کرلی۔ انگریزی تعلیم و ہندوں کی صحبت تو وجہ ثانوی ہے۔ یہ بغاوت تو ہونی تھی۔ اگر انگریزوں کی تعلیم نہ ہوتی تو کوئی اور صورت پیدا ہو جاتی۔ مولوی صاحب اثر یا یوں کہو کہ خود مسلمانوں کی تنگ نظری کی وجہ سے جو عورتوں کے ساتھ سلوک ہوتا تھا وہ کب تک برداشت کیا جاتا۔ اس سے پہلے یہ طریقے رائج تھے کہ دوسرا مذہب اختیار کرلیتی تھیں۔ یا دوسرے مذہب کا بہانہ کرلیتی تھیں تاکہ اس قید سے آزادی ملے۔ گھر سے نکل جاتی تھیں۔ دوسرے یار پیدا کرلیتی تھیں۔ زہر کھالیتی تھیں۔ دق لگ کر مر جاتی تھیں۔ جان جاتی تھی یا عزت۔ جب باہر کی ہوا لگی۔ انگریزوں کی معاشرت کا علم ہوا۔ دوسرے اسلامی ممالک کے حالات معلوم ہوئے۔ اخبار پڑھے۔ اب انہوں نے کہا کہ ہم جان کیوں ضائع کریں۔ عزت کو کیوں بٹہ لگائیں۔ وہ صورت کیوں نہ اختیار کریں۔ جو ہم اپنی نظر کے سامنے دیکھتی ہیں۔ اور دنیا میں رائج ہے۔ زندگی راحت سے گذرے گی اور عزت قائم رہے گی۔ مرد بھی اس خاندان مشترکہ کے ظلموں سے عاجز آگیا تھا زندگی کا مزانہ جوانی کا مزا۔ ہر وقت دوسروں کے زیر دست رہنا۔ اس نے بھی کہا کہ اچھا بہانہ ہے۔ انگریزوں کے طرز کی معاشرت پر چلنے لگا۔ انگریزوں کی سوسائٹی میں بھی عزت ہوئی۔ انقلابات کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نیا دور یا طرز معاشرت محض اپنی خوبی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں جگہ نہیں پاتا۔ بلکہ پرانے دور یا طرز رہائش کی برائیاں ایسی عیاں ہو جاتی ہیں۔ اور سطح پر آجاتی ہیں کہ انسان محض انسے بچنے کے لئے جدید تہذیب کو اختیار

کر لیتا ہے۔ بغیر دیکھے ہوئے کہ اس جدید تہذیب میں تو ایسے عنوانات نہیں ہیں جو آگے چل کر تہذیب میں خطرناک صورت اختیار کر لیں۔ پردہ بذاتِ خود بری چیز نہیں ہے۔ اور ہر قوم میں ہوتا آیا ہے۔ رومیوں اور ایرانیوں میں بڑا زبردست پردہ تھا۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں نے مسلمانوں سے پردہ لیا۔ یہ قطعاً غلط ہے۔ ہندوؤں نے پردہ کا تخیل اول تو اس پرانی دنیا سے لیا۔ جس میں وہ آباد تھے۔ اور اس کے بعد پردہ براہ راست یونانیوں سے آیا۔ یونانی سکندر اعظم کے ساتھ آئے تھے اس کے علاوہ یوں بھی ہندوستان میں اور یونان میں تعلقات تھے۔ سکندر اعظم کے مرنے کے بعد ہندوستان کے شمال مغرب میں یونانی سلطنتیں قائم ہو گئیں اور پردہ وہیں سے آیا۔ لیکن اب چونکہ پردہ کے تخیل کے ساتھ اس ظلم و جور کا تخیل قائم ہو گیا ہے ایک نام سے دوسرا یاد آجاتا تھا۔ لہذا پردہ اس ظلم و جور کی وجہ سے برا لگنے لگا۔ ورنہ ہندو و مسلمان عورت حیا مجسم ہوتی ہے۔ اگر پردہ میں یہ ظلم نہ ہوتا۔ تو وہ اس کو کبھی نہ چھوڑتیں۔ آج کل جو مسلمان عورتیں بے پردہ ہو کر بے حیائی کی زندگی بسر کر رہی ہیں اس کے سبب اول وہ ہی مسلمان ہیں۔ جنھوں نے ہندوؤں کے اطوار کی پیروی میں اپنی عورتوں کی ازدواجی زندگی کو لعنتِ مجسم بنا دیا تھا۔ انگریزی تعلیم اس کا سبب اول نہیں ہے۔ یہ تو محض اپنے اوپر سے الزام ہٹانے کے لیئے کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ خرابی انگریزی تعلیم کی ہے۔

بے پردگی کے حامی کہتے ہیں کہ پردہ کا تعلق مذہب سے نہیں۔ یہ ایک قسم کی طرز رہائش ہے۔ مذہب نہیں۔ دوسری بحث ان کی یہ ہے کہ عرب میں جناب رسالتمآب کے زمانے میں اتنا پردہ نہ تھا۔ عورتیں باہر پھرتی تھیں سودا خریدتی تھیں۔ لوگوں سے بات چیت کرتی تھیں اب ان کو اس سختی سے اندر کیوں بند کر دیا گیا ہے۔

پردہ کا حکم قرآن شریف میں ہے۔ سورۃ نور کی آیات ۳۰ اور ۳۱ پڑھ لیا جاوے۔ معلوم ہو جائے گا۔ ہم تو قرآن کے حکم کو مذہب ہی سمجھتے ہیں

رہا۔ ایسا پردہ اور ویسا پردہ۔ یہاں اصول سے بحث ہے۔ جب پردہ کا اصول مان لیا گیا تو جس طرح کا پردہ حالات کے مطابق ہو ویسا ہی مناسب ہوگا۔ اوّل تو یہ ٹھیک طرح سے نہیں کہا جاسکتا کہ عرب میں کیسا پردہ تھا جو تواریخ وغیرہ میں دیکھتے ہیں اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں گھر میں یا خیمہ میں رہتی تھیں۔ قضاءِ حاجت کے لئے یا لکڑیاں چننے کے لیئے یا اونٹ چرانے کے لیئے خیمہ کی عورتیں باہر بھی جاتی تھیں لیکن ان میں بھی شرفا کی عورتیں برقعہ اور مقنعہ اوڑھ کر۔ عرب کے تو مرد بھی منہ پر نقاب ڈالے رہتے تھے۔ تو عورتوں کا کیا کہنا۔ بادِ سموم ایسی چلتی تھی کہ منہ اور پیچھے کی طرف کی گردن کھول نہیں سکتے تھے۔ پھر یہ بھی ضرور ہے کہ آبادی ہمیشہ کئی اقسام پر مشتمل ہوتی ہے۔ صدیوں سے یہی ہے کہ ہر ایک آبادی میں، شرفا، رذائل، امرا، غربا محنت والے لوگ اور دوسروں سے محنت لینے والے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ ان کی عورتوں کی طرزِ رہائش مختلف ہوتی ہے۔ پھر شہری و بدوی کا فرق ہوتا ہے جنگل میں رہنے والے لوگ نہ زیادہ پردہ کر سکیں اور نہ انھیں پردہ کی ضرورت۔ محنتی لوگ پردہ کریں تو کس طرح کمائیں۔ لیکن بہر صورت اسلام کے بعد پردہ کا اصول سب مانتے تھے۔ اور جب اصول مان لیا تو کسی نہ کسی قسم کا پردہ ضرور کرینگی اگر کھیت میں جاکر محنت کرنی ہے یا جنگل سے لکڑیاں لانی ہیں، تو اس طرح کام کرینگی کہ پردہ قائم رہے۔ عورتیں سب ساتھ رہیں۔ ایسے راستے سے جائیں گی جہاں مرد نہ ہوں، اکیلی نہ ہوں۔ اور مقنعہ و برقعہ ہمیشہ ساتھ ہوگا۔ عرب و ہندوستان میں پردہ کی سخت نہ ہونیکی وجہ یہ تھی کہ ان کے یہاں یہ اصول مانا ہوا تھا کہ ایک قبیلہ ایک ہی شخص کی اولاد ہے اور قبیلے قبیلے علیحدہ رہتے تھے۔ مثلاً بنو ہاشم، محلہ بنو امیہ، محلہ بنو تمیم، محلہ والوں کو رشتہ دار سمجھ کر ذرا پردہ میں کمی ہو گئی ہوگی معلوم نہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ عرب میں ایسا پردہ نہ تھا۔ انھوں نے کس قبیلہ یا پیشہ کی عورت کے حالات پڑھ کر یہ نتیجہ نکالا ہے۔ بہر صورت ہم تو جناب فاطمہ کی طرزِ رہائش کو اپنا نمونہ قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ عورت کی

سب سے بہتر خصلت یہ ہے کہ وہ نہ کسی مردِ غیر کو دیکھے اور نہ کوئی مردِ غیر اُسے دیکھے
عرب میں جناب فاطمہ کے زمانے میں ایسا پردہ بہترین پردہ سمجھا جاتا تھا۔ ہم نے
کسی روایت میں نہیں دیکھا کہ حضرت فاطمہ یا جناب عائشہ یا ام سلمہ بازار میں سودا
خریدنے گئی ہوں۔ اور ہم کو دوسری عورتوں سے غرض نہیں جو باہر بازار میں
جاتی ہوں۔ عرب کی عورتیں خود ہی کھانا پکاتی تھیں۔ پانی بھرتی تھیں۔ گھر کی صفائی
کرتی تھیں۔ اور چونکہ ان کے یہاں پردہ تھا۔ لہذا ان کے تقریباً ہر گھر میں کنواں
ہوا کرتا تھا۔ ہمنے کسی روایت میں نہیں دیکھا کہ عورتوں کی انجمنیں قائم تھیں جہاں
وہ جاکر لیکچر دیا کرتی تھیں۔ اگرچہ لیکچر دینا زمانہ حال کی ایجاد نہیں ہے۔ اس زمانہ میں
مردوں کا لیکچر دینا تقریر کرنا عام تھا۔ اچھا ساری بحث کو جانے دو۔ ایسا پردہ تھا یا
نہیں تھا۔ یا کیسا پردہ تھا۔ یہ تو مسلمہ امر ہے کہ غیر مردوں کے ساتھ مل کر عورتیں
ناچا نہیں کرتی تھیں۔ بغیر ضرورت مجمع عام میں نکل کر اپنے حسن کا مظاہرہ تو نہیں
کیا کرتی تھیں۔ بغیر ضرورت محض تماشا کے خاطر بازار میں تو نہیں پھرا کرتی تھیں
اگر اس زمانہ میں ایسا پردہ نہ تھا تو ایسی بے پردگی بھی تو نہ تھی۔ دوسرے ملکوں میں
جاکر اپنی موسیقی اور اپنے رقص کے ہنر تو نہیں دکھایا کرتی تھیں۔ اور پھر بے پردگی
بے پردگی میں بھی فرق ہوتا ہے۔ اس زمانہ کا پردہ ایسا نہ تھا تو اس زمانہ کی بے
پردگی بھی تو ایسی نہ تھی۔ آج کل کی باہر کی فضا میں ہر قسم کی بیحیائی اور بیدینی پھیلی
ہوئی ہے۔ اور پردہ سے باہر آن کر عورت ان تمام بیحیائی کی تحریکات سے دوچار
چار ہو جاتی ہے۔ کہیں سینما ہے، کہیں رقص ہے، کہیں شراب کے دور جاری
دکھیتی ہے۔ ہوٹلوں میں مردوں سے آنکھیں لڑتی ہیں۔ سینماؤں میں آنکر ہاتھ بھی
لڑنے لگتے ہیں۔ فضا میں ہر قسم کی بیدینی کی لہریں دوڑ رہی ہیں۔ اور وہ ان سب
سے اثر لیتی ہے۔ خدا کا نام لینا فیشن کے خلاف اور نماز پڑھنے کو پرانے زمانے
کی جہالت سمجھنے لگتی ہے۔ دیکھیے ایک بے پردگی کتنی مرکب بن گئی۔ اس زمانے
میں محض ایک بے پردگی تھی۔ اگر ہو گی۔ گھر میں بھی خدا کا نام سنتی تھی باہر بھی خدا ہی

خدا لوگ پکارتے تھے نماز پڑھنا فیشن میں داخل تھا۔ اس بے پردگی کے ساتھ کوئی اور گناہ نہ تھا۔ ہم جناب رسولِ خدا کے زمانے کی عورتوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانہ کی عورتوں کا ذکر نہیں کرتے۔ اُن سے تو خدا بچائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بے پردگی کے حامی حضرات کی نظروں میں بنو امیہ و بنو عباس کے زمانہ کی عورتیں ہیں۔ ان کے کردار کی ہم پیروی نہیں کرتے۔ اور نہ وہ ہمارے لئے قابلِ پابندگی ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ اگر جناب فاطمہ کی طرز رہائش و کردار و عمل کی پیروی کرنی ہے تو بے پردگی کو چھوڑ دو سینما اور رقص خانوں کو خیرباد کہو۔ شراب کو منہ سے نہ لگاؤ۔ غیر مردوں کا خیال نہ کرو۔ تمہارا دائرہ عمل فقط گھر ہے۔ اگر اس کو جنت کا نمونہ بنا دو گی تو بس تمہارا فرض ادا ہو گیا۔

وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ عورتوں کو پردہ میں بٹھانے سے نصف بنی نوع انسان کو بیکار کر دینا ہے ان کو باہر نکالو تاکہ خاوندوں کے دوش بدوش ہو کر وہ روپیہ کمائیں اور گھر میں فراغت حاصل ہو۔ اس مسئلہ پر اس کے ہر پہلو سے نظر نہیں ڈالتے۔ یہ لوگ انسانی زندگی کو تو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ یعنی پرائیوٹ زندگی اور پبلک زندگی۔ لیکن گھر کی زندگی کا خیال نہیں کرتے۔ اگر گھر سے عورت کو نکال کر پبلک میں ڈال دیں گے تو گھر کا کیا انتظام کیا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ انسان کی رنج و راحت خوشی و غم تعلیم و تربیت ترقی و تنزل کا انحصار اس کے گھر پر ہے۔ اگر خود منسٹر۔ بیوی۔ ڈپٹی منسٹر تو بس گھر سکریٹ قصہ ختم ہوا۔ بنی نوع انسان کو قدرت نے دو جدا گانہ مخلوق میں تقسیم کر کے بتا دیا کہ ان کا دائرہ عمل علیحدہ علیحدہ ہے۔

قرآن شریف میں عورت کی ہستی کا مقصد بہت واضح کر دیا ہے۔ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۷ : ۱۸۹ مرد کو باہر کی دنیا میں بہت

لڑائیاں لڑنی پڑتی ہیں۔ عورت کا فرض یہ فرض ہے کہ مرد کے لئے گھر ایسا بنا دے کہ اسے اس میں تسکین ہو اور جب باہر سے آئے تو ساری کوفت بھول جائے۔ اور پھر دوسرے دن کی لڑائی کے لیئے از سر نو تازہ ہو جائے۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ چھوٹا سا کام ہے ہے۔ یہ بہت بڑا کام ہے۔ اس کے لیئے عورت کو دیکھئے کتنی محنت کرنی پڑے گی۔ اول تو گھر کو ایسا سلیقہ سے رکھے کہ مرد کے لیئے جاذب نظر ہو۔ اگر وہ تعلیمیافتہ اور مذاق صحیح رکھنے والا ہے تو اس پر زیادہ زور دینا پڑے گا۔ گھر کے کھانے پکانے کا انتظام۔ اگر نوکر ہیں تو ان سے صحیح طریقہ سے کام لینا۔ کہ وہ خیانت و بددیانتی نہ کر سکیں۔ حساب رکھنا۔ کھانیکے کو دیکھنا کہ خراب نہ پکے۔ یہ نہیں کہ ذمہ پر ڈالدیا۔ اور خود آزاد ہو گئے۔ بچوں کی تعلیم کا بہت بڑا کام ہے۔ اس پر ان کی آئندہ زندگی کا دارومدار ہے۔ آج کل آپ دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ بچے پتنگ اڑاتے ہیں یا آوارہ پھرتے ہیں یا بری عادتوں میں پڑ جاتے ہیں ان کو صحیح راستہ پر لگائے رکھنا عورت کا مشکل ترین کام ہے۔ ان کی روزانہ پڑھائی دیکھنا باپ کے سامنے ضروری باتونکی موقع و مناسب وقت دیکھ کر رپورٹ کرنا۔ سولہ برس کی عمر تک وہ ماں کے زیر اثر رہتے ہیں۔ اور ان ہی ۱۶ برس میں ان کی زندگی بنتی یا بگڑتی ہے۔ انسان کا مقصد حیات روپیہ کمانا نہیں ہے اور نہ خوشی کو دولت سے کچھ نسبت ہے۔ تم نے اتنی بڑی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے۔ کہ کئی انسانوں کو تم عدم سے منصہ شہود پر لاتے ہو۔ اگر ان کی زندگی بگڑ گئی تو کیا تم نہ پکڑے جاؤ گے۔ یاد رکھو کہ خدا بھی ہے۔ حساب کتاب بھی ہے۔ میزان بھی ہے۔ اور حشر و نشر بھی ہے! اور عاقبت کی عقوبت بہت سخت ہوتی ہے۔ اس کے بعد عورت کا یہ بھی کام ہے کہ اپنے حرکات و سکنات اور اپنی گفتگو سے اپنے خاوند کو اتنا محو کرے کہ پھر وہ خرافات ولغویات کی طرف نظر نہ ڈالے۔ اپنی آرائش کرنی عورت کا سب سے بڑا فرض ہے۔ لیکن وہ آرائش خاوند کیلیے ہے۔ لاہور کے مال روڈ یا کراچی کے کلفٹن کے لیئے نہیں ہے۔ اس آرائش کی تاکید احادیث رسول میں ہے۔ جب خاوند باہر سے آئے تو سب سے پہلے عورت کا فرض ہے کہ وہ ہنستے ہوئے چہرے سے اس کا استقبال کرے۔ اس کو اپنے

گلے سے لگائے۔ اور اسکی پیشانی پر بوسہ دے کر اس کے دن بھر کے رنج و الم کو دور کرے۔ شام کو کھانے پر سب بچوں کو بلائے۔ ان کی دن بھر کی باتیں سنا کر اس کا دل بہلائے۔ یہ بھی عورت کا فرض ہے کہ کوئی کام یا کوئی بات ایسی نہ کرے جس سے اس کے خاوند کی عزت پر حرف آئے۔ گھر کو اپنی شان و عزت کے لائق آراستہ رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ کہیں کہ اس کے خاوند نے عورت کے انتخاب میں غلطی کی۔ لیکن یہ سب امور اس وقت ممکن ہیں کہ خاوند بھی عورت کے لیئے ایسا ماحول پیدا کر دے کہ اس کا دل خوشی سے لبریز رہے۔ تب ہی تو اس کا چہرہ گلاب کی طرح کھلے گا۔ ورنہ میری یہ ساری تحریر پڑھ کر وہ کہے گی کہ اس شخص نے اتنا بڑا تو لکچر دیدیا۔ اس کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ خوشی بناوٹ سے نہیں بنائی جاتی۔ دل سے اُبلتی ہے۔ میں تو اتنی تکلیف میں ہوں کہ میرا خدا ہی جانتا ہے۔ یہ شخص کہتا ہے کہ بچوں کو تعلیم بھی دو۔ گھر کو سلیقہ سے رکھو۔ اور دل کو دونوں ہاتھ سے مسوس کر جب خاوند آئے تو ہنستے ہوئے چہرے سے استقبال بھی کرو۔ اور اسے خوش کرو۔ میرا تو دل رو رہا ہے میں اس کو خوش کروں میں نے خوش بھی کیا تو ابھی ساس نندیں آنکر سب کچھ ملیامیٹ کر دینگی۔ بھاڑ میں جائے گھر اور بھاڑ میں جائے بچوں کی تعلیم۔

یہ یاد رکھو کہ اگر تمھیں اپنے گھر میں خوشی نہ ملی تو پھر کہیں نہیں ملے گی۔ باہر تو تنازع للبقا ہے۔ وزیر بن جاؤ۔ گورنر بنجاؤ۔ لوگ تمہارے آگے پیچھے پھرینگے لیکن اصلی خوشی کا ایک قطرہ بھی نہ دے سکیں گی۔ تمہارا عہدہ تمہیں تکلیف دے گا۔ خوشی نہ دے گا۔

لیکن الیٹھا کی وہ تفسیر ہے جو ہم نے اوپر بیان کی۔ عورت کو گھر میں بہت کام ہیں۔ اگر تم نے اسے باہر نکال کر سکریٹری بنا لیا یا کسی انتخاب میں لڑا لیا تو گھر کی خوشی معدوم ہو جائے گی۔ وہ ہر وقت اس خیال میں رہے گی کہ میں انتخاب کیونکر لڑوں۔ ناچنے کا کونسا لباس پہنوں۔ خدا کرے آج ناچ کا ساتھی مسٹر ... مل جائے۔ بڑا خوبصورت جوان ہے۔ خوب ناچتا ہے اور مجھے اس طرح اٹھا کر

بال میں چکر دلاتا ہے کہ مزہ آجاتا ہے۔ جنت تو وہ ہے جب میرا سینہ انکے سینے کو ملتا ہے۔ شاید بعض حضرات اس فیشن کے دلدادہ کہیں کہ ممکن ہے کہ یہ خیال جاہل عورتوں کے دل میں گزرتے ہونگے میری عورت اس سے بالاتر ہے۔ جس طرح جولیس سیزر نے کہا تھا کہ سیزر کی بیوی شبہ سے بالاتر ہے۔ جس طرح وہ شبہ سے بالاتر ہوئی تاریخ جانتی ہے واقعی یہ ٹھیک ہے

where ignorance is bliss it is folly to be wise

جب عقل سے تکلیف پہنچے تو جاہل ہی رہنا اچھا ہے۔ اور ہم کب کہتے ہیں کہ کسی شریف زادی پر شبہہ کیا جائے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اسکو ایسے ماحول میں کیوں ڈالتے ہو کہ شبہ کی گنجائش ہو سکے۔ جہانتک عورتونکی طرز رہائش اور زندگی کا تعلق ہے ہندوستان میں جس میں پاکستان شامل ہے مسلم سوسائٹی دو حصوں پر تقسیم ہو گئی ہے۔ ایک تو وہ جس میں عورتوں پر وہ ظلم ہوتے ہیں۔ جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اور دوسرے وہ جو اس سے بغاوت کر کے بنی ہے۔ اور جس میں عورتیں ایسی آزاد ہیں جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دونوں طریقے درست نہیں ہیں قصہ مختصر یہ کہ اگر جناب فاطمہ کے کردار و عمل کی پیروی کرنی ہے تو بے پردگی کو چھوڑو سینما و رقص خانوں کو خیرباد کہو۔ شراب کو منہ سے نہ لگاؤ۔ غیر مردوں کا خیال نہ کرو۔ تمہارا دائرہ عمل فقط گھر ہے۔ اور اس کو اگر تم اپنے خاوند اور بچوں کے لئے خوشی کا محل بنادوگی تو بس تمہارا فرض ادا ہو گیا۔ یہ نہ خیال کرو کہ تمہارے خاوند کو گھر کے علاوہ کہیں اور خوشی ملتی ہے یا مل سکتی ہے۔ اگر غیر عورتوں میں بھی جاتا ہے شراب پیتا ہے برج کھیلتا ہے تو اس کو خوشی نہیں ملتی۔ وہ تو ان باتوں سے غم غلط کرتا ہے لیکن غم بھی غلط نہیں ہوتا۔ غالب نے ٹھیک کہا ہے ؎

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو ‏ ‏ جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں

میرا کام اس منزل کا ختم ہوا۔ حافظ کا یہ شعر پڑھکر دل کو تسلی دیتا ہوں ؎

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن است و بس ‏ ‏ در بند آں مباش کہ نشنید یا شنید

محمد سلطان مرزا ستی سائڈ بلڈنگ۔ اے۔ ایم ع 3 18 دسمبر ۱۹۵۰ء

430 P.M.

حسین اور نماز

نتیجۂ فکر شاعرِ اہلبیت جناب سید آل رضا صاحب رضا ایڈوکیٹ

جناب امام حسین علیہ السلام کی نماز پر بہت لوگوں نے لکھا اور خوب لکھا۔ لیکن ایسے خوش نصیب کم ہیں کہ جنھوں نے موقع پر لکھا اور کسی کے اشارے پر لکھا۔ جناب سید آل رضا صاحب ایڈوکیٹ نے یہ بیت اپنے سفر عشرۂ محرم [illegible] کربلائے معلےٰ میں عین ضریح مبارک کے پاس بیٹھ کر صاحب ضریح کی اجازت بلکہ اشارے سے لکھے۔ آپ کی ذات گرامی محتاجِ تعارف نہیں۔ جب دامن لکھنؤ آپ کی گل چینی باغِ مدحت رسول و آل رسول کے مقابلے میں ہیچ نظر آنے لگا تو آپ نے اسے شرمندگی سے بچانے کے لیے سفر کراچی اختیار کیا۔ دین و دنیا دونوں کے حصول کی کوشش اور کامیابی کے ساتھ کوشش آپ کی زندگی کا مابہ الامتیاز ہے۔ ہم نے مناسب سمجھا کہ اپنے ناظرین تک اس تبرک کو پہنچائیں۔

خوشا نصیب دیارِ حسینؑ دیکھ لیا — خدا کا شکر، مزارِ حسینؑ دیکھ لیا

مقامِ سجدہ، وقارِ حسینؑ دیکھ لیا — جو سُن رہے تھے، نثارِ حسینؑ دیکھ لیا

شعاعِ ابنِ شہِ بوتراب کیا کہنا

زمیں پہ سر بفلک آفتاب کیا کہنا

وہ آفتاب جو لائے بقدرِ ہوش نظر — وہ آفتاب سکھائے جو دیکھنے کا ہنر

وہ آفتاب، جو ہے دیں پناہ و دیں پرور — وہ آفتاب، جو رحمت گنہگاروں پر

نظر فروز شعاعوں کا طور کیا کہئے

بس ایک نور برستا ہے اور کیا کہئے

وہ نور، جسکی ضیا لا الٰہ الا اللہ — وہ بزم، جسکی فضا لا الٰہ الا اللہ

وہ فیض، جسکی عطا لا الٰہ الا اللہ — وہ درد، جس کا مزا لا الٰہ الا اللہ

وہ اہلِ درد کے پہلو رہِ رضا سے ملے

خود اپنے خوں میں تڑپتے ہوئے خدا سے ملے

وصال، صلِ علیٰ، لا الٰہ الا اللہ — کمال، جسکی صدا لا الٰہ الا اللہ

جمال، جسکی ادا، لا الٰہ الا اللہ — جلال، جس سے سوا لا الٰہ الا اللہ

نظر کو اذن، بکیف و فورِ جلوہ گری

ادب، ادب کی نقابت، حضورِ جلوہ گری...

کروں خدا کے لئے میں کہاں کہاں سجدے — صدائیں آتی ہیں ہر سمت سے یہاں سجدے
ہیں امتیاز سے بالا، یہاں وہاں سجدے — در قبول ہے، ہو جائیں آپ جہاں سجدے

یہیں سے دل میں عبادت گزار راہیں ہیں
یہیں کی خاک کی خوشبو میں سجدہ گاہیں ہیں

بنی ہوئی ہے، مصلےٰ فضائے قبر امام — بلند نام و پیغام خدا رسول کا نام
سماں وہ جیسے شبِ قتل شاہؑ کے خیام — وہی قعود و قیام اور وہی درود و سلام

یہ التزام "اقیموا الصلوٰۃ" راز نہیں
شہید حق کی زیارت بھی بے نماز نہیں

وہ روبقبلہ نمازی کی شان سے ایوان — زبانِ حال منارہ کہ ہو چکی ہے اذاں
ضریح تک جو اسی دھن میں آ گیا انسان — دکھائی دیگا شہید کی شکل میں ایمان

بر مزارِ شہیداں عبادتیں زندہ
درِ حسینؑ سلامت، شہادتیں زندہ

نماز و قبلہ میں اک ربطِ حق نما بھی ہے — رجوعِ قلب بھی ہے، مرضیٔ خدا بھی ہے
زمانے بھر میں اسی پر عمل رہا بھی ہے — مگر یہاں تو اسی رخ میں مرتضیٰ بھی ہے

وقارِ قبلہ پہ سب کچھ نثار فرمایا
اسی طرف سے شہیدوں کا قافلہ آیا

حسینؑ نازِ مشیت، حسینؑ امام نیاز — حسینؑ ایسی حقیقت جو اصل میں اعجاز
حسینؑ اپنے ہی جد کی یہ مستقل آواز — ہزار کرب و بلا ہو مگر نماز نماز

جہاں کی سمت نہ وقتِ نماز، پڑھ کے چلے
نماز رہ گئی ایسی نماز پڑھ کے چلے

رجوع جس میں کہ دل بسوئے حق لپکتا تھا — خشوع جس کو بحیرت خلوص تکتا تھا
خضوع جس میں نظامِ نفس کو سکتا تھا — رکوع جس میں کہ تازہ لہو ٹپکتا تھا

پھر اپنے خون سے محکم بنائے دیں رکھ دی
زمیں کو ہو گئی معراج، یوں جبیں رکھ دی

اِطلاعِ عام

اس کتاب میں مذہبِ امامیہ کے معتقدات
کے مطابق تاریخی تنقید اور موزوں نکتہ چینی
سے کام لیا گیا ہے اور اُنھیں حضرات
کے لئے یہ تحریر ہوئی ہے

سیرۃ

فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا

مؤلفہ آغا محمد سلطان مرزا دہلوی

کی

چند خصوصیات

(۱) اس کتاب میں زبان کی سلاست، متانت اور شستگی کا خیال رکھا گیا ہے۔

(۲) تاریخی تنقید و بحث میں مفصل اور معتبر حوالے کتب عام اہل اسلام کے دئے گئے ہیں۔

(۳) حضرت ابو طالب کے اسلام پر بحث اور اس کا اثبات

(۴) اس گمراہ کن روایت کی اصلیت کہ حضرت علی نے بدوران حیات فاطمہؑ ابوجہل کی لڑکی سے خواستگاری نکاح کی جس سے جناب رسول خدا کو رنج ہوا۔ اس کی تردید نقلی عقلی و تاریخی واقعات و بحث سے۔

(۵) مقدمہ فدک پر قانونی و تاریخی نقطہ نگاہ سے بحث

(۶) جناب فاطمہ علیہا السلام کے زمانہ کی دنیا کی مذہبی، سیاسی، معاشرتی حالت،

(۷) امام حسن کے خطبے بعد صلح اور صلح کی مصلحت پر تبصرہ۔

(۸) حضرت زینب، ام کلثوم اور فاطمہ بنت الحسین کے وہ تمام خطبے اور مرثیے جو انھوں نے اپنے سفر و اسیری و مراجعت میں بیان کئے۔

(۹) حضرت سکینہ بنت الحسینؑ کی مفروضہ محفل آرائیاں۔ اس روایت کی تردید تاریخی حیثیت سے جس کو ایک خاندان بنی امیہ کے مصنف نے اپنی راگنیوں کی کتاب یعنی کتاب الاغانی میں وضع کر کے شہرت دی۔

(۱۰) حضرت فاطمہ و حضرت علی کی ازدواجی زندگی کو نمونہ عمل قرار دیکر اس سے جو جو سبق حاصل ہوتے ہیں اُن کا بیان اور موجودہ مسلمانوں کی ازدواجی زندگی میں جو خرابیاں رونما ہوگئی ہیں ان کا بیان اور اُن کے اصلاح کا طریقہ۔ دیگر خصوصیات جن کا ذکر یہاں ضروری نہیں۔